شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بناء لا الہ است حسینؑ
خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بناء "لا الہ" گردیدہ است
ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ

الحمد للہ کہ بہت ضروری اور نہایت مفید رسالہ

بناء لا الہ

S. Muzaffar Husain Zaidi

جس میں رسالہ اردو کراچی ماہ جنوری سنہ ۱۹۵۶ء کے نامہ نگار صاحب کو جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو بغاوت اور یزید کی بیعت نہ کرنے کو بہت بڑا فساد اور اسلام میں فتنہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، دوستانہ طور پر تشفی بخش صورت سے سمجھانے کی پوری سعی کی گئی ہے کہ حضرت امام مظلوم نے اس عظیم الشان قربانی سے اسلام کو زندہ رکھ لیا اور وہی دفاعی جہاد کیا جس کا اصول حضرت رسولخدا صلعم نے مدینہ منورہ کی دس سال تک کی زندگی میں قائم کر دیا تھا۔ اگر حضرت شہادت قبول نہ فرماتے تو دین حق بالکل مٹ جاتا اور اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار انڈیا)
میں چھپ کر شایع ہوا

ماہ محرم ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۵۶ء

قیمت عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب م ۔ ا ۔ ع صاحب!

سلام علیکم ۔ سہ ماہی رسالہ اردو کراچی کی پینتیسویں (۳۵) جلد کے پہلے نمبر جنوری سنہ ۱۹۵۶ء میں ایک بہت افسوسناک مضمون شایع ہوا ہے جس کی نقل ذیل میں درج کرکے ہم آپ سے دوستانہ طور پر کچھ کہنا چاہتے ہیں اور آپ سے التماس کرتے ہیں کہ اس کو ٹھنڈے دل سے سن کر اپنی رائے سے ہمیں مطلع فرمائیں جس پر ہم آپ کے نہایت درجہ شکر گزار ہونگے آپنے تحریر فرمایا ہے :-

الحسین تالیف عمر ابو النصر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی ۔ مطبوعہ مکتبہ جدید اناد کلی لاہور ۔ ضخامت ۲۰۷ صفحات پاکٹ سائز ۔ اس مختصر سی کتاب کے بارے میں مؤلف کا دعویٰ ہے کہ حضرت حسین ابن علی کے حالات زندگی اور شہادت کے واقعات بیان کرنے میں اس نے پوری کوشش اس امر کی کی ہے کہ وہی واقعات درج کرے جس کی ثقہ مؤرخین اور مشہور و معروف مؤلفین نے تائید کی ہے اور انھیں اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے (عرض مؤلف) چنانچہ اپنے ماخذوں میں گیارہ عربی اور پانچ یورپین مؤرخین اور مؤلفین کی کتابوں کی فہرست دی ہے ۔ جن میں تاریخ طبری، ابن اثیر، بلاذری وغیرہ کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، یا برٹینیکا کے نام بھی شامل ہیں ۔ کتاب کا سرسری مطالعہ کرنے ہی سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ مؤلف نے ایک خاص فرقہ کے نظریہ کو پیش رکھ کر اس تالیف کو مرتب کیا ہے ۔ تحقیق و تفتیش سے مطلق سروکار نہیں رکھا ۔ ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں کے بیانات ہی پر حصر کیا ہے ۔ کتاب کو ۱۴ عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے ۔ پہلا ہی عنوان ہے "خلافت پر اہل بیت کا حق" اور اس مفروضہ حق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شیعیت کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی جب رسول اللہؐ کی وفات کے معاً بعد حضرت علی کی خلافت کا نظریہ پیش کیا گیا تھا ۔ یہ نظریہ کہ خلافت صرف اہلبیت کا حق ہے اور انکا حق انہی کو ملنا چاہیے برابر زور پکڑتا رہا تا آنکہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا جانگداز واقعہ پیش آیا (صفحہ ۵) نیز اسی نظریہ کے تحت حضرت علی کا لقب وصی قرار دیا گیا اور وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی کہ رسول اللہؐ نے اپنے بعد حضرت علی کی خلافت کے لیے وصیت فرمادی تھی اس لیے وصی ٹھہرے ۔ یہی نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو حضرت علی کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؑ کی بیعت کرنے پر آمادہ کیا ۔ اسی نظریہ کی وجہ سے جب امام حسنؑ نے حضرت معاویہ کے حق میں دست برداری کا اعلان کر دیا تو امام حسینؑ نے یہ بات ناپسند کی ۔ یہی نظریہ تھا جس کے تحت حضرت امام حسینؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسی نظریے کے تحت عراق کے مسلمانوں نے حضرت امام حسینؑ کی بیعت کی (صفحہ ۱۰)

مؤلف کی یہ سراسر غلط بیانی ہے اور اس غلط بیانی کی پوری تکذیب خود اسی کے ماخذ طبری کی روایتوں سے ہو جاتی ہے (صفحہ ۱۹۲، ۱۹۴ طبع اول مصر) ۔ جہاں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس کی سند سے دو جگہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کے وفات پانے سے چند گھنٹے پہلے جب آپ کی طبیعت سنبھل چکی تھی اور حضرت علیؑ حجرے سے باہر آگئے تھے تو لوگوں نے

پوچھنے پر انھوں نے کہا تھا کہ خدا کا فضل ہے کہ اب طبیعت اچھی ہو چلی ہے۔ اس وقت اُن کے چچا حضرت عباسؑ نے بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا میں جانتا ہوں کہ ہمارے خاندان بنو عبدالمطلب کے چہروں پر موت کے قریب کیا کیفیت طاری ہو جاتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہؐ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ آؤ چلیں اور اُن سے پوچھیں کہ یہ امر خلافت کن میں ہوگا۔ اگر ہم میں ہوگا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر دوسروں میں ہوگا تو وہ ہم کو کچھ وصیت کریں گے۔ اس پر حضرت علی نے کہا تھا واللہ اس بات کو ہم رسول اللہ سے ہرگز نہیں پوچھیں گے کیونکہ اگر انھوں نے منع کر دیا پھر بھی لوگ ہمیں نہ ہونے دیں گے اور واللہ میں تو اس کے بارے میں ہرگز رسول اللہؐ سے نہیں پوچھوں گا"

کیا ان روایتوں سے جو خود مؤلف ہی کے ماخذ میں موجود ہیں اس کے اس بیان کی کہ خلافت اہل بیت کا حق تھا پوری تردید نہیں ہو جاتی؟ یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ اسی طور سے اس نے اپنی تالیف کو مرتب کیا ہے اور باوجودیکہ آخری باب اس کا "وحدت اسلامی کی اپیل" ہے لیکن اس نے جابجا حضرت معویہ جیسے بزرگ صحابی پر سب وشتم کرنے سے بھی اجتناب نہیں کیا جس کا اشارہ خود مترجم نے مقدمہ کتاب میں کر دیا ہے۔ مؤلف کی تنگ نظری، تعصب اور مؤلفانہ بددیانتی کے ثبوت خود اس کی کتاب میں بکثرت ہیں جن پر محاکمہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ آخر میں اس نے معصومیت کے انداز میں کہا ہے کہ "کیا تمام اسلامی سرزمین میں اس مختصر سے گروہ کے علاوہ جو امام حسینؑ کے ساتھ تھا اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس بات کا اعلان کرتا کہ حق امام حسینؑ کے ساتھ ہے اور اسلام کی کشتی کے صحیح طور پر ناخدا بننے کے آپ ہی حق دار ہیں"

مؤلف کے اس سوال کا جواب تو خود اسی کے ماخذ طبری (ج ۶ ص ۱۹۱ طبع اول مصر) میں موجود ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر نے ابن زبیر اور حسین دونوں سے فرمایا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین سطر ۲۶) اس کا جواب تو خود اسی کے ماخذوں میں موجود ہے جہاں حضرت حسینؑ کے بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور ہمدردوں نے انھیں ہر طرح سمجھایا تھا، منع کیا تھا خطرات سے آگاہ کیا تھا حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس جیسی بزرگ ہستیاں جو سن وسال کے اعتبار سے رسول اللہ کے شرف صحبت کے لحاظ سے، اپنے علم وفضل، اتقا اور پرہیزگاری کے لحاظ سے حضرت حسینؑ اور ابن الزبیر سے بدرجہا فائق تھیں۔ جب برضا و رغبت یزید کی بیعت کریں، جب حضرت حسین کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ بھی یزید کی بیعت کریں، اور اپنے بھائی کو خروج سے منع کریں اور ابن الزبیر کے ایجنٹوں کو جب وہ یزید کی شراب نوشی کا جھوٹا پروپیگنڈا کرنے ان کے پاس آئے تھے ڈانٹ بتائیں اور کہیں کہ "میں یزید کے پاس گیا ہوں، اس کے پاس مقیم رہا ہوں، وہ نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا، سنت نبوی کا التزام رکھنے والا ہے۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۳) حضرت عبداللہ بن عباس جیسے حبر الامۃ یزید کو صالح و نیکوکار بتائیں (بلاذری انساب الاشراف ج ۴ صفحہ ۳ مطبوعہ یروشلم) اس کے علم وفضل کا اعتراف کریں اور سوائے ان دو دعوے داران حکومت اور خلافت کے سب مسلمان ایک شخص سے بیعت کر لیں تو تفرقہ پیدا کرنے کے لیے

ان دو عہدیداروں کے لیے کیوں کوئی اُن کے ساتھ نکلتا؟ مؤلف کے ہم وطن اساتذہ تاریخ اسلامی کا یہ قول اس کی تردید کے لیے کافی ہے

وعلی الجملة فان الحسین	القصہ حسینؓ نے بڑی شدید غلطی
اخطأ خطاءً عظیماً فی خروجه	اپنے خروج میں کی۔ اس سے اُمت پر تفرقہ
هذا الذی جرّ علی الامة	و اختلاف کا وبال پڑا اور اُلفت و محبت کے
وبال الفرقة والاختلاف وزعزع	ستون کو آج کے دن تک جھٹکا لگا۔ اکثر
عماد الفتها الی یومنا هذا.	لکھنے والے اس حادثہ کے بارے میں سوائے
وقد اکثر الناس من الکتابة	اس کے کہ آگ مشتعل
فی هذه الحادثة لایریدون بذلك	کریں اور کچھ نہیں
الا ان تشتعل النیران فی القلوب.	کرتے

یہ بھی اسی قسم کی تالیف ہے جو اس قابل نہ تھی کہ اس کا ترجمہ اردو میں کرایا جاتا۔ حضرت حسین کے عزیزوں اور معاصرین نے اُن کے اس خروج کو جس نظر سے دیکھا تھا اس کا اندازہ اُن کے ایک اور بھائی عمر الاطرف کے قول سے ہوتا ہے جو ایک شیعہ مؤلف مورخ و نسابہ صاحب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے لکھا ہے (صـ ۳۵۷ مطبوعہ لکھنؤ)

انا الغلام الحازم ولو اخرج	میں ایک ہوشیار نوجوان ہوں اگر میں اس
لذهبت فی المعرکة وقُتلت	کے ساتھ خروج کرتا تو لڑائی میں شریک ہوتا
	اور مارا جاتا۔

مؤلف کا یہ بیان بھی قطعاً غلط ہے کہ حضرت علیؑ و معاویہؓ کے درمیان جو کچھ واقع ہوا اس کا یہ اثر ہوا کہ دونوں کی اولاد میں اسی شدت سے جھگڑے پیدا ہوتے رہے جس شدت سے والدین کے درمیان ہوئے تھے (صفحہ ۱۱) حالانکہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت حسین کے صاحب زادے علی ابن الحسین معروف بہ زین العابدین ہمیشہ یزید کے طرف دار رہے اور حضرت حسین کے بھائی عباس بن علی کی حقیقی پوتی نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علی کی شادی یزید کے حقیقی پوتے علامہ خالد بن یزید سے واقعہ کربلا کے بعد ہوئی تھی (جمہرۃ الانساب ابن حزم مطبوعہ مصر) یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے۔ لڑتے بھی تھے اور آپس میں رشتہ داریاں بھی کرتے تھے ان واقعات کو اسلام اس کی تعلیمات اور حق و صداقت کے لیے قربانیاں دینے سے کوئی دور کا واسطہ اور تعلق بھی نہ تھا۔ غرض اس کتاب کی طباعت اور اشاعت تاریخ اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ م۔ ا۔ ع۔ (منقول از اخبار رضا کار لاہور ۱۶ اپریل ۱۹۵۶ء)

ہمارے مکرم مہربان! ہم نے آپ کا مضمون مذکورہ بالا خوب غور سے پڑھا اور پورا کا پورا اوپر نقل

کر دیا۔ ایک لفظ بھی نہ کم کیا نہ زیادہ۔ اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو ہمارے دماغ میں جو باتیں آئیں ان کو آپ پر ظاہر کر دیں اس کے بعد آپ دونوں کے درمیان فیصلہ کریں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے:-

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بات بھی کہو تو راہ کی اور سیدھی سچی۔ ایسا کرو گے تو خدا تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی (پارہ ۲۲ ع ۹)

ہم نے ترجمہ بھی شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کا نقل کیا ہے۔ اس میں خود کوئی بھی تصرف نہیں کیا۔

کیا ابو مخنف شیعہ تھا؟

عباسی صاحب! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں کے بیانات ہی پر حصر کیا ہے" کیا آپ ہم کو مطلع فرما سکتے ہیں کہ ابو مخنف وغیرہ کا شیعہ ہونا آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ ابو مخنف زندہ تو ہے نہیں کہ اس سے اس کا مذہب پوچھا جائے لیکن آپ کو جس ذریعہ سے اس کا شیعہ ہونا معلوم ہوا اس کی توضیح فرما دیں۔ اگر وہ شیعہ ہوتا تو علامہ طبری کو ضرور معلوم ہوتا۔ پھر وہ اس کی روایتوں سے اپنی تاریخ کو کیوں بھرتے۔ کیا ان کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ شیعہ راویوں کے بیان درج کرنے سے ہماری تاریخ پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی؟ علامہ طبری جس پایہ کے مورخ ہیں آپ ضرور واقف ہوں گے۔ مولوی شبلی صاحب لکھا ہے "ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۲ ضخیم جلدوں میں ہے اور یوروپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے" (الفاروق صفحہ ۸) جب امام طبری اتنے بڑے مؤرخ تھے اور انھوں نے اپنی تاریخ میں ابو مخنف کی روایتیں بہت کثرت سے درج کی ہیں تو دو ہی وجہ ہو سکتی ہے یا انھوں نے تحقیق کر لی ہوگی کہ ابو مخنف شیعہ نہیں بلکہ سنی ہے یا دوسرے لوگوں کی روایتوں سے بھی طاکر یقین کر لیا ہوگا کہ یہ جو کچھ بیان کرتا ہے حرف بحرف صحیح ہے اور کوئی شبہ کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ اگر ابو مخنف شیعہ ہوتا تو زمانہ حال کے بہت بڑے سنی مؤرخ اور مقبول مصنف مولوی شبلی صاحب نعمانی کیوں لکھتے "اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔" (الفاروق صفحہ ۵)

ہمارا تو خیال ہے کہ اگر ابو مخنف میں شیعہ ہونے کی بو بھی پائی جاتی تو نہ علامہ طبری اتنے بڑے مجتہد و مورخ اس کی روایتیں اپنی کتاب میں نقل کرتے اور نہ حضرت عمر کی سوانح عمری لکھنے والے بزرگ اس کو نامور مورخ کے لقب سے سرفراز کرتے۔

خلافت پر اہل بیت کا حق

پھر آپ نے لکھا ہے "پہلا ہی عنوان ہے خلافت پر اہل بیت کا حق"۔ اس کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ شیعیت کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی جب تین سال تک رازداری کیساتھ فرض تبلیغ و اسلام ادا ہونے کے بعد ۳ بعثت میں حضرت رسولخدا صلعم کو یہ حکم پہونچا فاصدع بما تومر۔ اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے دانشگاف کہہ دے اور نیز حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا تو آپ نے حضرت ابوطالب کے گھر میں چالیس آدمیوں کی دعوت کی۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے آپنے فرمایا میں تمھارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں تمھارے لیے بہتر ہے جو کچھ میں تم سے کہوں گا تم اس کا یقین کرو گے؟ سب نے جی ہاں کہا ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں۔ آپنے فرمایا خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار ہو اور میں اس کو اپنا بھائی، وصی، وزیر اور خلیفہ مقرر کروں۔ یہ سُن کر سب چُپ ہو رہے مگر حضرت علی جو اس وقت کم یا بیش تیرہ سال کے تھے اس خاموشی کی تاب نہ لا سکے اور نہایت جواں مردی سے بولے یا رسول اللہ! میں آپ کا وزیر ہوں گا۔ آپ جو حکم کریں گے میں اس کی تعمیل کروں گا آپ کی مدد کروں گا آپکے دشمنوں کی آنکھیں نکال ڈالوں گا اور اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپنے فرمایا ٹھہر جاؤ شاید تم سے جو لوگ بڑے ہیں قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرت نے اپنے اسی قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علی اسی طرح کلمات اطاعت و فرمانبرداری دُہراتے رہے۔ آخری مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو اپنے پاس بلا یا بیعت لی۔ ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا فقال ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوہ فقام القوم یضحکون و یقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لعلی و تطیع۔ پھر فرمایا لوگو! دیکھو اب تم لوگوں میں یہی علی میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں تم سب ان کی بات ماننا اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ قریش نے یہ سُنا تو قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ علی کی بات سنو اور اُن کا حکم مانا کرو۔ پھر سب چلے گئے (تفسیر خازن بغدادی دلائل النبوۃ بیہقی، جمع الجوامع سیوطی، وکنز العمال علاء الدین، علی متقی، و تاریخ الرسل والملوک ابن جریر طبری جلد ۱ صفحہ ۲۱۷، و تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۲ ص ۲۳، و تاریخ ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۱۶، و تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ، و تاریخ گبن جلد ۲ ص ۴۹۹، کتاب اوکلی ص ۱۵، و کتاب کارلائل ص ۹۱، و کتاب ایرونگ ص ۳۷، و گبن ص ۶۳، و کتاب ڈیون پورٹ صفحہ ۵ وغیرہ) ہمارے مکرم، مہربانی فرما کر مذکورہ بالا کل کتابوں کو زحمت فرما کر ملاحظہ فرمائیے اور ہمیں مطلع فرمائیے کہ یہ عبارتیں اُن کتابوں میں ہیں یا نہیں۔ اگر آپ کو نہیں ملیں تو آپ جہاں کہیں یہ کتابیں لے کر ہم خود آپ کے پاس آئیں اور سب کو دکھا دیں اور اگر یہ عبارتیں ان کتابوں میں موجود ہیں تو فرمائیے ہم نے کوئی لفظ کم تو نہیں کیا۔ کوئی لفظ زیادہ تو نہیں کیا۔ ترجمہ بھی صحیح کیا ہے یا غلط۔ اگر یہ سب باتیں درست ہیں تو آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ روایت جس کو آپ نے تاریخ طبری

سے نقل کیا ہے کہ انتقال کے قریب حضرت عباس نے حضرت علی سے فرمایا کہاں تک عقل کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہے۔ کیونکہ حضرت علی تو جانتے ہی تھے کہ حضرت رسولِ خدا صلعم بیسؔ سال قبل مکہ معظمہ ہی میں حضرت کو خدا کے حکم سے خلیفہ مقرر کر کے اعلان فرما چکے تھے اور کبھی اس عہدے سے حضرت کو معزول نہیں کیا حضرت علی کو جس طرح اس کا یقین تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم خدا کے رسول ہیں اور خدا نے حضرت کو رسالت و نبوت کے عہدے سے معزول نہیں کیا ہے بالکل اسی طرح اس کا بھی یقین تھا کہ خدا کے حکم سے رسول خدا صلعم آپ کو ۲۰ سال قبل اپنا خلیفہ، وزیر اور وصی مقرر کر چکے ہیں اور آخر وقت تک اس میں کسی قسم کا تغیّر و تبدل نہیں کیا۔ آپ ہی کے بہت بڑے علامہ اور محقق شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے جو لکھا ہے اس کے قبول کرنے میں تو آپ کو عذر نہیں ہوگا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے "خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی علامہ موصوف (ابن خلدون) نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کیلئے پہلے راویوں کے جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے مراد امکان عقلی نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق ص۱۵) اسی اصول کے مطابق غور کیجیے کہ جب عام دعوت اسلام کے وقت ہی حضرت رسول حضرت علی کو خلیفہ مقرر کر کے اعلان کر چکے تھے اور اس وقت سے مکہ معظمہ کی دسؔ سال کی مُدت قیام میں کبھی اس عہدے کے خلاف کوئی کام یا بات نہیں کی بلکہ اس کے بعد مدینہ کی دس سالہ زندگی میں بھی کبھی اپنی خلافت کا دوسرا انتظام نہیں کیا تو اس روایت کا صحیح ہونا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے بلکہ اس وقت سے برابر اسی قول و قرار پر عمل ہوتا رہا حضرت رسول اپنے اسی اعلان عام کے مطابق حضرت علی سے وہی سب کام لیتے رہے جو ایک بادشاہ اپنے ولی عہد سے لیتا ہے۔ حضرت رسول کو خدا نے حکم دیا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جاؤ۔ اس وقت ضرورت تھی کہ آنحضرتؐ کے جانے کے بعد حضرت کے جو کام مکہ معظمہ میں باقی رہ گئے ہیں انکو کسی شخص کے حوالہ کر جائیں اگر پہلے یا دوسرے صاحب میں آنحضرت کی چند روزہ خلافت اور قائم مقامی کی صفت ہوتی تو خدا آں حضرتؐ کو حکم دیتا کہ فلاں بزرگ کو اپنی جگہ سُلا کر نکل جاؤ اور ان کو حکم دو کہ تمہارے جانے کے بعد تمہارے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ ادا کر دیں گے مولوی شبلی ہی صاحب کے الفاظ پر غور کیجیے "رسولؐ اللہ سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا اس وقت بھی آپکے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی اس بنا پر جناب امیر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپکے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا" سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۱۹۷) آپ نے خیال فرمایا؟ خدا کو ضرورت ہوئی کہ حضرت رسول اللہ کو ہجرت کرنیکا حکم دے اور یہ بھی ضروری نظر آیا کہ حضرت

کے جانیکے بعد مکہ والوں کی سب امانتیں بھی واپس کرادے تاکہ بعد کو کوئی شخص آنحضرت پر چوری یا غصب یا خیانت کا الزام نہ لگائے۔ یہ کام اسی شخص سے لیا جا سکتا تھا جس کا انجام دینا بالکل رسول کا فعل سمجھا جاتا اس وجہ سے ان امانتوں کے واپس کرانے کیلئے نہ اول صاحب تجویز کیے گئے نہ دوسرے صاحب بلکہ وہی ولیعہد رسول، وہی نائب رسول وہی قائم مقام رسول مقرر کئے گئے جنکو آج سے دس سال قبل اسی مکہ میں اسی مکہ والوں کے سامنے خدا کے حکم سے حضرت رسول خدا نے سب کو دکھا دکھا کر اپنے گلے سے لگا لیا اور فرما دیا تھا ان ہذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا، دیکھو یہ میرا بھائی میرا ولیعہد اور جانشین ہے۔ سنہ بعثت میں خدا نے حضرت علی کی خلافت و ولیعہدی کا قولی اعلان کرا دیا تھا اور اب دس سال کے بعد سنہ ہجری میں پھر حضرت کی خلافت و ولیعہدی کا اعلان کرا کے سب کو بتا دیا کہ دس سال قبل رسول نے جو کہا تھا اسی پر قائم ہیں اور اب بھی حضرت علی ہی حضرت رسول کے قائم مقام اسی طرح ہیں جس طرح دس سال قبل ہو چکے تھے، نہ خدا اپنے حکم سے پھر گیا ہے اور نہ رسول اپنے اعلان کو بھول گئے ہیں، اگر خدا کو کسی اور شخص کا خلیفۂ رسول ہونا پسند ہوتا تو جس طرح سنہ بعثت میں حضرت علی کی خلافت و وصایت کا عام اعلان کرا دیا تھا اسی طرح سنہ بعثت کے بعد مکہ معظمہ میں یا مدینہ منورہ کی دس سالہ زندگی میں کسی اور شخص کو حضرت کا خلیفہ مقرر کر کے حضرت کو حکم دیتا کہ اب سب مسلمانوں سے کہدو کہ حضرت علی کی خلافت کا حکم منسوخ کر دیا گیا اور انکی جگہ فلاں بزرگ کو پکڑ کر اور لوگوں کو دکھا کر اعلان کر دو کہ ان ہذا وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا مسلمانوں اب حضرت علی کو میری خلافت کے عہدے سے معزول سمجھ کر فلاں شخص کو میرا خلیفہ یا وصی مان لو۔ عباسی صاحب آپ کیا فرما سکتے ہیں کہ حضرت رسول نے کبھی بھی ایسا کیا؟ اگر نہیں تو حضرت علی کی خلافت کا مسئلہ نئے طور پر پیدا ہی کیوں ہوتا؟ جب حضرت رسول کی زندگی میں ۲۰ سال تک حضرت علی یقیناً آنحضرت کے خلیفہ تھے بالکل اسی طرح حضرت اپنی وفات یعنی سنہ تک بھی حضرت کے خلیفہ رہے نہ صرف یہ کہ خدا و رسول نے حضرت علی کو اس عہدہ سے معزول نہیں کیا، نہ صرف یہ کہ خدا نے اپنا وہ حکم منسوخ نہیں کیا اور نہ یہ کہ خدا و رسول نے کسی اور بزرگ کو حضرت رسول کا خلیفہ نامزد نہیں کیا بلکہ مسلسل حضرت ہی کی خلافت و وصایت کی تاکید کرتے اور اسی عمارت کو مستحکم کرتے رہے۔ ہجرت کے وقت کا واقعہ ہم بیان کر چکے۔ اب مدینہ کی زندگی اور وہاں کے انتظامات پر بھی ذرا غور کریجئے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق غزوہ خیبر کون ایسا غزوہ ہو جس میں حضرت علی سے حضرت رسول نے وہی کام نہیں لیا جو اپنے حقیقی خلیفہ جانشین وصی اور ولیعہد سے لیا جاتا ہے؟ سب کی تفصیل میں طول ہوگا۔ غزوہ فتح مکہ میں جب حضرت رسول خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو بتوں کو توڑنے کی خدمت انجام دینی پڑی کیونکہ اسلام کی اصل غرض تو بت پرستی ہی کا مٹانا تھا نیچے کے بتوں کو تو حضرت رسول نے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا اور جو اونچے تھے ان کو توڑنے کے لئے ایک مددگار کی ضرورت ہوئی کیا حضرت نے پہلے بزرگ سے اوپر کے بتوں کو تڑوایا؟ اگر نہیں۔ تو انصاف فرمائیے کیوں؟ کیا حضرت نے دوسرے بزرگ کو اس میں شریک کیا؟ اگر نہیں تو کس وجہ سے؟ اس وقت بھی وہی خلیفہ و ولی عہد و جانشین رسول تجویز کئے گئے جو ۱۸ برس سے حضرت کی خلافت و وصایت اور ولی عہدی و جانشینی کے فرائض انجام دے رہے تھے حضرت نے کسی کو بھی اس شرف میں شریک نہیں ہونے دیا، حضرت علی کو کاندھے پر چڑھایا اور فرمایا کہ سب کو توڑ کر

کردو، چنانچہ جناب امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔ آپ جانتے ہیں رسول کی کیا شان تھی، ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ!
ہمارے رسول اپنے دل سے کچھ نہیں بولتے بلکہ جو وحی ہوتی ہے اسی کو بیان کر دیتے ہیں حضرت علی کو بھی وحی خدا کے مطابق ہی بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ فرمائیے کیوں خدا نے پہلے بزرگ کو اس عظیم الشان شرف سے سرفراز نہیں کیا؟ دوسرے بزرگ کو بھی اس بے مثل و نظیر اسلامی خدمت سے الگ رکھا؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ چونکہ اب حضرت رسولؐ کے دنیا سے جانے کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا اسوجہ سے خدا بھی جلد جلد حضرت سے وہ کام لیتا جاتا تھا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوتا جائے اور دنیا گواہ ہوتی جائے کہ حضرت علی ہی شروع سے آنحضرت صلعم کے خلیفہ اور وصی ہیں۔ اور کسی وقت آپ حضرتؐ کی خلافت و منصب کے عہدہ سے الگ نہیں قرار دیئے گئے، وفات رسول کو اب دو سال باقی رہ گئے ہیں، ضرورت ہوئی کہ لوگوں کو حضرت علی کی عملی خلافت پھر دکھا دی جائے حضرت رسول صلعم کو معلوم ہوا کہ نصاریٰ شام نے ہرقل بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے حفظ ماتقدم کی غرض سے ۳۰ ہزار فوج لیکر اور حضرت علی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے شام کی طرف چلے۔ غور فرمائے حضرتؐ نے پہلے بزرگ کو کیوں نہیں خلیفہ مقرر کر کے یہ سفر اختیار کیا؟ دوسرے بزرگ کو بھی اپنا خلیفہ مقرر کر کے کیوں نہیں تشریف لے گئے؟ یہی وجہ تو تھی کہ شروع بعثت ہی سے حضرت علی ہی آنحضرت کے خلیفہ تھے اور وہی حضرتؐ کے خلیفہ کا کل فرض انجام دیتے تھے، تو پھر حضرت کسی دوسرے شخص کو مدینہ میں اپنا خلیفہ کس اصول سے مقرر فرما سکتے تھے؟ حضرت علی نے عرض بھی کی کہ حضور! مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ تو حضرت نے جواب دیا، الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ اے علی! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھسے وہی نسبت قائم رہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ پیغمبر سے تھی، فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری کتاب المغازی پا ۱۸ صـ ۸۹) حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ضروری ہے یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علی وہیں رہ گئے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے علماء نے تحریر کیا ہے کہ اس حدیث منزلت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرتؐ رسول کی خلافت کا حق صحابہ کو نہیں بلکہ صرف حضرت علی کو تھا اس لئے کہ حضرتؐ ہارون بھی حضرت موسیٰ کے خلیفہ ہی تھے (کتاب فتح الباری جلد ۳ صـ ۳۷) معلوم ہوا کہ علماء اہل سنت یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف طور پر حضرت علی کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے بعض کتابوں میں ہے کہ اس حدیث میں حضرت رسولؐ نے حضرت علی سے یہ بھی فرمایا تھا کہ لا ینبغی ان اذھب الا و انت خلیفتی یعنی یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفا جلد ۲ صـ ۲۶۱) بعض کتابوں میں ہے کہ فرمایا الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا النبوۃ و انت خلیفتی اے علی! کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی؟ بس تم کو نبوۃ نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الائمہ صفحہ ۱۲) اور بعض کتابوں میں ہے کہ فرمایا! خلفتک لتکون خلیفتی فان المدینۃ لا تصلح الا بی او بک۔ اے علی! میں تم کو یہاں اس غرض سے چھوڑے جاتا ہوں کہ تم ہی میرے خلیفہ رہو اس لئے کہ مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہے گی یا تمہارے رہنے سے (مستدرک

وکنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴) یہ کل عبارتیں صاف طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت رسولؐ اپنی خلافت و ولیعہد کا کل کام اپنی زندگی ہی میں حضرت علی سے لیتے رہتے تھے اسی وجہ بعض یورپین مورخین (مثلاً ابرونگ وغیرہ) نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث منزلت کا مطلب یہی تھا اور اکثروں نے یہی نتیجہ نکالا ہے آنحضرت صلعم نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین رکھیں۔

سورۂ براءۃ کی تبلیغ

جناب عباسی صاحب! حضرت علی کی خلافت و جانشینی کی ان واضح دلیلوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کی رحلت کا وقت اور قریب آگیا یعنی صرف ایک سال ۲ دو ماہ اور چند دن باقی رہ گئے تو خدا نے حضرت علی کے علی خلیفہ رسول ہونے کا اعلان اور زیادہ اہتمام سے کرنا شروع کیا۔

امام بخاری وغیرہ بہ کثرت محدثین نے لکھا ہے ابو ہریرہ کہتے تھے کہ ذی الحجہ سنہ ۹ ہجری کے حج میں حضرت ابو بکر نے مجھے بھیجا کہ ہم لوگ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک کعبہ کا حج نہ کرے نہ کوئی برہنہ اس کا طواف کرے، پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ سورہ براءۃ کا اعلان وہی کریں حضرت علی نے جا کر اعلان کر دیا امام بخاری نے تین جگہ اس روایت کو لکھا ہے یہ حدیث بھی حضرت علی کی خلافت بلافصل کا قطعی فیصلہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ حضرت رسالتمآب صلعم نے حضرت ابو بکر کو سورہ براءۃ کے ساتھ اہل مکہ کی طرف روانہ کیا پھر ان کے پیچھے ہی مجھے بھیجا تو میں نے جا کر حضرت ابو بکر کو پکڑا ان سے سورہ براءۃ لے لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر آنحضرت کے پاس واپس آئے اور پوچھا یا حضرت میں نے کیا جرم کیا جس سے یہ عزت مجھ سے چھین لی گئی؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا یہی بہتر تھا، بات یہ ہے کہ دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو اور کوئی نہیں پہنچا سکتا ہے۔ طبرانی نے بھی یہی حدیث لکھی ہے لیکن اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر کو سورہ براءۃ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تو فوراً جبرئیل آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ آپ نے کیا کیا؟ کیونکہ اس سورہ کو آپ کی جانب سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا ہے۔ پھر لکھا ہے جناب انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورہ براءۃ کو حضرت ابو بکر کے ساتھ روانہ کیا پھر فوراً ہی حضرت علی کو بلایا اور وہ سورہ حضرت ابو بکر سے واپس لے کر حضرت علی کو دیدیا اور فرمایا کسی کو مناسب نہیں ہے کہ اس کو پہنچائے سوائے اس شخص کے جو میرے اہل سے ہو۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التفسیر پارہ ۱۹ صفحہ ۱۹۴) ایک اور کتاب میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ والوں کی طرف حضرت ابو بکر کو سورہ براءۃ کے ساتھ بھیجا پھر ان کے پیچھے ہی حضرت علی کو روانہ کیا اور آپ سے کہا کہ ابو بکر سے اس کتاب کو لیکر تم خود مکہ والوں کے پاس لے جاؤ تو حضرت علی نے حضرت ابو بکر کو پکڑا ان سے کتاب کو لے لیا، تب حضرت ابو بکر محزون و مغموم اور شکستہ دل حضرت رسولؐ کے پاس واپس آئے اور آنحضرت سے عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت اتری جس سے میں اس شرف سے معزول اور اس عزت سے محروم کر دیا گیا؟ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم ضرور پہنچا ہے کہ اس سورہ براءۃ کو یا میں پہنچاؤں یا میرے اہل بیت ہی کا کوئی شخص پہنچائے (خصائص نسائی صفحہ ۶۳)

ایک اور کتاب میں ہے خود حضرت ابوبکر بیان کرتے تھے کہ ان کو حضرت رسول خدا صلعم نے سورہ براءۃ دیکر اہل مکہ کی طرف بھیجا وہ اس کو لیکر تین دن گئے تھے کہ پھر حضرت رسول نے حضرت علی سے فرمایا کہ جلد جاکر ابوبکر سے ملو اور انھیں میرے پاس جلد بھیجدو اور تم خود اس سورہ کو مکہ والوں تک پہنچاؤ حضرت علی نے ایسا ہی کیا اور حضرت ابوبکر آنحضرت کی خدمت میں آکر رونے لگے جب رونا کچھ کم ہوا تو پوچھا یا حضرت! کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہوا کہ میں اس فضیلت سے محروم کردیا گیا؟ حضرت نے فرمایا مجھے خدا کا یہ حکم پہنچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو اور چونکہ تم مجھ سے نہیں ہو اسوجہ سے میں نے تم سے واپس لیکر علی کو دیدیا (کتاب کنز العمال کتاب التفسیر باب التفسیر سورۃ البراءۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ حیدرآباد (دکن)، اور جناب مولوی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ سورہ براۃ کی تبلیغ کے لئے حضرت ابوبکر وعمر دونوں مقرر ہوئے پھر دونوں معزول کیے گئے اور حضرت علی کے سپرد یہ کام ہوا (قرۃ العینین صفحہ ۲۳۳) اس عظیم الشان اسلامی انتظام سے اس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں جن سب کے ذکر کرنے میں بہت طول ہوگا مختصر طور پر صرف چند فائدوں کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں (۱) یہ کہ حضرت ابوبکر سے سورہ براءۃ واپس لے کر حضرت علی کو اس کام کے لئے روانہ کرنا ایسا متفق علیہ واقعہ ہے جس کو بڑے بڑے اور نہایت مستند و مسلم الثبوت علماء و محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے (۲) یہ کہ سورہ براءۃ کا حضرت ابوبکر سے واپس لے لیا جانا ایسا اہم تھا کہ حضرت ابوبکر نہایت متعجب ہوئے اور واپس آکر حضرت رسول خدا سے دریافت کیا کہ مجھ میں کیا عیب نظر آیا کہ اس شرف سے محروم کردیا گیا مجھ میں کون سی عدم قابلیت پائی گئی جس کے سبب سے اس عزت سے معزول کردیا گیا (۳) آنحضرت نے صاف فرمادیا کہ احکام خدا کی تبلیغ تم نہیں کرسکتے نہ تم میں اس کی قابلیت ہے نہ تم اس لائق ہو بلکہ ان کاموں کو یا میں کرسکتا ہوں یا وہ شخص جو مجھ ہی سے ہو، اور معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر سے اس سورہ کو لے کر آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم سے نہیں ہیں اور حضرت علی یقیناً آنحضرت صلعم سے ہیں۔ غرض احکام خدا کی تبلیغ آنحضرت کے علاوہ اگر کوئی کرسکتا تھا تو وہ حضرت علی ہی تھے حضرت کی زندگی میں اس قابل کوئی بھی نہیں تھا بلکہ حضرت ابوبکر سے اس خدمت کو واپس لے کر آنحضرت صلعم نے کھلم کھلا نص فرمادیا کہ حضرت ابوبکر میں احکام خدا کی تبلیغ کا مادہ ہی نہیں تھا پھر کس قدر حیرت خیز یہ امر ہے کہ جب آنحضرت صلعم ایک معمولی حکم خدا کے بارے میں حضرت ابوبکر سے صاف صاف فرمادیں کہ اس کام کو تم نہیں کرسکتے اور اسی وقت یہ بھی فرمادیں کہ ایسے کاموں کی قابلیت یا مجھ میں ہے یا علی میں یا اس شخص میں جو علی کی طرح مجھ سے ہو پھر پورے دین اسلام کی حفاظت، مکمل شرائع خدا کی اشاعت، مسلمانوں کی حفاظت، مومنین کی امانت وغیرہ دینی خدمات میں آنحضرت کے قائم مقام حضرت ابوبکر وغیرہ کیونکر تسلیم کرلئے گئے؟ کیا آنحضرت کی خلافت اور مومنین کی امانت و امارت کا مسئلہ سورہ براءۃ کی تبلیغ سے بھی کم تر تھا کہ حضرت ابوبکر اس کے لئے مان لئے گئے اور حضرت علی اس خدمت سے روک دیے گئے؟ کیا انصاف ہے کہ آنحضرت صلعم تو حضرت ابوبکر سے سورہ براءۃ لے کر حضرت علی کو دے دیں کہ جاکر تبلیغ کرو اور حضرت ابوبکر کے سوال پر بھی ذرا برابر مروت کی

پروا نہ کریں اور صاف فرما دیں کہ تم میں اس کی قابلیت نہیں ہے بلکہ اس کو یا میں انجام دے سکتا ہوں یا وہ شخص جو مجھ ہی سے ہو مگر آنحضرت صلعم کی امت چند ہی دنوں کے بعد اس کے بالکل برعکس عمل کرے کہ حضرت رسول خدا صلعم ابتداء اعلان رسالت سے حجۃ الوداع تک بار بار حضرت امیر المومنین ہی کو اپنا خلیفہ اور مسلمانوں کا مولا و آقا بنانے رہیں لیکن آنحضرت صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی آپ کے صحابہ حضرت علی سے اس خلافت کو لیکر حضرت ابوبکر کے حوالہ کر دیں اور گویا کہدیں کہ رسول خدا نے جس شخص کو ۲۰ سال تک مسلمانوں کا سردار اور اپنا خلیفہ بنایا وہ اس کی قابلیت نہیں رکھتا اور ۲۰ سال تک خدا و رسول دونوں ہی غلطی پر غلطی کرتے رہے ہیں

(۴) یہ کہ طبرانی وغیرہ کی روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے خود ہی حضرت ابوبکر سے سورۂ برأۃ کو واپس نہیں لیا اور نہ خود ہی پھر حضرت علی کو دیا بلکہ یہ سب اہتمام خاص ذات پروردگار عالم نے کیا کہ حضرت جبرئیل ایسے مقرب فرشتے کو آنحضرت کی خدمت میں بھیجا آپ آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا یہ دینی کام اور خاص کر سرداری کی شان رکھنے والی مذہبی خدمت کو یا آپ خود انجام دے سکتے ہیں یا وہ شخص جو آپ سے ہو اور چونکہ اس کے بعد حضرت صلعم نے وہ سورۂ حضرت علی کو دیدیا لہذا معلوم ہوا کہ حضرت علی کو خدا ہی نے رسول کا جزو قرار دیا، اس مضمون نے مسئلہ خلافت کو اور بھی واضح کر دیا کہ جس طرح خدا نے شروع سے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ دینی احکام کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے صرف وہی انبیاء و مرسلین کو بھیجتا ہے اسی طرح وہ خلفاء اور ائمہ کو بھی مقرر کرتا ہے چنانچہ حضرت آدم کے بارے میں فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفۃ (خود میں ہی زمین میں کسی کو خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں) اور حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ انی جاعلک للناس اماما (اے ابراہیم میں ہی تمکو لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں) اسی خدا نے خود ہی آنحضرت صلعم کا خلیفہ و وصی و جانشین بھی حضرت علی کو مقرر کر دیا تھا جس کا اعلان آنحضرت صلعم آیہ وانذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے اور اسلام کی ابتدائی دعوت کے وقت ہی سے فرما رہے تھے چونکہ خدا نے فرمایا ہے، وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (یعنی یہ میرے پیغمبر محمد مصطفی اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتے بلکہ وہی بولتے ہیں جو میری طرف سے ان پر وحی نازل کی جاتی ہے، اس اصول کے مطابق ماننا پڑے گا کہ پہلی دفعہ جناب رسالتمآب صلعم نے جو سورہ برأۃ حضرت ابوبکر کو دیا وہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا ورنہ آیہ مذکورہ کے خلاف ہو جائے گا جس کا کوئی مسلمان دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پھر خدا ہی نے حضرت جبرئیل کو دوبارہ بھیجکر آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکر کو اس عہدہ سے معزول کردو، اس سورہ کو ابوبکر سے واپس لے لو اور علی کو دیدو تاکہ دنیا دیکھ لے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ خدا نے حضرت ابوبکر کو اس قابل نہیں سمجھا کہ صرف ایک سورہ کی تبلیغ ایک دن ہی سہی کر سکیں اور لوگوں کو بتا دو کہ یہ دینی کام اور مذہبی خدمت ہے اس کو صرف تم کر سکتے ہو یا علی جو تم ہی میں سے ہیں گویا تمہارا فعل اور علی کا عمل بالکل ایک ہے۔ ہمارے محترم اغور فرمائے کہ خدا نے جو حکیم، علیم اور عالم الغیب ہے اور اسکا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، کیا سمجھ کر پہلے آنحضرت صلعم کو

حکم دیا کہ اس سورہ کو ابو بکر کو دیکر کہو کہ جائیں اور تبلیغ کریں اور پھر انکے خوش خوش قدم اٹھاتے ہی حضرت جبرئیل کو بھیج کر اس سورہ کو ان سے چھنوالیا اور مطلع کر دیا کہ تم میں اس کے پہنچانے تک کی قابلیت نہیں ہے۔ تم اس کو نہیں پہنچا سکتے ورنہ حضرت ابو بکر ہی جاکر تبلیغ کر دیتے تو بظاہر کیا بگڑ جاتا؟ کیا اس کے سوائے بھی اس فعل الہٰی کا کوئی راز اس انتظام معہود کا کوئی مطلب اور اس تغیر حکم ربانی کا کوئی سبب ہو سکتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو ان کی آیندہ غلطی سے بچانا اور یہ سبق دینا مقصود تھا کہ مسلمانو! خوب یاد رکھنا، ہرگز بھول نہ جانا کہ یہی حضرت ابو بکر جن کو میں سورہ براءۃ کی تبلیغ تک کا قابل نہیں جانتا اور جو اس کام میں بھی رسول کی نیابت نہیں کر سکتے آئندہ تم لوگوں کے دینی پیشوا بنیں گے تو تم نہ ماننا اور حقیقی خلیفہ رسول یعنی علی ہی کی خلافت کا اعتقاد رکھنا ہرگز غلطی نہ کرنا کیونکہ وہ ۲۰ سال پہلے سے رسول کے سند یافتہ خلیفہ بلافصل ہیں، شیعوں کو بھی حضرت رسول صلعم نے بتا دیا کہ تم جو حضرت علی ہی کو میرا خلیفہ بلافصل مانتے ہو تو یہی حق اور تمھارا ہی مذہب صراط مستقیم ہے کیونکہ خدا نے جب سورۂ براءۃ کی تبلیغ تک کی دینی خدمت پہلے ہی روز سے حضرت علی کو دیدی تو میری خلافت علی سے ہٹ کر دوسرے کے پاس کیونکر پہونچ سکتی ہے؟ اسی وجہ سے آں حضرت نے بار بار اس کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی کہ جو لوگ میرے بعد علیؑ ہی کو میرا خلیفہ بلافصل مانتے رہیں گے یعنی شیعیان علی ہی یقیناً بروز قیامت نجات پانے اور بہشت میں جانیوالے ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی وغیرہ بہت سے جلیل القدر علماء اہل سنت نے لکھا ہے فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیدہ ان ہذا وشیعتہ لہم الفائزون یوم القیامہ۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حضرت علی آئے تو آنحضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ اور انکے شیعہ ہی قیامت کے روز بہشت میں جائیں گے (تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۷۹) پھر اسی کتاب میں ہے نزلت ان الذین آمنو وعملو الصالحات اولئک ہم خیر البریہ قال رسول اللہ لعلی ہو انت وشیعتک یوم القیامہ، راضیین مرضیین کہ جب آیت ان الذین آمنو نازل ہوئی تو حضرت رسول نے حضرت علی سے فرمایا وہ بہترین خلائق تم اور تمہارے شیعہ ہو کہ بروز قیامت تم لوگ خوش رہو گے اور خدا تم لوگوں کی خوشنودی چاہے گا (ر) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا کہ خدا نے تم کو تمھاری ذریت، تمھاری نسل، تمھارے اہل وعیال اور تمھارے شیعوں کو بخش دیا ہے (صواعق محرقہ ص ۹۶) یہ بھی ہے یا ابا الحسن اما انت وشیعتک فی الجنۃ حضرت رسول نے فرمایا کہ اے علی تم اور تمھارے شیعہ سب کے سب جنت میں جائیں گے (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۱۹۶) عباسی صاحب! جب حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ حضرت علی کے شیعہ بہشت میں جائیں گے تو کیوں نہ آپ بھی شیعہ ہو جائیں تاکہ جہاں حضرت رسول خدا صلعم رہیں گے وہیں آپ بھی حضرت کے ساتھ بہشت کی سب نعمتوں سے بہترین زندگی بسر کریں ہم بھی رہیں آپ بھی رہیں بلکہ اب پاکستان کے غیر شیعہ لوگوں کو بھی آمادہ کریں کہ سب شیعہ ہو کر بہشت ہی میں چلیں واضح رہے کہ سورہ براءۃ کی تبلیغ سے حضرت ابو بکر کا معزول کر دیا جانا بے حساب کتب حدیث وتاریخ مثلاً فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۱۹۴ وتفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ وتاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ وغیرہ میں موجود ہے اور یہ سب کتابیں دہلی

مصر وغیرہ کی چھپی ہوئی ہیں۔

حجۃ الوداع اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

عباسی صاحب! حضرت علی کی خلافت کی تاکید اور بار بار اعلان کے متعلق خدا و رسول کے اتنے انتظامات آپ نے ملاحظہ فرمالئے اب حضرت رسول کی وفات کا زمانہ اور قریب آگیا گویا صرف تین ماہ باقی رہ گئے ہیں تو جس خلافت حضرت علی کی بنا دخدا نے ۲۰ سال قبل مکہ معظمہ ہی میں حضرت رسول کے مبعوث ہونے کے چوتھے سال قائم کر دی تھی اس کی تاکید اور زیادہ قوت کے ساتھ کر دی۔

اس طرح کہ سنہ ہجری (غالباً سنہ ۱۰ھ) میں ۲۵ ذیقعدہ کو حضرت رسول ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے ساتھ آخری حج کرنے مکہ کی طرف تشریف لے چلے اور ۴ ذالحجہ کو وہاں پہونچ گئے، حج و قربانی سے فارغ ہو کر ۱۴ ذالحجہ کو مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں مقام خم پر ایک تالاب (غدیر) تھا وہاں پہونچے تو خدا کی یہ آیت اتری یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ اے رسول جو حکم تم کو بھیجدیا گیا ہے اسے اب ضرور پہونچا دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھا جائیگا کہ رسالت کا کوئی بھی کام نہیں کیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا (پارہ ۶ ع ۱۴) حضرت فوراً اتر پڑے اونٹ کے پالانوں کا ایک منبر طیار کرایا۔ اس پر حضرت علی کو لے جا کر ایک خطبہ میں فرمایا میں تمہارے درمیان دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن دوسرے میرے اہلبیت اگر تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرتے رہوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ جائیں پھر فرمایا مسلمانو کیا میں تمہارے نزدیک تمہارے نفسوں سے اولی نہیں ہوں؟ سب نے کہا بے شک ہیں تب آپ نے فرمایا جس کے نفس سے میں اولی ہوں علی بھی اس کے نفس سے اولی ہیں اور حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادرالحق معہ حیث دار۔ مسلمانو! اچھی طرح سن رکھو جس کا میں اب تک مولا تھا اس کے مولا علی بھی ہیں۔ اے اللہ جو ان کو اپنا مولا سمجھے تو اس کو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے اس کو تو بھی دشمن رکھ جو ان کی مدد کرے اس کی تو بھی مدد کر اور جو ان کو چھوڑے تو بھی اسے چھوڑ دے۔ اور یہ جدھر پھریں اُدھر ہی تو حق کو بھی پھیرتا رہ۔ تین مرتبہ یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کہ تم حاضرین کو چاہئے کہ غائبین تک اس خبر کو ضرور پہنچا دو یہ فرما کر منبر سے اتر آئے اور حضرت علی کو حکم دیا کہ ایک خیمہ میں بیٹھیں تاکہ لوگ آپ کو مبارکباد دیں، بہت کثرت سے لوگوں نے تہنیت ادا کی۔ حضرت عمر نے بھی کہا بخ بخ یا ھنیاً لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی ومولا کل مومن و مومنۃ۔ مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابو طالب کہ آپ میرے اور تمام مومن مرد اور عورت کے مولا بھی ہوگئے، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا اللہ اکبر دین کے کامل نعمت کے تمام اور میری رسالت اور علی کی ولایت سے خدا کے خوشنود ہونے پر (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ وغیرہ) اس موقع پر ایک شخص حارث بن نعمان

فہری نے آنحضرت پر اعتراض کیا اور گمان کیا کہ آنحضرت نے بغیر حکم خدا اپنی خواہش نفسانی سے صرف حضرت علی کی محبت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا ہے یہ خیال کرکے اس نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر درحقیقت رسول اللہ نے تیرے ہی حکم سے علی کو مولا مقرر کر دیا ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا دے اسی وقت اسکے سر پر ایک پتھر آکر پڑا جو اس کے پاخانہ کے مقام سے ہوتا ہوا نکل گیا اور وہ ہلاک ہوگیا جس کے بعد ہی یہ آیت بھی نازل ہوئی سال سائل بعذاب واقع۔ سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی خود دعا مانگی (سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صـ ۲۷۴ و نورالابصار صـ ۷۸ وغیرہ) ان واقعات سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ خداو رسول نے پھر حضرت علی کی خلافت بلافصل کا عام اعلان کر دیا اور اب اس میں کسی انصاف پسند شخص کو شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔

واقعہ مباہلہ حضرت رسول کا زمانہ وصال اور قریب آگیا تو حضرت کی خلافت کا پھر اعلان کرانے کے لئے خدا کا اہتمام اور زیادہ ہوگیا آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کے پاس دعوت اسلام کا خط بھیجا اُن میں سے ۱۴ یا ۱۵ شخص آنحضرت کے پاس آئے اور مناظرہ کرنے لگے آنحضرت نے جواب دیئے اور بہت سمجھایا جب وہ لوگ نہ مانے تو آنحضرتؐ پر یہ آیت اتری فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین جو شخص علم آنے کے بعد تم سے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہدو کہ آؤ تم اور ہم اپنے فرزندوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں پھر مباہلہ کرکے خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو (سورۂ آل عمران) ۲۴ ذی الحجہ تاریخ مباہلہ قرار پائی حضرت رسول امام حسن و حسین کو (فرزندوں کی جگہ) بیٹی فاطمہ کو (عورتوں کی جگہ) اور اپنے نفس حضرت علی کو (نفس کی جگہ) لے کر نکلے (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۱۱۲ وغیرہ) ملاحظہ فرمائیے خدا نے حضرت کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنے ایک نفس کو نہیں بلکہ سب نفسوں کو لے جائیں۔ مگر حضرت صرف جناب امیرؑ کو لے گئے اگر پہلے اور دوسرے بزرگ میں بھی حضرت کی خلافت اور مذہب اسلام کی سرداری کی کوئی بھی صفت ہوتی تو حضرت صلعم ان لوگوں کو کیوں نہیں لے جاتے؟ لفظ الانفس میں بڑی گنجائش تھی مگر خدا نے سوائے حضرت علی کے کسی کو لے جانے کی اجازت نہیں دی تو حضرت رسول حکم خدا کے خلاف کیونکر کرتے؟ کیا اس سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ خدا چونکہ حضرت علی کو ۲ سال قبل آنحضرت کا خلیفہ مقرر کرچکا تھا لہذا اب اس کو مشکوک کرنا نہیں چاہا۔ دوسرے لوگ انفس میں آجاتے تو انھیں بھی خلافت کا دعویٰ کرنے کا موقع مل جاتا۔

تجہیز لشکر اسامہ حضرت رسول کی آخری زندگی کا مشہور واقعہ لشکر اسامہ کا بھیجنا ہے صفر سنہ ۱۱ ہجری میں فرمایا کہ روم سے جنگ کرنے کو اسامہ بن زید کے ماتحت ہوکر لشکر اسلام روانہ ہو جائے۔ اس لشکر میں پہلے اور دوسرے بزرگ کو بھی مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیا مگر حضرت علی کو آپ نے اس لشکر کے ساتھ جانیکا حکم نہیں دیا بلکہ آپ اپنے پاس ہی رکھا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۴۵۵ و تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صـ ۱۸۸ وغیرہ) عباسی صاحب! ملاحظہ فرمائیے حضرت رسول کے انتقال کو اب چند دن باقی رہ گئے ہیں

اس وقت خدا حضرت کو حکم دیتا ہے کہ پہلے اور دوسرے بزرگ کو مدینہ سے بہت دور روانہ کردو اور حضرت علی کو اپنے پاس رکھو خدا تو جانتا تھا کہ اب رسول چند دنوں میں انتقال کرجائیں گے، پھر پہلے اور دوسرے بزرگ کو مدینہ سے باہر بہت دور روانہ کردینے کا حکم کیوں دیا؟ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ لوگ حضرت علی کو خلیفہ نہیں ہونے دیں گے اور جو علی ۲۰ سال سے ہماری کوشش سے رسول کی نیابت و خلافت کر رہے ہیں وہ اپنی جگہ سے محروم کر دیئے جائیں گے اس وجہ سے ان دونوں کو مدینہ سے باہر بہت دور بھیجدو تاکہ نہ یہ یہاں رہیں اور نہ خلافت پر قبضہ اور نہ علی کو اُن کے حق سے محروم کرسکیں۔

خلافت کا قرآن مجید سے فیصلہ

مذکورہ بالا بیانات سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت رسول کی رحلت سے ۲۰ سال پہلے ہی سے خدا نے حضرت علی کو رسول کا خلیفہ مقرر کر رکھا تھا اور برابر اس کی وہ تاکید بھی کرتا رہتا تھا۔ اگر ان باتوں سے آپ کی تشفی ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ قرآن مجید سے پھر پوچھئے کہ خدا ہمانے حضرت علی کو رسول کا خلیفہ پہلے ہی سے مقرر کر رکھا تھا یا نہیں، اس نے صاف فرما دیا ہے وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا، الآیہ، تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ زمین پر اُن کو اسی طرح خلیفہ مقرر کریگا جس طرح ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس پر انھیں ضرور پوری قدرت دے گا اور ان کے خائف ہونے کے بعد ان کے ہراس کو امن سے بدل دیگا (پارہ ۱۸ رکوع ۱۳ سورہ نور آیتہ ۵۵) اس آیتہ کے ایک ایک لفظ پر غور فرمایئے جو پکار کر کہتی ہے کہ خود خدا نے جناب امیرؑ کو حضرت رسول کا خلیفہ (سنہ بعثت میں) بنا دیا تھا اور مسلمانوں کو اس کا موقع نہیں دیا کہ اپنی رائے سے کسی کو رسول کا خلیفہ بنائیں۔ کیونکہ خلیفہ بنانے کا کام وہ اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تاکہ مسلمانوں کو کسی پہ رائے دینے۔ یا ووٹ ڈالنے یا اجماع کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ جس طرح نبیوں کو بھی ہمیشہ خدا ہی نے مقرر کیا اسی طرح کسی رسول کے خلیفہ کو بھی ہمیشہ وہی مقرر کرتا رہا ہے جس طرح آدمیوں کے انتخاب یا اجماع سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا اسی طرح آدمیوں کے ووٹ دینے سے کوئی شخص خلیفہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر دو چار نہیں بلکہ دو چار کروڑ آدمی بھی کسی کو نبی یا رسول بنانا چاہیں تو وہ نہیں ہو سکتا اسی طرح کچھ لوگ اپنی رائے سے کسی کو خلیفہ بنا دیں تو واقعاً وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا، اس آیتہ میں خدا دو باتوں پر خاص طور پر زور دیتا ہے ایک یہ کہ اے مسلمانوں تم لوگوں پر رسول کے بعد خلیفہ میں ہی مقرر کروں گا۔ تم لوگوں کو خود خلیفہ مقرر کرنے کا حق نہیں ہے۔ جس کے بارے میں دوسری جگہ صاف فرمادیا ہے۔ وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون،

یعنی تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور برتر ہے (پارہ ۲۰ ع ۱۰) جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خداوندی عہدے صرف خدا ہی کے انتخاب سے حاصل ہوتے ہیں۔ نبوت ہو یا امامت و خلافت بندوں کے ہاتھ میں ہرگز اس کا انتخاب نہیں کیونکہ خدا کے سوا کون شخص جان سکتا ہے کہ کس کا دل و دماغ کیسا ہے۔ دوسری یہ کہ میں اب بھی تم لوگوں پر رسول کا خلیفہ اسی طرح مقرر کروں گا جس طرح پہلے انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو بھی میں نے ہی مقرر کیا تھا۔ اب دیکھ لینا چاہئے کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے کس طرح مقرر کیا تھا۔ اگر اس نبی کی امت پر چھوڑ دیا تھا کہ اپنی پنچائت یا اجماع یا استخلاف یا شوریٰ سے کسی کو خلیفہ بنا لو تو شوق سے، حضرت رسول خدا کے اس خلیفہ کو بھی مانیں جو انھیں اصولوں سے بنایا گیا لیکن اگر حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک کل نبیوں اور پیغمبروں کے خلفاء کو خدا نے خود ہی تجویز کر کے اُن نبی یا پیغمبر سے اعلان کرا دیا تو حضرت رسول کے خلیفہ کو بھی ماننا پڑے گا کہ وہی بزرگ ہیں جن کو خدا نے مقرر کر کے حضرت رسول سے اعلان کرا دیا تھا کہ یہی علی میرے خلیفہ میرے وصی اور میرے وزیر ہیں، عباسی صاحب ہم کو تو پورے قرآن مجید اور تاریخ و حدیث کسی میں بھی یہ مضمون نہیں ملا کہ کسی پیغمبر کے خلیفہ کو اس کی امت نے اپنے انتخاب سے مقرر کیا ہو بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوتا رہا، شروع سے آج تک جس طرح خدا ہی نے ہر نبی اور رسول کو مقرر کیا اور کسی نبی کا تقرر آدمیوں کی تجویز یا انتخاب یا اجماع سے نہیں ہونے دیا بالکل اسیطرح ہر خلیفہ کو بھی خدا ہی نے مقرر کیا۔ فرمایا، انی جاعل فی الارض خلیفۃ، یقیناً میں ہی زمین میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں (پارہ ۱ ع ۴) یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ اے داؤد یہ یقینی بات ہے کہ تم کو زمین میں خلیفہ میں ہی نے بنایا ہے (پارہ ۲۳ ع ۱۱)۔ انی جاعلک للناس اماما اے ابراہیم یقیناً تم کو آدمیوں کا امام بنانے والا میں ہی ہوں (پارہ ۱ ع ۱۵) وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا، ہم ہی نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام مقرر کیا جو ہمارے مذہب کی طرف لوگوں کی ہدایت کرتے رہیں کیونکہ ان لوگوں نے دنیا والوں کے ظلموں پر صبر کیا ہے (پارہ ۲۱ رکوع ۱۶) تاریخ کی ہر کتاب سے بھی ثابت ہے کہ ہر نبی کے خلیفہ اور وصی خدا ہی کے مقرر کرنے سے ہوتے رہے اور وہ نبی ہی اس کا اعلان بھی اپنی زندگی ہی میں کر دیتے تھے۔ حضرت آدم نے خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ حضرت شیث کو مقرر کیا (تاریخ طبری جلد ۱ صا ۷۱) حضرت شیث نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ انوش کو مقرر کیا (طبری ج ۱ ص ۸۱) حضرت ادریس نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ اپنے فرزند متوشلخ کو مقرر کیا (تاریخ کامل جلد ۱ ص ۲۶) حضرت ابراہیم نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی اپنا خلیفہ اپنے فرزند حضرت اسحاق کو مقرر کیا (روضۃ الصفا ج ۱ ص ۴۲) حضرت یعقوب نے بھی خدا کے حکم سے خود ہی حضرت یوسف کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (طبری ج ۱ ص ۱۷۲) حضرت موسیٰ خدا کی طرف گئے تو خدا کے حکم سے خود ہی حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تھے (طبری ج ۱ ص ۲۱۶)۔ اور چونکہ جناب ہارون حضرت موسیٰ کی زندگی میں

انتقال کر گئے حضرت موسیٰ نے پھر خدا کے حکم سے جناب یوشع کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (روضۃ الصفا ج ا ص۹۳) حضرت داؤد نے بھی خدا کے حکم سے اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا (تاریخ کامل جلد ا ص۷۵)، جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان آپ کے وارث اور خلیفہ ہوئے (تاریخ کامل جلد ا ص۷۵) حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی خدا کے حکم سے مقرر فرمایا تھا اور اپنی زندگی ہی میں اس مسئلہ کو طے کر گئے تھے، اپنی امت پر نہیں چھوڑ دیا تھا چنانچہ حضرت کی وصیتوں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کردوں اور حضرت کے حواریوں نے ان کی خلافت قبول کرلی تھی (روضۃ الصفا ج ا ص۱۳۵) غرض حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک جس قدر انبیاء و مرسلین گذرے کسی کے متعلق بھی کسی کتاب سے نہیں ثابت ہو سکتا کہ انھوں نے اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ دیا ہو اور بغیر اپنا خلیفہ خود مقرر کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے ہوں۔ نہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک کسی رسول یا نبی کے متعلق یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات پر ان کی امت نے اپنی پنچایت یا انتخاب یا شوریٰ یا استخلاف یا اجماع یا دھینگا مشتی یا فوج کشی سے کسی کو اپنے وفات یافتہ رسول یا نبی کا خلیفہ یا وصی اور اپنا امام و پیشوا و دینی سردار و مذہبی رہنما مقرر کرلیا ہو، اگر دنیا میں کوئی شخص بھی آدمیوں کے انتخاب یا تجویز یا صرف بیعت کرلینے سے کسی نبی کا صحیح اور جائز خلیفہ ہو سکتا تو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک کہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ انبیاء و مرسلین گزرے ہیں کسی ایک ہی پیغمبر کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا کہ ان کی امت نے اپنے انتخاب یا تجویز یا ووٹ سے ان کا خلیفہ مقرر کیا تھا، مگر جب ایسا نہیں اور قطعاً نہیں ہو کیونکہ لاکھوں کتب حدیث و تفسیر و تاریخ وغیرہ کسی ایک سے بھی اس کا ثبوت ملنا ایسا ہی محال ہے جیسا آفتاب کا پچھم سے طلوع اور پورب میں غروب کرنا ہے، ایسی حالت میں خاص حضرت رسولؐ کے متعلق یہ اصول کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

اگر سابق انبیاء کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ ان سب کو خدا ہی نے مقرر کیا اور ان پیغمبروں نے اپنے خلفاء کی خلافت و وصایت کا خدا کے حکم سے اعلان کر دیا تھا (جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے) تو اس صورت میں خدا پر الزام آتا ہے کہ جب اس نے کل انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خود مقرر کیا تھا تو حضرت رسولِ خدا کے بارے میں اس نے اپنے اس اصول کے خلاف کیوں کیا؟ اسی نے آنحضرتؐ کا خلیفہ بھی خود ہی کیوں نہیں مقرر کیا؟ اور حضرت رسولِ خدا سے اس کا اعلان کیوں نہیں کرا دیا؟ حالانکہ خدا کے اصول بدلتے نہیں رہتے ہیں، اس نے صاف طور سے فرما دیا ہے، سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا یعنی خدا کا یہی اصول ان لوگوں کے بارے میں بھی رہا ہے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور تم کو خدا کے اصول میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں مل سکتا (سورہ احزاب رکوع ۸) دوسری جگہ بھی فرمایا ہے فہل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا یعنی کیا یہ لوگ اگلوں کے دستور و طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو سمجھ رکھو کہ تمہیں خدا کے دستور و طریقہ میں کبھی کوئی تغیر نہیں مل سکتا اور نہ اس کے دستور و طریقہ کو تم کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے (سورہ فاطر ۵۶) یہ بھی فرمایا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا یعنی یہ خدا کا وہ طریقہ اور دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تم کبھی خدا کے دستور و طریقہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پا سکتے (سورہ الفتح رکوع ۳)

جب ان آیات سے ہم پر بہ امر اچھی طرح محقق ہوگیا کہ خدا کے اصول میں اختلاف نہیں ہوتا، خدا کے انتظاموں میں تغیر نہیں ہوتا، خدا کے دستور اور طریق میں تبدیلی نہیں ہوتی اور ثابت تحقیقات سے ثابت ہوچکا ہے کہ خلافت کے بارے میں شروع سے آخر تک یہی دستور رہا ہے کہ ہر رسول اور نبی کے خلیفہ کا انتظام خدا ہی اُن رسول یا نبی کی زندگی میں کردیتا ہے اور ان کے انبیاء مرسلین سے اُن حضرات کے سامنے ہی اس کا اعلان کراتا رہا ہے یہاں تک کہ انصاف پسند شاعر نے بھی کہدیا ؎ قبل تعیین وصی و وزیر ۔ ہل ترے فات نبی و ہجر ۔ یعنی تم نے کسی نبی یا رسول کو بھی دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنا خلیفہ اور وصی و وزیر مقرر کرنے کے پہلے انتقال کیا یا دنیا کو چھوڑا ہو؟ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے بارے میں خدا کا یہ دستور کسطرح ٹوٹ سکتا تھا؟ اور خاص اپنے حبیب اور خاتم المرسلین کے خلیفہ کے بارے خدا اپنا یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیتا؟ کیا اس کی وجہ سے وہ جھوٹا نہیں ثابت ہوگا کہ کہتا تو یہ ہے کہ اس کے دستور میں تغیر نہیں ہوتا اس کے انتظام میں تبدل نہیں ہوتا حالانکہ سب رسولوں کے سردار ہی کے خلیفہ کے متعلق اس کا دستور بدل گیا اور کیا اس کی وجہ سے خدا پر لم تقولون مالا تفعلون، تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس کو خود نہیں کرتے کا الزام نہیں قائم ہوگا؟ کہ وہ کہتا تو یہ ہے کہ اس کے دستور بدلا نہیں کرتے اور کرتا یہ ہے کہ حضرت سید المرسلین ہی کے خلیفہ کے بارے میں اس نے خود اپنا دستور بدل دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق انبیاؑ و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے نہیں مقرر کیا نہ اس نے اپنے پیغمبروں سے اس کا اعلان کرایا بلکہ خود اُن انبیاؑ و مرسلین ہی نے اپنا خلیفہ خود تجویز کرکے اپنی زندگی میں مقرر کردیا اور اسکا اعلان بھی کردیا۔ تو پھر حضرت رسول خدا صلعم پر بہت بڑا اعتراض ہوگا کہ حضرت نے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک کردیا اور جس دینی خدمت کو سابق انبیاؑ و مرسلین سے کسی نے بھی نہیں چھوڑا تھا اس سے حضرت ایسے اشرف انبیاء نے کیوں غفلت کی؟ حالانکہ خدا نے حضرت کو صاف طور پر حکم دے رکھا تھا کہ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ یعنی گذشتہ انبیاؑ و مرسلین وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کردی تھی اب اے پیغمبر! اُن ہی کے طریقہ کی تم بھی پیروی کرتے رہو (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۰) ان تمام وجوہ سے ماننا پڑیگا کہ حضرت رسول صلعم کی خلافت کو بھی خدا یا رسول خدا نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑ دیا کہ وہ اپنے اجماع یا انتخاب یا شوریٰ سے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں اور نہ خدا نے آنحضرتؐ کے خلیفہ کا اعلان کرنے سے قبل اپنے حبیب کو دنیا سے اٹھایا اور نہ آنحضرت صلعم نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے پہلے دنیا سے انتقال فرمایا بلکہ سابق انبیاؑ و مرسلین کیطرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپ کی زندگی ہی میں تجویز کرکے آپ سے اس کا اعلان کرادیا اسکے بعد اپنے رسول کو اپنی درگاہ میں بلایا۔ اعلان کرانے کے بعد برابر اسکی تاکید بھی کرتا رہا چنانچہ ۳ بعثت میں مکہ معظمہ میں عام اعلان کرایا۔ پھر شب ہجرت حضرت کو آنحضرت کا علی خلیفہ مقرر کرکے رسولؐ کی سب امانتیں واپس کرائیں پھر فتح مکہ میں حضرت علی ہی سے خانہ کعبہ کے بتوں کو گروایا پھر غزوہ تبوک میں حضرت علی کو آنحضرت کا علی خلیفہ مدینہ میں مقرر کرکے اعلان کرایا، پھر سورہ تبلیغ کے پہنچانے کیلئے حضرت علی ہی کو مکہ معظمہ بھیجا پھر حجۃ الوداع میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہکر تاکید فرمادی، پھر واقعہ مباہلہ میں نفس رسول کہکر مزید تاکید کردی، پھر وفات کے قریب پہلے اور دوسرے بزرگ کو مدینہ سے بہت دور چلے جانیکا حکم دیکر اور حضرت علیؑ کو آنحضرت کے پاس ہی روک کر تاکید بالائے تاکید کرتا رہا۔

کیا حضرت علی آں حضرت صلعم کے شروع ہی سے وصی نہیں تھے؟

عباسی صاحب! آپ نے تحریر فرمایا ہے "نیز اسی نظریہ کے تحت حضرت علی کا لقب وصی قرار دیا اور وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی کہ رسول نے اپنے بعد حضرت علی کی خلافت کیلئے وصیت فرما دی تھی اس لئے وصی ٹھہرے"۔ ہمارے مہربان آپ نے ہمارے گزشتہ بیانات پڑھ لئے کہ جسطرح خدا نے حضرت رسولؐ کی وفات سے پہلے ۲۰ سال قبل مکہ معظمہ ہی میں حضرت علی کو آنحضرت کا خلیفہ مقرر کرا کے عام اعلان کر دیا تھا اسی طرح اور اسی وقت حضرت کو آنحضرتؐ کا وصی بھی مقرر کرا کے اعلان کرا دیا تھا کیونکہ سنہ ۳ بعثت میں آنحضرتؐ نے حضرت علی کو گلے سے لگانے کے بعد فرمایا تھا ہذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا۔ دیکھو یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم لوگوں میں میرا خلیفہ ہے تم سب اس کا حکم سننا اور اطاعت کرنا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ وغیرہ) یعنی خدا نے حضرت علی کے خلیفہ رسول و وصی رسولؐ ہونے کا اعلان ایک ساتھ شروع کر دیا اور آخر وقت تک اس حکم کو باقی رکھا اور بدلا نہیں چنانچہ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی وغیرہ بڑے بڑے اہلسنت علماء نے لکھا ہے تمام ازواج مطہرہ را وصیت کرد، بعد ازاں فرمود برادر من علی را بیارید علی بیامد در بالین آنحضرت بہ نشست و سر مبارکش را بر زانوے خویش نہاد و آں سرور فرمود اے علی فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ وارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق او را از ذمہ من ادا کنی و فرمود اے علی! تو اول کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن پرسی و بعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نشوی و صبر کنی و چوں بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔ یعنی آں حضرت صلعم نے انتقال کے وقت اپنی ازواج سے کچھ وصیت کی، پھر حضرت علی کو بلایا! اور اپنے سر مبارک کو آپ کے زانو پر رکھ کر فرمایا اے علی! فلاں یہودی کی اتنی رقم میرے ذمہ باقی ہے جو میں نے لشکر اسامہ روانہ کرنے کے لئے اس سے قرض لی تھی دیکھو اسکو تم ضرور ادا کر دینا اور اے علی! تم سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آؤ گے اور میرے بعد تم پر بڑے بڑے ظلم ہوں گے اس وقت تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا اور جب دیکھنا کہ ان لوگوں نے دنیا کو پسند کر لیا تو تم آخرت کو نہ چھوڑنا اسی کو اختیار کئے رہنا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱) اب کوئی بتائے کہ اگر حضرت علی ہی آنحضرت صلعم کے خلیفہ سنہ ۳ بعثت (یعنی ۲۰ سال پہلے) سے نہیں تھے تو آنحضرت نے اپنا قرض ادا کرنے کو کیوں کہا؟ حضرتؐ کا جو شخص خلیفہ ہوتا وہ اس قرض کو ادا کرتا۔ قرض حضرت کی ذات سے متعلق تھا ہی نہیں بلکہ لشکر اسامہ کی روانگی کے وقت لیا تھا جو اسلامی قرضہ تھا تو اس کا ادا کرنا بھی حضرت کے عزیز کا کام نہیں تھا بلکہ اسلام کے سردار اور آپ کے خلیفہ کا فرض تھا مگر چونکہ حضرت علی ہی سنہ ۳ بعثت ہی سے آنحضرتؐ کے وصی اور خلیفہ مقرر ہو چکے تھے اس وجہ سے آنحضرتؐ نے آخر میں قرض ادا کرنے کی وصیت بھی آپ ہی سے کی نہ کسی اور سے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی لکھا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ جناب سلمان نے حضرت رسولؐ کی خدمت میں عرض کی یا حضرت! خدا نے جس نبی کو بھیجا بتا دیا کہ اس کے بعد اس کا خلیفہ اور جانشین کون ہوگا، کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے خلیفہ اور جانشین کو خدا نے صاف صاف نہ بتا دیا ہو، تو کیا آپ سے بھی خدا نے فرما دیا ہے کہ آپکا خلیفہ کون ہے؟ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہاں خدا نے بتا دیا ہے کہ میرا خلیفہ اور جانشین علی ابن ابی طالب ہیں اور (یہ بھی) جناب سلمان بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولؐ سے عرض کی یا حضرت آپکا وصی کون ہے؟ حضرت نے فرمایا میرا وصی اور میرا خلیفہ اور جن لوگوں کو

میں اپنے بعد چھوڑ جاؤں گا ان سب سے افضل و بہتر علی ابن ابی طالب ہیں اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ ہر نبی کا کوئی وصی ضرور ہوتا ہے اور میرے وصی اور گویا فرزند علی ہیں۔ اور جناب ابوذر سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا میں خاتم الانبیا، اور علی خاتم الاوصیا ہیں (شرح صحیح بخاری پارہ ۱۸ باب آخر ما تکلم النبیؐ صـ ۱۰۹) آنحضرت نے یہ بھی فرمایا کہ میرے وصی اور میرے رازدار اور جن لوگوں کو میں اپنے بعد چھوڑ جاؤں گا اُن سب سے بہتر اور وہ جو میرا وعدہ وفا اور میرا قرض ادا کریں گے علی ابن ابی طالب ہیں (کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۶ صـ ۱۵۴)

بارہ اماموں کی خلافت

جناب عباسی صاحب!! آپ نے فرمایا ہے یہی نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؑ کی بیعت پر آمادہ کیا۔ کیا ہم آپ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ آپ سے کس نے کہا ہے؟ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کی خلافت کا نظریہ بھی خدا ہی نے مقرر کر دیا تھا جس نے اپنے رسول سے بار بار اعلان کرایا کہ حضرت کے خلفاء بارہ ہوں گے۔ نہ بارہ سے کم نہ زیادہ (ملاحظہ فرمائیے کنز العمال جلد ۶ صـ ۱۹۸ و سنن ابی داؤد صـ ۵۸۸ و جامع ترمذی صـ ۲۶۹ و صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۱۹ و صحیح بخاری کتاب الفتن باب لاستخلاف پارہ ۲۹ صـ ۶۲۵) اس وجہ ضروری ہے کہ حضرت کے خلفاء آپ کے بعد بارہ ہی ہوں اور درحقیقت یہ بارہ خلفاء کی تعداد بھی حضرت رسولؐ نے نہیں معین فرمائی بلکہ جس خدا نے دین اسلام کو بھیجا جس نے حضرت رسولؐ خدا صلعم کو اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا اسی خدا نے حضرت کے خلفاء کی تعداد بھی بارہ مقرر کی۔ پس اگر خدا سچا ہے اور اگر حضرت رسول خدا صلعم بھی ہمیشہ صحیح بات ہی بولتے تھے تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت کے خلفاء کی تعداد پوری بارہ ہوگی اس سے نہ ایک کم ہوگا نہ ایک زیادہ نہ چار ہوں گے نہ دس، نہ بیس، نہ پچاس بلکہ قیامت تک حضرت کے خلفاء بہر صورت صرف بارہ ہی ہو سکتے ہیں اور جو لوگ حضرت رسولؐ کے بعد بارہ سے کم یا زیادہ خلفاء کو مانتے ہیں وہ درحقیقت خدا اور رسولؐ کو جھوٹا جانتے ہیں کہ وہاں تو ارشاد ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے اور یہ لوگ کہتے ہیں نہیں حضرت کے خلفاء اس کثرت سے ہوئے کہ اب جا کر سلطان ٹرکی پر خاتمہ ہوا۔ رہا یہ امر کہ آنحضرت کے بارہ خلیفہ کون ہیں؟ تو حضرت رسولؐ نے کسی معتبر حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ ان میں سے کچھ راشدین ہوں گے اور کچھ غیر راشدین، کچھ بنی امیہ سے ہوں گے کچھ بنی عباس سے، کچھ قریش سے اور کچھ سلاطین ٹرکی سے، اب جو لوگ اُن حضرات کو جن کی تعداد کسی طرح پورے بارہ نہیں ہوتی خلفاء رسولؐ مانتے ہیں انصاف یہ ہے کہ وہ خلفاء برحق کے ماننے والے نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا نے رسولؐ کے خلفاء کی تعداد کو بارہ ہی میں منحصر کر کے صراط مستقیم کی راہ بالکل روشن کر دی اور حق پسند طبقہ کے لئے آسان کر دیا کہ وہ انھیں حضرات کو جو پورے بارہ ہوے خلفاء رسول مان کر سیدھے مذہب پر چلے چلیں اور کج راہ سے اپنے کو محفوظ رکھیں غالباً خدا نے اسی سبب سے یہ غیبی انتظام بھی کیا کہ ان بارہ اماموں کے مقابلہ میں جو دوسرے حضرات مسلمانوں میں خلیفہ مانے گئے ان کو کسی سلسلہ میں بارہ نہیں ہونے دیا تاکہ حق و باطل دونوں ایک ہی تعداد میں

ہو کر مشتبہ نہ ہو جائیں :-

خلافت کا پہلا سلسلہ مسلمانوں میں جو لوگ بارہ خلفاء کے پیرو (یعنی اثنا عشری) نہیں ہیں انکے خلفاء کا پہلا سلسلہ خلفاء راشدین کہا جاتا ہے یہ سلسلہ چار سے بڑھنے نہیں پایا جس سے حق پسند لوگ سمجھ جائیں کہ یہ حقیقت میں خلفاء رسول نہیں ہیں ورنہ ان کی تعداد بارہ سے کم نہیں ہوتی :-

دوسرا سلسلہ خلفاء بنی امیہ کا کہا جاتا ہے وہ بھی بارہ نہیں ہوئے بلکہ اس سے زیادہ ہو گئے تاکہ دل سے ایمان کی تلاش کرنے والے سمجھ لیں کہ یہ بھی درحقیقت خلفاء رسول نہیں ہیں ورنہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ نہیں ہوتی حالانکہ وہ زیادہ ہو گئے یعنی ۱۴ شخص، اب اگر خلفاء راشدین اور خلفاء بنی امیہ کو جوڑ دیا جائے تو ان کی تعداد مل کر بھی بارہ نہیں ہو سکتی بلکہ ۱۸ ہو جاتی ہے، اور شام کے خلفاء بنی امیہ کے ساتھ (اندلس و یورپ) کے خلفاء بنی امیہ ملائے جائیں جن کی تعداد بھی ۱۶ تھی تو کل خلفاء بنی امیہ کی تعداد ۳۰ ہو جاتی ہے۔

تیسرا سلسلہ خلفاء بنی عباس کا سمجھا جاتا ہے، ان کی تعداد بھی ۱۲ نہیں بلکہ ۳۷ ہوئی۔ اس طرح یہ لوگ بھی آں حضرت کے حقیقی خلفاء نہیں مانے جا سکتے۔ اب اگر تینوں سلسلوں کو ملا دیا جائے تو خلفاء راشدین و بنی امیہ و بنی عباس ۵۵ ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ بھی حدیث رسولؐ کے خلاف ہی ہوا۔

چوتھا سلسلہ مصر کے خلفاء، و بنی عباس کا ہوا کہ جب ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں نے بغداد کے خلفاء بنی عباس کا خاتمہ کر دیا تو مصر کے بادشاہوں نے خاندان بنی عباس کے ایک شہزادے کو خلیفہ بنا لیا مگر ان کی تعداد بھی بارہ سے زیادہ ہوئی تو وہ بھی آنحضرتؐ کے حقیقی خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

پانچواں سلسلہ پھر ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم بادشاہ ٹرکی نے مصر کو فتح کر کے خاندان مملوک کا خاتمہ کر دیا تو خاندان بنی عباس کے آخری خلیفہ نے لقب خلافت اور تبرکات رسولؐ خدا صلعم جو ان کے قبضہ میں چلے آتے تھے سلطان ٹرکی کے حوالے کر دیے جس ذریعہ سے ٹرکی کے سلاطین بھی خلیفۃ المسلمین کہے اور کہے جانے لگے۔ اور اب تو مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کے سلسلہ کو دنیا ہی سے ختم کر دیا۔ غرض کہ دین اسلام موجود ہے مگر ان سلسلوں کا کوئی خلیفہ بھی دنیا میں کسی جگہ اس وقت باقی نہیں ہے۔ نہ بغداد میں نہ دمشق میں نہ مصر میں نہ ٹرکی میں نہ حجاز میں فاعتبروا یا اولی الابصار :-

یہ خدا کی قدرت ہدایت و ارشاد کا عجیب کرشمہ ہے کہ حقیقی خلفاء رسول کے مقابلہ میں جس قدر خلفاء بنائے گئے ان کا کوئی بھی سلسلہ ۱۲ کے مطابق نہیں ہے، کوئی کم ہے تو کوئی زیادہ جو اہل بصیرت کے لئے فرمان الٰہی ہے کہ مسلمانوں! میرے رسولؐ نے بار بار تم لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ان کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے نہ بارہ سے کم ہوں گے نہ زیادہ۔ اب جس طرف تم کو وہ خلفاء ملیں جو بارہ نہ ہوں انکو تسلیم نہ کرنا بلکہ اس جماعت کی تلاش کرنا جس کے خلفاء رسولؐ حضرت رسول کی وفات سے ٹھیک پورے پورے بارہ ہوں گے۔ خدا کا انتظام بھی کس درجہ متقن و مستحکم ہوتا ہے

کہ اس کے مقابلہ میں جو تدبیر بھی اختیار کی جاتی ہے غور و تدبر اور انصاف و تحقیق کی نظر سے اس کی کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے، ایک طرف خلفاء کے پانچ سلسلے ہوئے مگر حضرت رسولؐ نے کسی حدیث میں کسی سلسلہ کے خلفاء کی تعداد نہیں بیان فرمائی، نہ کسی حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ میرے خلفاء چار ہوں گے جس سے خلفاء راشدین کی طرف اشارہ ہو سکتا نہ کسی خبر میں یہ فرمایا کہ میرے خلیفہ چودہ ہوں گے جس سے ملک شام کے خلفاء بنی امیہ مراد ہو سکتے نہ کسی قول میں یہ فرمایا کہ میرے خلفاء ۳۷ ہوں گے جن سے بغداد کے خلفاء بنی عباس مقصود ہو سکتے نہ کسی کلام میں یہ فرمایا کہ میرے خلیفہ ۱۸ ہوں گے جس کے مصداق مصر کے خلفاء بنی عباس ہو سکتے نہ کسی ارشاد میں یہ فرمایا کہ میرے خلفاء ۳۰ سے زیادہ ہوں گے جس کے مصداق سلاطین ترکی قرار پاتے۔ غرض کسی سلسلہ کو حدیث رسولؐ کی پیشین گوئی کا شرف نہیں حاصل ہو سکا آدمیوں کی بنائی خلافت جیسی ہونی چاہئے ہو کر رہ گئی اور ختم بھی ہو گئی:۔

بارہ خلفاء کے ناموں کی تصریح

اور دوسری جانب خلفاء رسول کا ایک ایسا نورانی سلسلہ ہوا جس میں پورے پورے بارہ ہی خلیفہ ہوئے نہ ایک کم نہ ایک زیادہ ان بارہ کے لئے حضرت رسول کی حدیثیں اس کثرت سے ہیں جو مسلمانوں کے کل فرقوں کی معتبر ترین کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔ تو کیا اب بھی کسی کو حضرت رسول کے حقیقی خلفاء کی شناخت میں کوئی شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے! آنحضرتؐ نے ان بارہ خلفاء کے نام بھی صاف صاف مختلف طریقوں سے بتا دیے تھے جیسے علامہ سید علی ہمدانی نے لکھا ہے کہ جناب سلمان فارسی حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ آنحضرت کی گود میں ہیں، حضرت ان کی طرف بڑھ بڑھ کر ان کا منھ چومتے ہیں اور ان سے فرماتے ہیں کہ تم سردار ہو، تمہارے باپ بھی سردار ہیں اور تم امام ہو اور تمہارے باپ بھی امام ہیں، تم خدا کی حجت (میرے خلیفہ اور مسلمانوں کے پیشوا) ہو اور تمہارے باپ بھی خدا کی حجت ہیں اور تمہاری اولاد نو حجت خدا ہوں گے جن کے نویں بزرگ قائم ہوں گے (مودۃ القربیٰ مطبوعہ بمبئی ص۲۲ و ارجح المطالب مطبوعہ لاہور ص۴۰۲) مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں امام حسینؑ کو مسلمانوں کا دینی سردار، امام اور اپنا خلیفہ مقرر کر کے لوگوں کو مطلع بھی کر دیا تھا جس کی دلیلیں اس وقت تک ہزاروں کتابوں میں موجود ہیں، اور پھر آنحضرتؐ نے اس امامت و خلافت سے امام حسینؑ کو کبھی معزول نہیں کیا اس وجہ سے اپنے زمانہ میں حسینؑ ہی تمام اہل اسلام کے سردار، امام اور حضرت رسولؐ کے خلیفہ تھے کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا تھا اور نہ تمام مسلمانوں پر واجب تھا کہ وہ سب حضرت ہی کی بیعت کرتے اور حضرت ہی کو جانشین رسولؐ سمجھتے۔ اور کسی کو یہ جائز نہیں تھا کہ حضرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کا امام و ہادی و پیشوا و جانشین رسولؐ ہونیکا دعویٰ کرتا۔ جو ایسا کرتا وہ غاصب اور باغی قرار پاتا، اور حضرت امام حسینؑ کے لئے جائز نہیں تھا کہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور اس کو خلیفہ رسولؐ مانتے۔ مختصر یہ کہ جس طرح حضرت رسولؐ خدا صلعم اپنے زمانہ میں کسی اور شخص کو خدا کا رسول یا نبی نہیں جان سکتے تھے اور نہ ایسا ماننا حضرت کو جائز ہوتا بالکل اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی اپنے زمانہ میں کسی اور شخص کو خلیفہ رسول یا امام امت المسلمین نہیں مان سکتے تھے

نہ اس کی بیعت کر سکتے تھے جس طرح حضرت رسول خدا نبی برحق اور مسیلمہ کذاب و اسود عنسی باطل مدعی نبوت تھے بالکل اسی طرح امام حسینؑ کے زمانہ میں یزید باطل مدعی خلافت تھا (اگر کسی کو یہ شک ہو کہ پھر امام حسنؑ نے معویہ کو حکومت کیوں دیدی تھی تو مختصر طور پر یہ سمجھے کہ امام حسنؑ نے معویہ کو خلافت یا امامت یا مذہبی سرداری نہیں دی تھی بلکہ دنیوی حکومت حوالہ کر دی تھی جس طرح زمانہ حال میں بہت سے مسلمان زمیندار اپنی رعایا سے کسی سرکش شخص کو اپنی جائداد وغیرہ ٹھیکے وغیرہ پر دیتے تھے۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بھی خونریزی اور مسلمانوں کی جان و مال بچانے کیلئے صرف سلطنت اسلام کا انتظام معویہ کے حوالہ اور وہ بھی محض ان کی زندگی بھر کے لئے کر دیا تھا) اور علامہ اہل سنت شیخ سلیمان قندوزی نے لکھا ہے، قال رسول اللہ انا سید النبیین و علی سید الوصیین وان اوصیائی بعدی اثنا عشر اولہم علی و آخرہم القائم المہدی یعنی رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں کل نبیوں کا سردار ہوں اور علی کل وصیوں کے سردار ہیں۔ اور میرے بعد میرے کل وصی بارہ ہوں گے (ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول صہ ۴۴۵) ان بارہ اماموں میں بھی تیسرے امام حضرت حسینؑ ہی تھے لہذا آپ کی خلافت و امامت و وصایت پر بڑی تاکید ہوگئی۔ جب خدا و رسول ہی نے امام حسینؑ کو اپنے زمانہ کا خلیفہ و امام بنا دیا تھا تو خود حضرت اس زمانہ میں کسی دوسرے کو خلیفۂ رسولؐ یا امام امت کیسے تسلیم کر سکتے تھے؟ اور علامہ محدث جمال الدین نے لکھا ہے (جسکا ترجمہ یہ ہے کہ) جب خدا نے اپنے پیغمبر پر یہ آیت یا ایہا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (اے ایمان والو تم سب اللہ اور اسکے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرتے رہو) نازل ہوئی تو میں نے عرض کی اے رسولؐ ہم لوگ خدا اور رسول کو تو پہچانتے ہیں یہ اولی الامر کون لوگ ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے آپ کی اطاعت کے ساتھ ہم لوگوں پر واجب کر دیا ہے؟ اس پر حضرت نے فرمایا وہ اولی الامر میرے بعد میرے خلفا، (جانشین) ہیں۔ ان میں سے میرے پہلے خلیفہ علیؑ ابن ابی طالب، پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی ابن الحسین (امام زین العابدینؑ) پھر محمد بن علی (محمد باقرؑ) ہیں پھر میرے چھٹے خلیفہ انہیں محمد باقر کے بیٹے جعفر صادق پھر ان کے بیٹے موسیٰ کاظم پھر ان کے بیٹے علی رضا پھر ان کے بیٹے محمد تقی پھر ان کے بیٹے علی نقی پھر ان کے بیٹے حسن عسکری پھر ان کے بیٹے محمد مہدی ہوں گے جو خدا کی زمین پر اسکی حجت رہیں گے یہ وہ محمد مہدی ہوں گے جن کے ہاتھوں پر اللہ زمین کے مغارب و مشارق کو فتح کر دے گا۔ اور یہ وہ محمد مہدی ہوں گے کہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے ایسی غیبت اختیار کریں گے کہ ان کی غیبت میں ان کی امامت کے اعتقاد پر صرف وہ شخص قائم رہے گا جس کے قلب کی آزمائش اللہ نے ایمان کے ساتھ کر لی ہوگی، جابر کہتے تھے کہ اس پر میں نے دریافت کیا اے رسول خدا بارہویں امام کی غیبت کے زمانہ میں لوگ حضرت کے وجود سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے؟ حضرت نے فرمایا ہاں۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے یقیناً اس زمانہ میں شیعہ امام غائب کے نور سے روشنی حاصل کریںگے اور امام غائب کی ولایت سے مومنین پورا فائدہ حاصل کرینگے اسکی مثال آفتاب کی ہو کہ جسطرح آفتاب پر بدلی آجاتی ہے اسی طرح بارہویں امام پر غیبت کا پردہ پڑ جائے گا اور جس طرح ابر رہتے ہوئے بھی لوگ آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح غیبت میں رہنے پر بھی تمام مومنین امام کے وجود سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

(تاریخ روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۲۷) مذکورہ بالا روایت میں بھی حضرت رسولؐ نے صاف فرما دیا ہے کہ حضرت کے پہلے خلیفہ حضرت علی، دوسرے خلیفہ امام حسن، اور تیسرے خلیفہ امام حسین ہوں گے پس جس طرح حضرت رسولخدا کے ہوتے ہوئے کوئی شخص سچا نبی نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح حضرت امام حسین کے ہوتے ہوئے کوئی شخص سچا اور برحق خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا تھا۔ امام حسنؑ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو شہید ہو گئے اور اسی تاریخ سے امام حسینؑ مسلمانوں کے امام اور حضرت رسولؐ کے تیسرے جائز و برحق خلیفہ ہو گئے اور ۱۰ محرم ۶۱ھ تک اسی طرح خلیفہ رسول رہے جس طرح حضرت رسول ۱۳ سال تک مکہ معظمہ میں رسول اور نبی برحق تھے۔ جس طرح کفار کے تسلیم نہ کرنے اور اپنے کفر ہی پر قائم رہنے کی وجہ سے حضرت رسولؐ کی رسالت میں کوئی شک نہیں ہو سکا، بالکل اسی طرح غیر شیعہ مسلمانوں کے نہ ماننے اور حضرت کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کی خلافت میں بھی کوئی نقص نہیں ہوا۔ خواہ وہ نہ ماننے والے ۶۰ھ و ۶۱ھ میں رہے ہوں یا اس زمانہ میں موجود ہوں، مر چکے ہوں یا اس وقت بھی زندہ ہوں۔

حضرت امام حسینؑ کے تیسرے جائز و برحق خلیفہ رسول ہونے کی جو دلیلیں اوپر لکھی گئیں وہ خود کافی ہیں لیکن اور بھی سن لیجئے۔ علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے جو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام اپنے زمانہ میں علماء اہل سنت کے محترم پیشوا اور بہت بڑے محقق و انصاف پسند مصنف تھے جناب ابن عباس ایسے جلیل القدر صحابی کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک یہودی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا مجھے چند باتیں بتائیے تو میں اسلام قبول کر لوں۔ حضرت جواب دینے لگے آخر میں اس نے کہا اے محمدؐ آپ نے سب باتوں کا جواب ٹھیک دیا۔ اب یہ بھی فرمائیے آپ کا وصی کون ہو گا؟ کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنا وصی خود ہی کسی کو مقرر کیا ہو ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ نے بھی خود ہی اپنا وصی جناب یوشع کو مقرر کیا تھا آنحضرت نے فرمایا میرے وصی علی ابن ابی طالبؑ ہوں گے اس کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بعد ۹ امام انھیں حسین کی نسل سے ہوں گے، یہودی نے کہا ان نو وصیوں کے نام بھی بتا دیں جو امام حسینؑ کے بعد ہوں گے، آنحضرت نے فرمایا جب حسین گذر جائیں گے تو ان کے بیٹے علی (زین العابدین) میرے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ ان کے بعد ان کے فرزند محمد (باقر) انکے بعد ان کے صاحبزادے جعفر (صادق) ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ (کاظم) ان کے بعد ان کے بیٹے علی (رضا) ان کے بعد ان کے بیٹے محمد (تقی) ان کے بعد ان کے فرزند علی (نقی) ان کے بعد ان کے فرزند حسن (عسکری) ان کے بعد ان کے بیٹے محمد (مہدی) ہوں گے جو حجت خدا رہیں گے۔ بس یہی بارہ امام میرے اوصیا ہیں۔ یہودی نے پوچھا علیؑ حسنؑ اور حسینؑ کس طرح دنیا سے انتقال کریں گے؟ حضرت رسولؐ نے فرمایا علی کے سر پر تلوار کا ایک وار پڑیگا جس سے وہ قتل ہو جائیں گے اور حسن زہر دے کر شہید کئے جائیں گے اور حسین شہید کر دیئے جائیں گے۔ یہودی نے پوچھا یہ لوگ دنیا سے انتقال کرنے کے بعد کہاں رہیں گے؟ حضرت رسول نے فرمایا بہشت میں اور وہاں بھی خاص میرے درجہ میں، یہودی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور آپ یقیناً اللہ کے رسولؐ

ہیں اور یہ بھی کہ یہی بارہ حضرات ہیں جن کے آپ نے نام بتائے آپکے بعد آپکے اوصیاء ہوں گے ہم نے سابق کی کتابوں میں اور جن باتوں کا عہد ہم سے جناب موسیٰ نے کیا تھا ان میں یہ لکھا ہوا پایا کہ جب آخر زمانہ ہوگا تو ایک نبی مبعوث ہوں گے جن کا نام احمد اور محمد ہوگا، وہ خاتم الانبیاء ہوں گے کہ ان کے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا، اُن پیغمبر کے اوصیاء اُن کے بعد واقعاً بارہ ہی ہوں گے اُن کے اول تو اس نبی کے چچازاد بھائی اور داماد ہوں گے اور دوسرے اور تیسرے وصی انھیں پہلے امام کے فرزند ہوں گے جو دونوں آپس میں بھائی ہوں گے اور اس نبی کی امت ہی اس پہلے وصی کو تلوار سے اور دوسرے کو زہر سے اور تیسرے کو ان کے اہل بیت کے ساتھ تلوار اور پیاس کی مصیبت سے عالم غربت میں قتل کرے گی۔ وہ امام حسین اس طرح ذبح کئے جائیں گے جس طرح بھیڑ بکری کے بچے ذبح کئے جاتے ہیں اور وہ بزرگ اس مصیبت پر صبر کریں گے جس سے ان کے اور ان کے اہل بیت اور ذریت کے درجے بلند ہوں گے اور اس ذریعہ سے وہ اپنے دوستوں اور پیرؤوں کو جہنم سے بچالیں گے اور اس نبی کے باقی نو اوصیاء اُسی تیسرے وصی کی اولاد سے ہوں گے۔ تو یہ بارہ بھی اسباط کی طرح ہوں گے جو بارہ تھے (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۹) پھر انھیں علامہ قندوزی نے لکھا ہے محققین کی تحقیق ہے کہ یہ حدیثیں جو بتاتی ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد آپ کے خلفاء بارہ ہوں گے بہت سے طریقوں سے مشہور ہو چکی ہیں اور زمانہ کے سمجھانے اور عالم کے بتانے سے معلوم ہو گیا کہ حضرت رسول خدا صلعم کا مقصود ان حدیثوں سے وہی بارہ امام ہیں جو حضرت کے اہل بیت اور ذریت سے ہوئے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ ان حدیثوں سے وہ خلفاء سمجھے جائیں جو حضرت کے صحابہ سے آپ کے بعد ہوئے (یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان) کیونکہ ان کی تعداد یقیناً بارہ سے بہت کم تھی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ ان حدیثوں سے خلفاء بنی امیہ مراد ہوں اسلئے کہ وہ بھی بارہ سے زیادہ تھے اور سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کل خلفاء بنی امیہ حد درجے کے ظالم بھی تھے اور پھر وہ بنی ہاشم سے بھی نہ تھے حالانکہ آنحضرت صلعم نے فرما دیا تھا کہ میرے وہ بارہ خلیفہ سب کے سب خاندان بنی ہاشم میں سے ہونگے اور اس قول کو آنحضرت نے آہستہ سے فرمایا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نے یہی فرمایا تھا کہ میرے وہ بارہ خلیفہ سب کے سب بنی ہاشم ہی سے ہونگے اور آنحضرت صلعم نے اس کو آہستہ سے اس وجہ سے فرمایا کہ اس زمانہ کے مسلمان بنی ہاشم کی خلافت کو پسند نہیں کرتے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان حدیثوں میں خلفاء بنی عباس مراد ہوں کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے بہت زیادہ تھی اور اُن لوگوں نے حکم خدا، قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (اے رسولؐ ان مسلمانوں سے کہدو کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر اس کے سوائے کوئی اجر نہیں چاہتا کہ تم لوگ میرے اہل بیت سے محبت اختیار کرو) اور حدیث کساء کا بہت کم خیال اور پرواہ کی تو اب اس کے سوائے چارہ نہیں کہ اس حدیث مقصود وہی بارہ امام ہوں جو حضرت رسولؐ کے اہل بیت اور عترت سے تھے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہی حضرات بارہ امام اپنے اپنے زمانہ میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ علم، جلالت قدر، ورع، تقویٰ، اعلیٰ نسب افضل حسب اور شرف و کرم والے تھے اور ان حضرات کو ان کے علوم و کمالات ان کے جد بزرگوار حضرت رسولؐ خدا سے میراث میں اور خدا کی طرف سے خاص فیضان کے طور پر پہنچے تھے جن کو علم لدنی کہا جاتا ہے اسی طرح صاحبان علم و تحقیق اور ارباب کشف و توفیق نے ان حضرات کی

تعریف کی ہے (کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ صفحہ ۳۷) مذکورہ بالا بیانات کا نتیجہ یہ کہ واضح ہو گیا خدا نے حضرات اہل بیت یعنی ائمہ اثنا عشری کو حضرت رسول خدا کی زندگی ہی میں حضرت کا خلیفہ و وصی مقرر کر دیا تھا اور حضرت رسولؐ نے اپنی حیات ہی میں ان باتوں کا اچھی طرح اعلان بھی کر دیا تھا۔ ایسا واضح اعلان کہ آجتک علمائے اہلسنت و پیشوایان سواد اعظم اس پر قادر نہ ہو سکے کہ ان حدیثوں پر پردہ ڈال سکیں یا ان حدیثوں کا کوئی دوسرا مطلب معین کر سکیں، یا حضرات ائمہ اثنا عشر کی امامت سے ایک منٹ کو بھی انکار کر سکیں ۔

یزید نے بیعت کے لئے زور کیوں دیا؟ جناب عباسی صاحب! آپ نے آگے چل کر فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عمر نے ابن زبیر اور حسینؑ دونوں سے فرمایا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو (اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین) کیا آپ رحمت فرما کر ہم کو سمجھا دے سکتے ہیں کہ امام حسینؑ نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ کس طرح ڈالا؟ اگر ایک جگہ سو آدمی شراب پیتے ہوں اور ان میں ایک شخص شراب نہ پیئے وہ لوگ کہیں بھی کہ تم بھی شراب پی لو مگر وہ شخص شراب پینے سے انکار کر دے، خود کچھ نہ کرے نہ بولے، نہ پینے والوں کا ہاتھ پکڑے، بس خاموش بیٹھا ہے تو اس شخص سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم لوگوں میں تفرقہ مت ڈالو؟ امام حسینؑ تو مدینہ میں اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے معویہ یا یزید کے کسی کام میں دخل دیتے ہی نہیں تھے معویہ کے مرنے پر بھی کچھ نہیں بولے نہ اسکی بیعت سے لوگوں کو منع کیا نہ روکا نہ کسی اور کی بیعت کے لئے فرمایا نہ کسی دوسرے شخص کی خلافت یا حکومت یا بادشاہت کی رائے دی تو حضرت پر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا الزام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ کیا حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اپنے زمانہ میں کسی کافر یا مسلم پر زور دیا تھا کہ وہ حضرت کی بیعت ضرور کرے؟ کیا حضرت نے فتح مکہ کے بعد بھی کسی غیر مسلم پر دباؤ ڈالا کہ تم بھی میری بیعت کرلو؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یزید نے امام حسینؑ پر بیعت کے لئے کیوں یورش کی؟ خاموش رہنا دیکھنا تھا کہ حضرت اسکے خلاف کوئی کارروائی کرتے ہیں یا نہیں اگر حضرت کچھ کرتے تو اسوقت حضرت کو روکتے حضرت کے مقابلہ میں اپنی دنیوی طاقت صرف کرتا انگریزی حکومت کے مظالم بہت شد و مد سے بیان کئے جاتے تھے مگر کیا ان لوگوں نے کسی پر زور دیا کہ تم انگریزوں کی حکومت ضرور ہی مانو؟ کوئی ایک مثال بھی اسکی پیش کی جا سکتی ہے؟ گاندھی جی پنڈت جواہر لال نہرو، بابو راجندر پرشاد وغیرہ بکثرت لوگ تھے جو انگریزوں کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے مگر کیا اسکی وجہ سے انگریزوں نے ان پر فوج کشی کی؟ ان کو گرفتار کیا؟ ان کو قتل کر ڈالا؟ ہاں جب ان لوگوں نے کوئی تقریر کی کوئی لکچر دیا، کوئی مضمون اخبار میں چھاپا کوئی کمیٹی کر کے ان کی حکومت کی برائیاں بیان کیں تب انگریزوں نے ان کو گرفتار کیا اور یہ کہا کہ تم نے فلاں تاریخ کو فلاں مقام میں یہ تقریر کی اسوجہ سے تم گرفتار کئے جاتے ہو کیونکہ تم رعایا میں تفرقہ ڈالتے ہو، مگر امام حسینؑ نے کیا کیا؟ کوئی تقریر کی؟ کوئی خطبہ دیا؟ کوئی سازش کی؟ کوئی مخفی جلسہ کر کے یزید کی حکومت سے لوگوں کو نفرت دلائی؟ فرمایئے کس وجہ سے حضرت پر تفرقہ ڈالنے کا الزام ہو سکتا ہے؟ آج انڈیا میں مسلمان صرف چار کروڑ رہ گئے ہیں، اور غیر مسلم لوگوں کی حکومت کا غلبہ ہے مگر کیا حکومت نے کسی شخص سے کہا کہ تم ہماری بیعت کرو یا ہمارے بندہ بے دام بنجاؤ یا ہماری پرستش کرو؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یزید نے کیوں امام حسینؑ کی بیعت کا اس درجہ اہتمام کیا؟ تو تفرقہ ڈالنے بلکہ فساد

پھیلانے بلکہ ظلموں کا پہاڑ ڈھانے کا الزام یزید پر ہوگا یا صرف چپ رہنے کی وجہ سے امام حسینؑ پر تفرقہ ڈالنے کا اعتراض کوئی بھی عقلمند قائم کرسکتا ہے؟

حضرت امام حسینؑ کو دوستوں اور عزیزوں کا سمجھانا عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "حضرت حسینؑ کے بزرگوں، دوستوں اور ہمدردوں نے انھیں طرح طرح سمجھایا تھا، منع کیا تھا، خطرات سے آگاہ کیا تھا"۔

مگر آپ فرمائیے کہ ان بزرگوں، دوستوں اور ہمدردوں نے امام حسینؑ کو کس فعل سے منع کیا تھا؟ حضرت کیا کرتے تھے جس سے منع کیا اور سمجھایا؟ کیا حضرت کسی پر تلوار چلاتے تھے؟ کسی کو قتل کرتے تھے؟ کسی کو گالیاں دیتے تھے؟ کسی پر فوج کشی کرتے تھے؟ حضرت تو بالکل خاموش تھے اور خاموشی ہی میں مدینہ منورہ سے نکلکر مکہ معظمہ کی طرف راہ لی۔ ان دوستوں اور ہمدردوں کو تو مناسب تھا کہ سب کے سب ملکر حاکم مدینہ کے پاس جاتے اور کہتے کہ تم ان کو بیعت کیلئے کیوں مجبور کرتے ہو وہ کسی کا کیا بگاڑتے ہیں؟ وہ تم لوگوں یا یزید کا کیا نقصان کرتے ہیں؟ وہ تو بالکل خاموشی میں عبادت خدا کرتے رہتے ہیں، کسی سے کسی بات پر تعرض ہی نہیں کرتے، پھر ان کو بیعت کے لئے مجبور کیوں کرتے ہو؟ اگر کوئی شخص ناچ کا جلسہ کرے سب لوگوں کو بلائے مگر اس جلسہ میں ایک متقی بزرگ نہ جائیں تو کوئی بھی عقل والا اُن متقی بزرگ کو یہ الزام دے سکتا ہے کہ وہاں کیوں وہ نہیں گئے؟ جلسہ میں شرکت کیوں نہیں کی؟ ناچ کیوں نہیں دیکھا؟ گانا کیوں نہیں سنا؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو یزید کی بیعت نہ کرنے پر امام حسینؑ پر اعتراض دینا یہ کس قاعدہ کس اصول سے درست ہوسکتا ہے؟ یاد رکھئے کسی پر اعتراض یا الزام اس کے فعل وجودی ہی سے ہو سکتا ہے فعل عدمی سے کبھی اور کہیں بھی کسی کو برا نہیں کہہ سکتے، آج اگر کوئی شخص سینما نہیں دیکھے تو کیا وہ قتل کردیا جائیگا؟ غور فرمائے اور انصاف سے فیصلہ کیجئے اور یہ بھی دیکھئے کہ آپ ہی کے بڑے بڑے مقدس علما اور جلیل القدر پیشوایان دین نے کیا یزید کو کبھی بھی اس قابل سمجھا کہ حضرت امام حسینؑ کو اسکی بیعت کرنا مناسب ہوتا؟ فرقہ اہل حدیث کے بہت بڑے پیشوا اور جلیل القدر مصنف علامہ دہر مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "افسوس کہ معویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور امام حسن علیہ السلام کی جان لینے کے درپے ہوئے اور اپنے بیٹے یزید پلید سے بیعت لینے کیلئے سب کو مجبور کیا حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے، بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کریگا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے، امام حسین علیہ السلام کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا، چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسے کجا دجال ناپاک، مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کرلی اور اس پر بھی اکتفا نہ کی، امام صاحب کی جان کے درپے ہوگئے آخر کس ظلم اور شقاوت سے آپکو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرایا، اگر اسلام ہمیں است کہ امیر ہا دارند۔ وائے گر در پے امروز بود فردائے، بطف یہ کہ ابتک اُن اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہان پاک نہیں ہوتا کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہنچا دیتا ہے کوئی اسکو خلیفہ برحق کہتا ہے امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے (شیخ ابوبکر بن عربی مالکی استاد امام غزالی رح) اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اس پر لعنت نہ کرتا کیونکہ وہ اولوالامر میں سے تھا، کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اسی تلوار سے مارے گئے جو ان کے نانا کی تھی، الٰہ ان لوگوں سے سمجھے، معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرت کے سامنے یہ لوگ اپنا منھ

کیسے بنائیں گے ہم تو یزید کو مع اسکے معاونین جیسے شمر لعین، ابن زیاد، عمر بن سعد، خولی، سنان وغیرہم کو ملعون اور مردود اور اشقی الخلق الخلیفہ جانتے ہیں۔ یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اسکو پالیں تو اس کے گوشت پوست کے ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کو کھلائیں، اسوقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا، الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنیوالوں پر جو اسکو خلیفہ یا اولوالامر سے سمجھتے ہیں ان لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا اس نے دبالیا اور خلیفہ بن بیٹھا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲، ص۱۵۵) امام صاحب ہی نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے "جو لوگ خاص اپنے پیغمبر کی اولاد کو پانی نہ دیں، اس کو پیاسا شہید کریں انکو کیا کہا جائے ایسا عجیب واقعہ صفحہ تاریخ میں نہیں دیکھا گیا، میں تو ان اشقیاء کو مسلمان نہیں جانتا اگر کوئی جانتا ہے تو جانا کرے (پارہ ۱۰ ص۱) یہ بھی لکھا ہے "انھیں کی جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سور چرتا پھرتا، اونٹ کا دودھ اور موت اور گوڑپھوڑ کا گوشت کھاتا رہتا اس محسن کشی اور کورنمکی کا کہیں ٹھکانا ہے؟" (انوار اللغۃ پارہ ۸، ص۱) پھر ایک جگہ یہ لکھا ہے "برخلاف معویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علی کو گالیاں دینے کیلئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور بوالعجب چالوں سے یزید سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسین کے موجود ہوتے ہوئے یزید انکے پائخانہ کا لوٹا اٹھانے کے بھی لائق نہ تھا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۵، ص۱) ایک جگہ اور لکھا ہے "آنحضرت کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہی امت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جیسا سلوک کرے گی اس لئے تاکیداً ارشاد فرمایا کہ وہ میری اولاد کی اولاد ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔۔ آنحضرت کے اتنے ارشادوں کے بعد بھی امت نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ بے آب و دانہ بال بچوں سمیت شہید کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یہ مصیبت ایسی ہے کہ اس کے یاد کرنے سے جگر شق ہوجاتا ہے اگر ہمارا بس چلتا اور ہم اسوقت ہوتے تو یزید، ابن زیاد، عمر ابن سعد، شمر، خولی اور سنان ان ملعونوں کو کچا کھاجاتے اور اب تک ہمارے دلمیں وہی غصہ باقی ہے خیر اب آخرت میں ان سے سمجھ لینگے جاتے کہاں ہیں، امام حسنؑ اور امام حسینؑ آنحضرت کے دو ٹکڑے ہیں یہ آپکی اولاد کی اولاد ہیں یا آپکے نواسے ہیں بعضوں نے کہا مطلب یہ ہو کہ انکی اولاد میں اللہ برکت دیگا اور ایک بڑی امت ہوجائے گی ایسا ہی ہوا، ہزارہا سادات صحیح النسب ان دونوں شاہزادوں کی اولاد میں ہیں اور یزید اور ابن زیاد کی اولاد دنیا سے ایسی گم ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ (پارہ ۲۰ ص۱۹) یہ بھی لکھا ہے بعضے خارجیوں اور ناصبیوں اور دشمنان اہلبیت نے یہ استدلال کیا ہے کہ اپنے نانا ہی کی تلوار سے قتل کئے گئے اس لئے کہ یزید امام ہوچکا تھا اور لوگ اس سے بیعت کرچکے تھے۔ پھر امام علیہ السلام نے اس کو معزول کرنا چاہا۔ آخر اسی حدیث کی رو سے قتل کئے گئے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یزید پر ہرگز اہل حل و عقد کا یعنی رؤسا اور عمائد دین کا اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ معاویہ نے بدعہدی کرکے فریب اور جبر سے یزید کی بیعت لوگوں سے کرائی تھی اور سب سے بڑے دین کے سردار اسوقت امام علیہ السلام ہی تھے۔ آپ نے اور بہت سے اعیان بنی ہاشم نے اس سے بیعت نہیں کی تھی دوسرے جن لوگوں نے اس سے بیعت کی تھی انھوں نے بھی اسکا فسق و فجور دیکھکر اس کی بیعت توڑ ڈالی تھی یعنی اہل مدینہ نے۔ اس کے علاوہ یزید نے نماز، روزہ شرائع احکام کو معطل کرکے شراب خواری، مرغ بازی وغیرہ اختیار کی تھی۔ اہم امورات ملک میں صلاح و مشورہ لینا

چھوڑ دیا تھا، خود رائی اور خود پسندی اور استبداد کو اپنا شعار کر لیا تھا جیسے بے دین شخصی بادشاہ کیا کرتے ہیں
بیت المال کو جو حق اہل اسلام ہے اپنے باپ کا مال سمجھ کر حظوظ نفسانی اور شہوت رانی میں خرچ کرنے لگا تھا
اور بعض کلمات اسکے زبان سے ایسے سرزد ہوئے جس سے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہتا جیسے
ایک دفعہ کہنے لگا کہ اگر میں شراب نہ پیوں تو احمد کے دین کا پیرو ہوں گا اور جو پیوں تو مسیح کے دین کا پیرو
ہوں گا ایسی حالت میں اس کی بیعت سے انکار کرنا خود شریعت محمدی کا حکم تھا پس امام نے حفظ شریعت اور
دین اور صیانت مسلمین کیلئے اس کی اطاعت اختیار نہ کی جو بالکل بجا اور درست تھا۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزا و حشرنا
مع النبی و آلہ الاصفیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ صفحہ ۹۹) ایک جگہ لکھا ہے "معویہ اور ان کے حامیوں نے خلاف کیا
اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ یزید کی بیعت صرف معاویہ کی دھینگا مشتی و زبردستی سے ہوئی ورنہ کوئی شخص
دل سے اس کو پسند نہیں کرتا تھا، دوسرے اس کی بیعت خلاف معاہدہ تھی معاویہ نے جناب امام حسنؑ سے
عہد کر لیا تھا کہ میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کرے گی، اس بنا پر معویہ کو لازم تھا کہ اپنے
مرنے وقت امام حسینؑ کو جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے خلیفہ بناتے مگر دنیا کی طمع نے ان پر ایسا زور کیا تھا
کہ نہ معاہدہ کا خیال رہا نہ دینداری اور خدا پرستی کا۔ اپنے ظالم، نابکار، شرابخوار بیٹے کو خلیفہ بنا دیا وہ بھی
لوگوں کو ڈرا دھمکا کر گردنوں پر تلوار رکھکر، مال و زر، ملک و دولت کی طمع دیکر بھلا ایسی خلافت کب صحیح
ہو سکتی ہے؟ اسی لیے جناب امام حسینؑ نے اس سے بیعت نہیں کی کیونکہ اس سے بیعت کر لینے میں دین
کی خرابی متصور تھی اور جان دینا گوارا کیا خود معویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح
ہوگی؟ جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھا لے (پارہ ۱۵ صفحہ ۹۹) "یزید پلید کہنے لگا میرے
بزرگ وہ کافر جو جنگ بدر میں مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو بدر کا بدلہ لینے پر خوش ہو جاتے" (پارہ ۵ ص ۱۳)
یزید تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق فاجر، دنیا کے تعیشات کا دلدادہ، رنڈی باز، شراب خوار، کبوتر باز، مرغ
باز، زبردستی حاکم بن بیٹھا، معویہ کو خلافت کا بالکل استحقاق نہ تھا جب وہ امام برحق سے باغی ہو چکے تھے تو وہ
ازروئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے، غرض یزید پلید نے آنحضرت کے جگر گوشوں کا لحاظ نہ کیا نہ دوسرے
مہاجرین و انصار کا جنھوں نے آنحضرت پر سے اپنی جان و مال تصدق کیا اور انھیں کی جوتیوں کے طفیل سے یزید
اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سوچرا پھرتا اس محسن کشی اور کور نمکی کا کوئی ٹھکانا ہے
(پارہ ۸ صفحہ ۱۷) ایک جگہ لکھا ہے "معویہ جب مدینہ میں آئے تو ننگی تلواریں دیکر سپاہیوں کو کھڑا کر دیا اور کہا
کہ میں خطبہ پڑھتا ہوں جو کوئی میری کسی بات کا انکار کرے اس کی گردن اڑا دینا اور جھوٹ موٹ لوگوں سے
کہدیا کہ امام حسین اور سب لوگوں نے یزید کی بیعت قبول کر لی۔ اب جان کے ڈر کے مارے بات کون کرتا
سب خاموش رہے عام لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ جب امام حسینؑ نے یزید سے بیعت کر لی تو ہم کو بھی عذر نہ ہونا
چاہئے اور اس حیلہ سے اکثر لوگوں سے بیعت لے لی" (پارہ ۲۶۵ صفحہ ۹۷) انوار اللغۃ بنگلور میں چھپ گئی ہے اور

چند ہی سال ہوئے کہ اس کے محقق علامہ مصنف کا دنیا سے انتقال ہوا ہے۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر کی بزرگی

عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس جیسی بزرگ ہستیاں جو سن و سال کے اعتبار سے رسول اللہ کے شرف صحبت کے لحاظ سے، اپنے علم و فضل، اتقا و پرہیزگاری کے اعتبار سے حضرت حسینؓ سے بدرجہا فائق تھیں"۔

ذرا مہربانی کرکے فرمائیے تو حضرت رسولؐ کے انتقال ۱۱ھ سے آجتک آپ کے کسی عالم نے بھی ان دونوں بزرگوں کو امام حسینؑ سے بدرجہا فائق لکھا ہے، صحابہ کے حالات اسد الغابہ، استیعاب، اصابہ، طبقات ابن سعد وغیرہ میں بہت تفصیل سے لکھے ہیں مگر کسی کتاب میں آپ دکھا سکتے ہیں کہ کسی خارجی یا ناصبی نے بھی کبھی ان دونوں صاحبوں کو امام حسینؑ سے افضل کہا حضرت کے برابر بھی مانا یا لکھا ہے؟ ریاست حیدرآباد دکن ہی میں ایک اور بہت بڑے پیشوائے اہل سنت علامہ دہر و محقق عصر جناب مولوی حسن الزمان خاں صاحب گذرے ہیں انھوں نے لکھا ہے وقد کان ابن عباس یاخذ الرکاب للحسن والحسین اذا رکبا ویری ان ہذا من نعم اللہ علیہ وکانا اذا طافا بالبیت یکاد الناس یحطمونہما مما یزدحمون علیہما) عبداللہ بن عباس کا معمول تھا کہ جب امام حسن یا امام حسین گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہوتے تو آکر حضرت کی رکاب پکڑ لیتے اور اس خدمت گاری کو اپنے حق میں خدا کی بڑی نعمت سمجھتے اور دوسرے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ جب یہ حضرات خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو ان حضرات کے ہاتھ چومتے بلکہ صرف زیارت کا شرف ہی حاصل کر لینے کیلئے لوگ ان حضرات پر ٹوٹے پڑتے تھے (کتاب ماتم الثقلین مطبوعہ حیدرآباد دکن صہ ۵۶) فرمائیے ایسا شرف آپ عبداللہ بن عباس یا عبداللہ بن عمر کے لئے بھی کسی عربی فارسی یا اردو کی کتاب میں دکھا سکتے ہیں؟ یہ تو عبداللہ بن عباس کا برتاؤ تھا جو حضرت رسول خدا صلعم کے چچازاد بھائی تھے، اب عبداللہ بن عمر کا حال بھی بہت مختصر طور پر ملاحظہ فرمایئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام حسینؑ حضرت عمر کی طرف سے گذرے دیکھا وہ منبر پر بیٹھے خطبہ بیان کر رہے ہیں تو امام حسین نے ان سے فرمایا میرے باپ کے منبر پر سے اتر آئیے اور اس منبر پر جاکر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے، یہ دیکھکر حضرت عمر نے امام حسین کو بھی اسی منبر پر بٹھالیا اور جب اس پر سے اترے تو امام حسین کو بھی اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لیتے گئے وہاں پہنچکر امام حسین سے پوچھنے لگے کیوں صاحبزادے! یہ بات آپ کو کس نے سکھائی تھی؟ حضرت نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں بلکہ میں نے اپنے دل سے کہی تھی۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ آپ پر خدا ہو جائے آپ کبھی کبھی میرے ہاں آیا کریں ان کی اس فرمائش پر امام حسینؑ ایکدن ان کے ہاں چلے گئے، مگر معلوم ہوا معویہ ان کے پاس ہیں اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں حضرت عمر کے بیٹے (یہی عبداللہ بن عمر) وہیں دروازے پر ہیں، وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے تو امام حسینؑ بھی پلٹ آئے اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر امام حسینؑ سے ملے اور کہا آپ میرے ہاں آئے نہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا میں گیا تو تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی آپ کے لڑکے (عبداللہ بن عمر) کے ساتھ واپس چلا آیا، یہ سن کر حضرت عمر کہنے لگے اے حسین! میرے لڑکے سے زیادہ آپ کا حق بنتا ہے کیونکہ ہم لوگوں

(کا تمام جسم تمام اعضاء و جوارح بلکہ ہم لوگوں) کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ کے طفیل ہی میں اور آپ ہی کے صدقہ سے پیدا ہوا ہے اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰ و تہذیب الکمال و کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۵ و ازالۃ الخفا جلد ا ص ۸۰ وغیرہ) حضرت عمر نے اپنے اس قول میں پورا اظہار کیا کہ (امام حسینؑ کا درجہ عبداللہ بن عمر سے ہزاروں نمبر اونچا ہے، بلکہ خود حضرت عمر کی خلقت، ان کی ہستی، ان کا وجود، ان کا گوشت پوست اور ہر نعمت خدا نے ان حضرات اہل بیت ہی کے طفیل میں عطا کی ہے، اسی کے قریب حضرت رسول خدا صلعم کے مشہور صحابی ابوہریرہ نے بھی کہا تھا۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے ابو المہزم بیان کرتے تھے کہ ایک جنازہ میں ابوہریرہ کے ساتھ میں بھی تھا جب میت کو دفن کر کے سب پلٹے تو امام حسینؑ چڑھائی کی وجہ سے تھک گئے تھے یہ دیکھکر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسینؑ کے دونوں پاؤں کی خاک اپنے کپڑے سے جھاڑنے لگے۔ اس پر امام حسینؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا اے حضرت! آپ مجھے ایسا ہی کرنے دیجئے کیونکہ خدا نے آپ حضرات کو جو فضائل و مراتب عطا فرمائے ہیں اور جو مجھے معلوم ہیں اگر وہ سب دوسروں کو بھی معلوم ہو جائیں تو آپکی قدموں کی خاک جھاڑنا تو کیا چیز ہے لوگ آپ کو پیدل چلنے ہی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لیجایا کریں (تاریخ طبری جلد ۱۳ ص ۱۹)

کیا محمد بن الحنفیہ نے یزید کی بیعت کی تھی

عباسی صاحب! آپ نے آگے چلکر لکھا ہے "جب حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہ بھی یزید کی بیعت کر کے اپنے بھائی کو خروج سے منع کریں" کیا ہم آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ کس نے آپ سے کہدیا حضرت محمد بن الحنفیہ نے یزید کی بیعت کی تھی؟ جبتک امام حسینؑ مدینہ میں موجود تھے حضرت محمد بن الحنفیہ کی بیعت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا، کیونکہ معویہ کے مرنے پر سب سے پہلے امام حسینؑ ہی سے بیعت کو کہا گیا اور حضرت فوراً بیعت سے انکار کر کے مکہ معظمہ کیطرف ہجرت فرما گئے کیا کسی کتاب سے بھی آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ جب تک امام حسینؑ مدینہ میں موجود تھے جناب محمد بن الحنفیہ نے یزید کی بیعت کی تھی؟ جناب علامہ وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی بہت بڑے وسیع النظر متبحر تاریخ و حدیث و تفسیر تھے۔ اُن کا قول ملاحظہ فرمائیے لکھا ہے "یزید پر ہرگز اہل حل و عقد کا یعنی رؤساء اور عمائد دین کا اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ معویہ نے بدعہدی کر کے فریب اور جبر سے یزید کی بیعت لوگوں سے کرالی تھی اور سب سے بڑے دین کے سردار اس وقت امام علیہ السلام ہی تھے آپنے اور بہت سے اعیان بنی ہاشم نے اس سے بیعت نہیں کی تھی" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ ص ۹۹) آپ واقف ہیں کہ اعیان بنی ہاشم میں بہت معزز محمد بن الحنفیہ ہی تھے انھوں نے بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔

کیا امام حسین نے خروج کیا؟

آپ نے لکھا ہے "محمد بن الحنفیہ اپنے بھائی (امام حسینؑ) کو خروج سے منع کریں" مہربانی فرما کر اس کتاب کا پتہ بھی بتائیں جس میں لکھا ہے کہ جناب محمد بن الحنفیہ نے امام حسینؑ کو خروج سے منع کیا۔ خروج تو امام حسینؑ نے کیا ہی نہیں۔ کوئی اس سے منع کیوں کرتا؟ ہاں یزید کی بیعت سے انکار کر کے حضرت نے مدینہ سے ہجرت ضرور فرمائی جس طرح حضرت کے جد بزرگوار حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تھی بالکل اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے بھی مدینہ سے ہجرت فرمائی حضرت رسول خدا صلعم

کو کفار مکہ کے خوف سے ہجرت کرنا پڑی اسی طرح حضرت امام حسینؑ کو یزیدیوں کے خوف سے ہجرت کرنی پڑی اور حضرت کو جس نے بھی منع کیا خروج سے نہیں کیا بلکہ اسی ہجرت سے منع کیا۔ مگر جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کفار مکہ کے مجبور کر دینے سے ہجرت سے باز نہیں رہے بالکل اسی طرح امام حسینؑ بھی یزیدیوں کے مجبور کر دینے کی وجہ سے باز نہیں رہے، اور حضرت کو رسول خدا صلعم نے بھی یہی حکم دیا۔ ہندوستان کے سب سے بڑے پیشوائے اہلسنت جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے " ترجمہ طبری میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا میں خواب دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ ایک جماعت کے ساتھ آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ دشمن تیرے مارنے کے درپے ہیں، یہ لوگ قیامت کے دن میری شفاعت سے محروم رہیں گے اور نزدیک ہے کہ تو شہادت کے درجہ کو پہونچے اور بہشت تیرے واسطے آراستہ ہوئی ہے اور ماں باپ تیرے منتظر ہیں یہ کہہ کر حضرت نے ایک ہاتھ امام حسینؑ کے سینے پر مارا اور فرمایا اللھم اعط الحسین صبرا و اجرا یار خدایا حسین کو صبر اور اجر دونوں عطا فرما (کتاب تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنؤ ص۵۲ مندرجہ شہادۃ عظمیٰ ص۲۶۵) بلکہ مدینہ ہی میں بھی حضرت نے رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا علامہ ابن اثیر جزری ایسے مشہور مورخ نے لکھا ہے " امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے بہت لوگوں نے انھیں منع کیا جن میں ان کے بھائی محمد بن الحنفیہ اور ابن عمرو ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ ص۲۷) اور علامہ دیار بکری نے بھی یہی لکھا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۳۲) یہ مضمون بہت سی کتابوں میں ہے چنانچہ تاریخ طبری و تاریخ کامل میں اس طرح ہے امام حسینؑ نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا خواہ اس میں میرا کتنا ہی نقصان ہو۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا میں نے ابتک یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور نہ آئندہ بیان کروں گا یہانتک کہ اپنے پروردگار کی خدمت میں پہنچ جاؤں (طبری جلد ۶ ص۲۱۹ و تاریخ کامل جلد ۴ ص۱۷) آخری جملہ سے الفاظ تیں ربی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے خواب میں یہی فرمایا کہ اے حسین! دین اسلام مٹ رہا ہے اور وہ بغیر تمہارے شہید ہوئے نہیں بچ سکتا۔ تم یزید کی بیعت ہرگز نہ کرنا ورنہ ہماری سب ریاضت مٹی میں مل جائے گی بلکہ عراق ضرور جاؤ اور لوگ تمھیں قتل کریں تو اس کو قبول کر کے دین اسلام کو بچالو اور اپنے پروردگار کی خدمت میں پہنچ جاؤ

یزید کی خوبیاں عباسی صاحب! آپ نے تحریر فرمایا ہے جب وہ یزید کی شراب نوشی کا جھوٹا پروپگنڈا کرنے اس کے پاس آئے تھے ڈانٹ بتائیں، اور کہیں کہ میں یزید کے پاس گیا ہوں اس کے پاس مقیم رہا ہوں ... اسکے علم و فضل کا اعتراف کریں" ممکن ہے جو باتیں آپ نے لکھی ہیں وہ کسی کتاب میں مرقوم ہوں مگر واضح رہے کہ آپکے علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رسائل میں اور اپنی مشہور کتاب منہاج السنہ میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ یزید کو نبی بھی مانتے ہیں، آپ نے علامہ ابن تیمیہ کی کتابوں کو اگر نہ دیکھا ہو تو اب دیکھکر فیصلہ کریں کہ یزید کو نبی بھی مانا جائے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ آپ

ابن کثیر میں دیکھکر یزید کو صرف نیک کاموں میں سرگرم تو مان لیں اور رسائل ابن تیمیہ صفحہ ۳۰۳ و کتاب منہاج السنۃ
جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کا حال پڑھ کر اس کو نبی نہ مانیں؟ اگر وہ نیک تھا تو نبی بھی ہو سکتا ہے اسیطرح
آپ سے پہلے دہلی کے ایک مشہور شخص مرزا حیرت نے امام حسینؑ کی شہادت ہی سے انکار کر دیا تھا جس طرح آپ نے
اسکو نماز کی پابندی کرنیوالا نیک کاموں میں سرگرم لکھا ہے اسی طرح مرزا حیرت صاحب نے بھی اسکی مدح کے پل باندھ
دیے تھے جس کا جواب آپ ہی کے بے حساب علماء نے لکھے اور شایع کئے انھیں جواب دینے والوں میں علماء اہل سنت کے مشہور بزرگ
جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب ساکن پھلواری ضلع پٹنہ بھی تھے جنھوں نے ایک مفصل کتاب "شہادت حسین" لکھکر امرتسر میں
چھپوائی تھی۔ اس میں لکھا ہے مرزا (حیرت) صاحب اس کے بعد یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں فرماتے ہیں "انھیں در حقیقت
نہیں معلوم کہ یزید کی معاشرت کیا تھی، اسکے اصلی حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے" واقعی مرزا صاحب سچ فرماتے ہیں
ہم سنیوں کو یزید کے اصلی حالات سے مثل تہجد گزاری و پرہیزگاری خداترسی، عبادت، صلاح، تقویٰ، درد دلی،
بزرگی اور عرفان وغیرہ کے تو جناب مرزا صاحب ہی خوب واقف ہوں گے۔ ہم لوگ تو اس کے انھیں حالات و عادات سے
واقف ہیں جو تمام کتب معتبرہ تواریخ و سیرۃ وغیرہ میں موجود ہیں۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ انکی معاشرت ایسی پاکیزہ تھی
اور ان کے عادات شریفہ ایسے اچھے تھے کہ حج وغیرہ کے لئے اپنے پدر بزرگوار کے وقت میں جب مکہ و مدینہ آئے تو
وہاں بھی شراب و کباب سے باز نہ آئے چنانچہ تاریخ کامل جلد ۴ میں ہے ... خلاصہ یہ ہے کہ یزید نے اپنے والد کے
وقت میں حج کیا تو جب مدینہ پہونچے تو شراب و کباب کا دور چلا جناب ابن عباسؓ اور ... ملاقات کو آئے، اندر
آنے کی اجازت چاہی، یاروں نے کہا اگر ابن عباسؓ آئے اور ان کو اس کی بو محسوس ہوئی تو پہچان جائیں گے
چنانچہ ابن عباسؓ ٹال دیے گئے اور ... بلائے گئے جب آپ کی ناک میں شراب کی بو خوشبوئی کے ساتھ آئی تو
یزید سے فرمانے لگے کیا اچھی بو ہے۔ بھئی یہ کیا ہے؟ یزید بولا ایک مفرح شربت ہے جو شام میں بنتا ہے پھر اس نے
ایک قدح مانگا اور پی گیا پھر دوسرا جام طلب کیا اور ... کے آگے بڑھایا "پیو" ... نے فرمایا
مجھے معاف کرو، میں کسی سے نہیں کہوں گا ... تب یزید نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ دوست
میں نے تمھیں دعوت دی تم نے رد کر دی، میں نے تمھیں عیش و طرب کی طرف بلایا لیکن تم نے قبول
نہ کیا الخ۔ پس ہم سنیوں کو جہاں تک معلوم ہے اور جہاں تک تواریخ و سیرو دیگر کتب سے
پتہ ملتا ہے وہ مردود انتہا درجہ کا منہمک فی المعاصی تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس
عبد اللہ بن عمر، ابو عبد اللہ حسین سبط رسول وغیرہم کبار اہل حل و عقد رضی اللہ عنہم نے قطع نظر اسکے خلافت کا مستحق
نہ ہونے کے اسے خلافت کے لائق نہ جانا اور اسکی بیعت نہ کی اور یہی سبب ہوا کہ اہل مدینہ نے خلع بیعت اور اس پر خروج
کیا جیسا کہ صواعق محرقہ و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں موجود ہے ... خلاصہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کے خلع بیعت و خروج
کا یہی سبب ہوا کہ یزید نے معاصی اور منکرات کا حد سے زیادہ ارتکاب شروع کیا اور واقدی نے
بطرق متعددہ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن حنظلہ بن غسیل نے کہا بخدا ہم لوگوں نے ایسی حالت میں اور

(اس) وقت یزید پر خروج کیا جب کہ ہم کو خوف ہو گیا تھا کہ ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں۔ غضب ہے کہ انسان (یزید) امہات
الاولاد (اپنی سوتیلی ماؤں) و البنات (اپنی بیٹیوں) و الاخوات (اپنی بہنوں) سے نکاح (زنا) کرے اور شراب پیے اور نماز
چھوڑ دے (یعنی ان حرکات کا یزید مرتکب تھا اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب یزید اہل مدینہ کے ساتھ اس بری طرح پیش آیا اور اس
کے علاوہ کہ شراب تو پیتا تھا ہی اور بھی ہزاروں منکرات کا ارتکاب کرنے لگا تو عام طور سے لوگوں میں سخت برہمی پھیلی اور بہتیروں
نے اس پر خروج کیا۔ یہ ہے یزید کے حالات کا مشتے نمونہ از خروارے جس کے ذہبی جیسے محقق و معتمد گواہ ہیں اور تاریخی روایات شاہد
ہیں۔ اب مجھے اس سے بحث نہیں کہ آپ (میرزا صاحب) یزید کو کیسا سمجھتے ہیں۔ اگر واقعی یہ تاریخ و سیر غلط اور ذہبی و واقدی و
ابن حجر و سیوطی و دمیری و ابن کثیر و ابن خلکان اور دیگر تمام محققین و علمائے اہل سنت وغیرہ یزید پر بہتان کرتے ہیں جو اسے
ایسا بتاتے ہیں بلکہ اس کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اور یزید درحقیقت بہت ہی پارسا اور برگزیدہ اللہ خدا رسیدہ و متقی و بزرگ
تھا تو بہت بہتر ہے خدا آپکا..... اور ہم لوگوں کا حشر سبط رسول سید شباب اہل الجنۃ حسین ابن علیؑ کے ساتھ ہو آمین

جس کا جی چاہے ہو یزید کے ساتھ   میں ہوں اور دامن جناب حسین

علامہ دمیری حیوۃ الحیوان جلد ثانی صفحہ ۱۹۶ میں فرماتے ہیں "علامہ کیا ہراسی سے پوچھا گیا کہ یزید صحابی تھا یا
نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ صحابی نہ تھا اور اس پر لعنت بھیجنے میں .... میرا ایک ہی قول ہے یعنی اس پر لعنت بھیجنا اور یہ
قول میرا کیوں نہ ہو وہ چیتے کا شکار کرتا اور اس سے کھیلتا تھا اور وہ جوا کھیلتا تھا اور وہ ام الخمر تھا" اور لعن یزید کی بحث حضرت مولانا عبدالحی
رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی موجود ہے جناب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پاس داران یزید کی خوب خبر لی ہے اور
صاف لکھا ہے کہ از روئے تحقیق و انصاف کفر و ملعونیت سے بھی اس خبیث مردود کا درجہ بڑھا چڑھا ہے اور
ہرگز ہرگز اس یزید پلید کو مغفرت و ترحم سے یاد نہ کرنا چاہیے۔ دیکھو مجموعہ فتاوے جلد سوم ص۳ فرماتے ہیں"

"بعضے در شان وے براہ افراط و موالات رفتہ می گویند کہ وے بعد از آں کہ بہ اتفاق مسلمانان امیر
شد اطاعتش بر امام حسین واجب شد۔ و نہ دانستند کہ وے باوجود امام حسین امیر شود؟ اتفاق مسلمانان
کے شد؟ جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند و برخے کہ حلقۂ اطاعت او بہ گردن
انداختند۔ چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوۃ و زنا و استحلال محارم معاینہ کردند بمدینہ منورہ
باز آمدند و خلع بیعت کردند۔ و بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسین گناہ کبیرہ است نہ کفر و لعنت مخصوص
از کفار است۔ و نازم بہ فطانت ایشاں نہ دانستند کہ کفر یک طرف خود ایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ
دارد قال اللہ تعالی ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا
والآخرۃ ..... آں بے سعادت آں چہ دریں امت کردہ ہیچ کس نہ کردہ باشد.....

یزید کے لعنت کی بحث بالتفصیل روح المعانی جلد ششم و صواعق محرقہ و وسیلۃ النجاۃ و اتحاف بحب الاشراف و شرح عقائد
نسفی وغیرہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ (شہادۃ حسین ص۵۳) مورخ ابن کثیر شامی نے لکھا ہے۔ یزید اول درجہ کا بدمعاش تھا
اور شراب پیتا تھا۔ اس کے باپ معاویہ نے اس کی خوشامد کی کہ بیٹا خوب شراب پیو مگر سب کے سامنے نہ پیا کرو۔

(البدایہ والنہایۃ جلد ۸ ص۲۳۳) ایک اور مورخ نے لکھا ہے "معویہ کے مرنے پر اس کا بیٹا یزید بادشاہ ہوا جو دن رات کھیل کود۔ سیر و شکار۔ شراب و کباب۔ زنا اور عیاشی میں ڈوبا رہتا تھا (تاریخ فخری ص۸۳) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے یزید عیاشی و فسق و فجور۔ کتوں بندروں کی بازی، اور دوسرے شیطانی حرکات میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کے زمانے میں مکہ و مدینہ میں بھی ناچ گانے کا رواج ہو گیا تھا۔ لوگ کھلم کھلا شراب پینے لگے تھے۔ یزید کو علماء و پیشوایانِ دین سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے پاس ایک بندر تھا جس کو علماء و محدثین کا لباس پہنا کر گدھے پر پھرا تا تھا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر ج۲) علامہ ابوالفدا نے لکھا ہے " یزید اول نمبر کا شراب خوار تھا بلکہ شراب خواری میں ڈوبا رہتا تھا۔ طبلہ و سارنگی و آلات عیاشی میں پڑا رہتا تھا" (تاریخ ابو الفدا جلد ا ص۱۸۶) مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب یزید اور اس کے مصاحبوں کا ظلم و ستم عام ہو گیا اس کا فسق و فجور شایع ہو گیا۔ اس کی فرعون پرستی اچھی طرح کھل گئی بلکہ فرعون تو یزید سے کہیں بہتر اور انصاف در تھا تو مدینہ والوں نے اس کے حاکم کو نکال دیا (مروج الذہب جلد ۶ ص۱۴۷ وغیرہ)۔

یزید کا کافر ہونا جناب عباسی صاحب! ہم کہاں تک آپ کی سمع خراشی کریں مگر مجبوراً لکھنا پڑتا ہے کہ علمائے اہل سنت سے ہزاروں بزرگ یزید کو سرے سے مسلمان ہی نہیں جانتے بلکہ صاف صاف کافر لکھتے ہیں کچھ عبارتیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور ملاحظہ فرمائیے۔ جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے " اکثر اکابر محدثین و بزرگانِ دین مثل امام احمد بن حنبل و علامہ ابن جوزی و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی و سید آلوسی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور سرے سے اسے مسلمان ہی نہیں جانتے..." پس جب ثابت ہو گیا کہ یزید بے شک قاتلِ اہل بیت اور دشمن آل نبی ہے تو یہی بڑی دلیل اس کے کفر کی ہے۔ اہل بیت اطہار کی اہانت و بے حرمتی، اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ۔ لخت دل مصطفےٰ۔ جگر گوشہ مرتضیٰ۔ راحتِ جانِ زہرا۔ محبوب خالق ارض و سما (بقول جد علیہ الصلوۃ والسلام اللھم انی احبہ فاحببہ) شاہ کونین۔ سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ وسلامہ علی جدہ وابیہ و امہ واخیہ و علیہ و علی محبیہ ومتبعیہ اجمعین الی یوم الدین کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے۔ حسین رسول خدا کے لاڈلے نواسے تھے اُن کے ذرا سے رونے سے آں حضرت کو روحی تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جا سکتا ہے کہ حسین مظلوم کے اس بے کسی و مصیبت میں ایسی بے رحمی سے قتل کیے جانے سے روح رسول کو کیسی کچھ اذیت پہونچی ہو گی۔ جس کا ایک شمہ ابن عباس رض و ام سلمہ کا خواب ہے پس حسین کی ایذا دہی و بے حرمتی و اہانت اور اُن کے اہل بیت پر ظلم عین رسول خدا پر ظلم و جفا اور آپ کی اہانت و ایذا دہی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ رسول خدا کی دشمنی و ایذا رسانی و اہانت بہت ہی بڑا کفر و بے دینی نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک اسی لیے اکثر محققین کہتے ہیں کہ انہ کفر حین امر بقتل الحسین رض یعنی یزید بے شک اسی وقت کافر ہو گیا جب اس نے امام حسین ع کے قتل کا حکم کیا (شرح عقائد ص۱۱۷) اور علامہ تفتازانی بھی یہی کہتے ہیں کہ فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ " یعنی ہم اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں ذرا توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے بے دین و بے ایمان ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کرتے (شرح عقائد ص۱۱۷) صاحبو! رسول خدا نے فرمایا تھا کہ مسلمانو! میں دو بڑی چیزیں تم میں

چھوڑے جاتا ہوں، میرے بعد تم انھیں کے ساتھ تمسک کرنا۔ اگر تم ان کا خیال رکھو گے، قدر کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک رہو گے تو گمراہی و ضلالت سے بچو گے۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ کلام اللہ و عترتی۔ قرآن پاک اور میری عترت و اولاد اطہار گویا آپ نے تمسک و عظمت کے لیے قرآن و اہلبیت کو برابر کیا تھا۔ تو اگر قرآن کی کوئی توہین کرے۔ اُسے پامال کرے۔ اُس کے اوراق کو بے حرمتی سے اس کی تذلیل کے لیے منتشر کرے اور خوب جان بوجھ کر اعلانیہ اس کی اہانت کرے یا ان امور پر وہ راضی و خوش ہو تو وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ اور کیا کلام اللہ کی اہانت کفر نہیں ہے؟ ضرور ہے بس اسی طرح سمجھو کہ اہلبیت اطہار قرآن ناطق، شانِ نزولِ آیتِ تطہیر کی اہانت بھی بلا ریب کفر ہے۔ اور جس نے اہلبیت اطہار اور خصوصًا سیدنا امام حسینؑ کی بے حرمتی کی، ان کی نعش کو پامال کیا، ان کو حد سے زیادہ ستایا اور جو ان کی بے حرمتی و قتل سے خوش و راضی یا اس میں شریک ہوا یا اسے گوارا کیا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے بلکہ فی الدرك الاسفل من النار۔ اب ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ یزید اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا ناجائز؟ جب ایمان ہی ندارد ہے تو پھر لعنت کیوں ناجائز ہوگی؟ بزرگان دین و علماء متورعین و اسلاف نے یزید پر اور یزیدیوں پر لعنت بھیجی اور اسکو مطابق حکم خدا و رسول فرمایا اور قرآن و حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۵۲ میں زیر تفسیر آیہ فهل عسيتم ان تفسدوا الاية ہے و تفسیر روح المعانی للسید الآلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے لعن یزید پر استدلال کیا گیا ہے، برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاعت میں اور ابن حجر ہیثمی مکی رح نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے پوچھا یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں تو امام احمد نے فرمایا جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہو اس پر کیونکر لعنت نہ کی جائے گی۔ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے قرآن مجید میں یزید کی لعنت نہیں پائی۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فهل عسيتم الاية یعنی کیا اگر تم پیٹھ پھیر دو گے تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے (معاصی اور کفر سے) اور قطع رحمی کرو گے؟ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور کون سا فساد اور قطع رحم اس سے بڑھ کر ہے کہ جو کچھ کہ یزید نے کیا ہے۔ اور صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۵ چھاپا مصر میں ابن حجر فرماتے ہیں۔

"یعنی یزید کے فاسق ہونے پر اتفاق علماء ہونے کے بعد اختلاف اس پر بہ تخصیص لعنت کرنے میں ہوا تو ایک گروہ نے اس کو جائز بتایا۔ ان مجوزین میں سے ایک ابن جوزی ہیں۔ انھوں نے جواز لعن کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے جواز لعن یزید کے متعلق سوال کیا۔ میں نے کہا یزید پر لعنت کرنے کو علماء متورعین نے جائز رکھا ہے ان میں سے امام احمد بھی ہیں۔۔۔۔۔

تفسیر روح المعانی کے اسی صفحہ میں ہے:۔

۔۔۔۔ یعنی بنا بریں قول لعن یزید میں کوئی توقف نہیں بہ سبب اس کے کثرت اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کے۔ اور اس کی لعنت کے لیے کافی ہیں وہ مظالم جو اس نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں

اہل مکہ و اہل مدینہ پر کیے۔ کیونکہ رسول خدا نے فرمایا خدایا! جو اہل مدینہ پر ظلم اور ان کو خوف زدہ کرے اسکو خوف زدہ کر۔ اور اس پر خدا اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اللہ اس شخص سے نہ صرف اور نہ عدل (کوئی نیکی) قبول نہ ہوگی"

اور بڑی قیامت اُس نے یہ برپا کی کہ اہل بیت کے ساتھ سخت سے سخت ظلم وستم سے پیش آیا اور انھیں ایذا دی۔ اور سیدنا امام حسین کو قتل کیا جو بہ تواتر معنوی ثابت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان پر خدا نے لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے وہ یہ ہیں...... (۴) میری عترت و اولاد کی بے حرمتی کرنے والا اور (۵) خدا کے حرم کی بے حرمتی کرنے والا اور (۶) میری روش کو چھوڑ دینے والا۔ یہ دو حدیثیں یزید پر لعنت بھیجنے کی پوری موئد ہیں کیونکہ اہل مدینہ پر اس نے سخت ظلم کیا اور خوف زدہ کیا اور وہ متسلط با لجبروت بھی تھا۔ خدا کے معزز بندوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو معزز بنایا اور حرم بلکہ حرمین کی سخت بے حرمتی کی اور اہل بیت و عترت رسول کی بھی سخت سے سخت توہین و بے حرمتی کی۔ فعلیہ لعنۃ اللہ والنبیین والملائکۃ والناس اجمعین۔

یزید کے کفر کا یقین

صاحب تفسیر روح المعانی یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا یقین کیا اور اس پر لعنت بھیجنے کی تصریح فرمائی ہے مثل حافظ ابن جوزی رح، و قاضی ابو یعلی وغیرہم کے۔ اور علامہ تفتازانی رح کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اس کے کفر کے بارے میں بھی کچھ توقف نہیں کرتے۔ اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر خدا کی لعنت ہو......

سید آلوسی بغدادی نے اس کے بعد تاریخ ابن وردی و کتاب الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے کہ جب اسیران اہلبیت دمشق سے قریب ہوئے در مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے اور کوّے دیکھ کر ٹائیں ٹائیں کرنے لگے اس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جن کا آخری مصرع یہ ہے کہ ع "قد اقتضیت من الرسول دیونی" یعنی میں نے رسول سے اپنا بدلہ لیا (روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۲۶) "پھر ان اشعار کا ذکر کیا ہے جو اتحاف بحب الاشراف و دسیلۃ النجاۃ و مفتاح النجاۃ وغیرہ دیگر کتب میں بھی منقول ہیں کہ لیت اشیاخی ببدر الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا نے جنگ بدر میں میرے آباء کو قتل کیا تھا اس کے بدلہ میں ہم نے آج ان کی اولاد کو قتل کیا اور خوب ہی بدلہ لیا۔ کاش میرے وہ اشیاخ جو بدر میں قتل کیے گئے زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ہم نے کیسا بدلہ لیا اور اخیر میں دو شعر اور بھی ہیں جو اتحاف صفحہ ۵۴ وغیرہ میں منقول ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ محمد صاحب کے پاس نہ کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ فرشتہ آیا یہ سب بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھنگ نکالے تھے یہ پُر از کفر اشعار اگر اس کی زبان سے نکلے ہیں جیسا کہ علماء نے لکھا ہے تو بے شک اس کے کافر و مردود ہونے میں ذرا بھی کوئی ادنیٰ شبہہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ صاحب تفسیر روح المعانی و صاحب اتحاف بحب الاشراف و صاحب تاریخ بن وردی و صاحب کتاب الوافی بالوفیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے۔ اپنی تفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ میں علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان فرما کر فرماتے ہیں

کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان و مصدق رسالت نہ تھا جب کہ اس کے تمام افعال و حرکات پر نظر کرتے ہیں اور دیگر قرائن و دلائل سے واضح ہوتا ہے اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کافر نہیں ہوا تو اس میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا مسلم ہے جس نے بے شمار فواحش اور کبائر غیر محیطہ کو جمع کیا ہے۔ اور ایسا ہی علامہ ابن حجر صواعق میں فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صواعق ص۱۹۲ اس قول کی رو سے کہ وہ مسلم ہے مسلم فاسق، شریر، سکّیر، بدمعاش نشہ باز ظالم ہے، اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ کتنے بڑے بڑے علماء اسلاف و ائمہ نے یزید پر لعنت کی ہے اور غور فرمائیے سب سے پہلے (۱) حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہوئیں کیونکہ اوپر مسند امام احمد کی یہ صحیح حدیث مذکور ہو چکی کہ ام سلمہ رضؓ نے قاتلین امام حسین پر لعنت بھیجی ہے کہ قتلوہ قتلهم الله غروه وذلوه لعنهم الله (۲) ان کے بعد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور (۳) حضرت امام مالک رح بروایتے اور (۴) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح بروایتے اور (۵) علامہ کیاہراسی ثانی غزالی اور (۶) قاضی ابو یعلےٰ اور (۷) علامہ ابن جوزی اور (۸) علامہ سفارینی اور (۹) سید سمہودی اور (۱۰) علامہ سعد الدین تفتازانی اور (۱۱) علامہ جلال الدین سیوطی اور (۱۲) علامہ سید آلوسی وغیرہم من العلماء المحققین والمتورعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (کتاب شہادۃ حسین صفحہ ۱۶) اور علامہ وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی بھی کچھ عبارتیں اوپر نقل کی جا چکی ہیں جناب عباسی صاحب! آپ نے تو اتنے زمانے کے بعد یزید کی اتنی مدح و ثنا کر دی ہے مگر یزید کے چند ہی سال کے بعد اسی کے عزیز و قریب اور اسی خاندان بنو امیہ کے بادشاہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے اگر کوئی یزید کو امیر المومنین کہتا تھا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ نوفل کہتے ہیں میں عمر بن عبد العزیز کے دربار میں تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اور کہا کہ امیر المومنین یزید ابن معویہ نے کہا ہے تو خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ تو امیر المومنین یزید کہتا ہے؟ اور اسے یزید کو امیر المومنین کہنے کے جرم میں بیس۲۰ کوڑے مارنے کا حکم کیا اور اسے بیس کوڑے لگائے گئے (تاریخ الخلفاء ص۱۴۲) اور ایسا ہی صواعق محرقہ میں بھی ہے۔ ہمارے مہربان! آپ جانتے ہیں آپ کے مذہب میں لقب امیر المومنین ہر بادشاہ کو جو بنی امیہ سے ہوا یا بنی عباس سے دیا گیا بلکہ ٹرکی کے سلاطین کو بھی برابر خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہا گیا اگر یزید بھی اپنے وقت میں خلیفہ برحق تھا۔ اگر اس کی خلافت جائز تھی۔ اگر اس کی بادشاہت برحق تھی تو خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اس شخص کو ۲۰ کوڑے کیوں مارے؟ یزید کے بعد مروان اس کی جگہ بیٹھا۔ پھر عبد الملک بیٹھا۔ اس کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کرنے پر عمر بن عبد العزیز نے کسی شخص کو سزا نہیں دی مگر یزید کو ایسا کہنے پر کوڑے لگوائے کیا یہ اس امر کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ یزید امام حسین کے رہتے خلیفہ ہو ہی نہیں سکتا تھا؟ اس زمانہ میں حضرت ہی رسول صلعم کے جائز برحق اور صحیح خلیفہ تھے اس وجہ سے یزید پر واجب تھا کہ وہ خود مدینہ میں آتا۔ حضرت کی بیعت کرتا حضرت کو امام زمانہ مانتا۔ حضرت کو خلیفہ رسول تسلیم کرتا۔ اور حضرت کے احکام کی اطاعت کرتا۔ مگر چونکہ اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ امام حسین سے بغاوت کر کے خود خلافت کا دعوی کر بیٹھا اس وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کو امیر المومنین کہنے کی وجہ سے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ جناب عباسی صاحب! کیا بنی امیہ ہی کے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے

اس طرز عمل سے آپ اپنے خیالات کا جائزہ لیں گے؟ اور یزید کو وہی سمجھیں گے جو بنی امیہ کے معزز بادشاہ سمجھتے تھے؟

امام حسین کی مدد کرنے کے لیے حضرت رسول خدا صلعم کا تاکیدی حکم

جناب عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "تو تفرقہ پیدا کرنے کے لیے ان دو عہدیداروں کے لیے۔ کیوں کوئی ان کے ساتھ نکلتا"؟ آپ کے اس مزے دار سوال کا بہت تشفی بخش جواب ۱۳۷۲ سال قبل خود حضرت رسول صلعم ارشاد فرما چکے ہیں کیا آپ سنیں گے؟ آپ کے بڑے بڑے علماء کرام مثلاً جناب مولوی شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی و مولوی حسن الزماں خاں صاحب محدث حیدرآبادی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان ابنی هذا یعنی الحسین یقتل بارض من ارض العراق یقال لها کربلا فمن شهد ذلک منکم فلینصره۔ میرا یہ فرزند حسین زمین کربلا پر قتل کیا جائے گا تم لوگوں (صحابہ کی جماعت) سے جو لوگ اس وقت موجود رہیں ان کا فرض ہے کہ حسین کی مدد ضرور کریں، ان امتی هذا یقتل وانه اشتد غضب الله علی من یقتله۔ میری امت ان کو قتل کرے گی تو خدا کا غضب ان سب لوگوں پر بہت سخت ہوگا جو ان کے قتل میں شریک ہوں گے۔" عن عائشہؓ یزید لا بارک الله فی یزید الطعان اللعان اما انه نعی الی حبیبی و سخیلی حسین اتیت بتربته ورأیت قاتله اما انه یقتل بین ظهرانی قوم فلا ینصروه الا عمهم الله بعقاب۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا یزید۔ اللہ یزید کو اپنی سب برکتوں سے محروم رکھے جو طعان لعان ہوگا۔ مجھے خبر دی گئی ہے کہ وہ میرے حسین سے بغاوت کرے گا (ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے خبر مرگ دی گئی ہے) اور مجھے ان کی شہادت گاہ کی مٹی بھی دی گئی۔ سب لوگ سن رکھو کہ جن لوگوں کے جانتے بوجھتے وہ قتل ہوں گے وہ لوگ اگر ان کی مدد نہیں کریں گے تو ان سب پر خدا کا عذاب نازل ہوتا رہیگا (ماثبت بالسنۃ مطبوعہ لاہور ص ۱۱، ۱۲ و ماتم الثقلین مطبوعہ حیدرآباد ص ۲۳ وغیرہ) حضرت رسول خدا صلعم زندہ نہیں تھے ورنہ حضرت اپنی جان و مال سے مدد کرتے لیکن بہشت میں یہ سن کر خوب روئے اور نوحہ ماتم فرمایا عن سلمی قالت دخلت علی ام سلمة وهی تبکی قلت ما یبکیک؟ قالت رأیت الآن رسول الله فی المنام وعلی راسه ولحیته التراب وهو یبکی قلت ما لک یا رسول الله قال شهدت قتل الحسین انفا۔ ایک معزز بی بی سلمی بیان کرتی تھیں کہ میں حضرت رسول خدا کی معزز و محترم بی بی حضرت ام سلمہ کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ روتی تھیں۔ میں نے پوچھا آپ روتی کیوں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا میں نے ابھی حضرت رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے سر اور ڈاڑھی پر مٹی ڈالے ہوئے روتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا حضرت کیا بات ہے؟ یہ آپ کس وجہ سے ایسے مصیبت زدہ ہو رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا حسینؑ قتل کر دیئے گئے میں ابھی وہیں گیا تھا (مذکورہ بالا دونوں باتیں) حضرت ام سلمہ وغیرہا کا خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو روتا دیکھنا۔ آپ کی بے حساب کتابوں میں موجود ہے۔ فرمائیے اگر امام حسین علیہ السلام انکار بیعت یزید کی وجہ سے غلطی پر ہوتے۔ اگر حضرت مظلوم نہیں ہوتے۔ اگر حضرت حق پر نہیں ہوتے۔ اگر حضرت کی شہادت بے کار ہوتی تو حضرت رسول خدا صلعم اس پر روتے کیوں؟ اپنی حالت تباہ کیوں کرتے جس طرح آں حضرت صلعم اپنے چچا جناب حمزہ کو یقیناً برحق جانتے تھے اور اس وجہ سے حضرت کی شہادۃ پر بہت روئے

اسی طرح بلکہ اُس سے ہزاروں درجہ زیادہ امام حسین ع کو بھی برحق جانتے۔ آپ کو مظلوم سمجھتے اور قاتلوں کو ظالم یقین کرتے تھے اس وجہ سے آپ پر بھی خوب روئے۔ عباسی صاحب! آپ کے خیال میں امام حسین ع نے تو یزید کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے غلطی کی۔ اب یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ جناب حمزہ نے حضرت رسول ص کے ساتھ غزوہ احد میں جانے اور شہید ہونے سے غلطی کی تھی یا نہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ حضرت حمزہ نے بھی غلطی کی تھی تو ہم کو آپ سے کچھ کہنا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ ان کو حق پر اور ان کے قتل ہونے کو اسلام کے لیے ضروری بتائیں گے تو ہم کو پوچھنے کا حق ہوتا ہے کہ دونوں میں فرق کرنے کی کیا وجہ؟ حضرت حمزہ بھی اسلام کی مدد کے لیے نکلے اور شہید ہوئے اسی طرح حضرت امام حسین ع بھی اسلام کی حفاظت۔ دین حق کی صیانت۔ ایمان کی بقا کے لیے نکلے اور شہید ہوئے تو کیوں آپ اِس کو غلطی اور اس کو صواب کہیں گے؟ بلکہ غزوہ احد میں جس قدر مسلمان کافروں سے لڑنے نکلے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان سب کے بارے میں بھی اپنی رائے ظاہر فرمادیں کہ وہ لوگ حق پر تھے یا باطل پر۔ اگر حق پر تھے تو کس سبب سے؟ اور کیا وہ سبب امام حسین میں موجود نہیں تھا؟

آپ پوچھتے ہیں "تفرقہ پیدا کرنے کے لیے کیوں کوئی ان کے ساتھ نکلتا" کیا ہم کو آپ بتا سکتے ہیں کہ حضرت رسول صلعم بھی عرب میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے نکلے تھا یا نہیں۔ ظاہر ہے حضرت نے کتنا بڑا تفرقہ پیدا کردیا۔ کُل عرب اس وقت ایک ہی دین۔ ایک ہی مذہب۔ ایک ہی ملت کفر پر تھے۔ سب کے سب اطمینان سے بُت پرستی کرتے تھے۔ اطمینان سے شراب خواری، غارت گری۔ ڈاکازنی میں مشغول تھے تھے۔ حضرت رسول بیٹھے بٹھائے کیوں ان لوگوں میں تفرقہ پیدا کرنے کو کھڑے ہوگئے۔ باپ کو بیٹے سے۔ بھائی کو بھائی سے۔ شوہر کو زوجہ سے چھڑانے کا سامان مہیا فرمادیا؟ اتنا بڑا تفرقہ کسی نے بھی ملک عرب یا عربی قوم یا عربی بولنے والوں کی دنیا میں پیدا کیا؟ پھر تفرقہ پیدا کرنے کے لیے حضرت صلعم کے ساتھ کیوں شہدائے بدر و شہدائے احد وغیرہ نکلے تھے؟

امام حسین نے وہی کیا جو حضرت رسول ص نے کیا تھا

عباسی صاحب! آپ نے فرمایا ہے "مؤلف کے ہم وطن اساتذہ تاریخ اسلامی کا یہ قول اس کی تردید کے لیے کافی ہے" وعلی الجملة فان الحسين اخطأ اخطاءً عظيما فی خروجه هذا الذی جر علی الامة وبال الفرقة والاختلاف وزعزع عماد الفتها الی یومنا هذا۔ وقد اکثر الناس من الکتابة فی هذه الحادثة۔ لا یریدون بذلک الا ان تشتعل النیران فی القلوب۔ القصہ حسین نے بڑی شدید غلطی اپنے خروج میں کی۔ اس سے اُمت پر تفرقہ و اختلاف کا وبال پڑا اور اُلفت و محبت کے ستون کو آج کے دن تک جھٹکا لگا۔ اکثر لکھنے والے اس حادثے کے بارے میں سوا اس کے کہ آگ مشتعل کریں اور کچھ نہیں کرتے"

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ کیا بالکل اسی طرح مؤلف کے ہم وطن اساتذہ تاریخ اسلامی کا یہ قول بھی نہیں ہے "علی الجملة فان محمداً (نعوذ باللہ) اخطأ خطاءً عظيما فی دعواہ (النبوة) التی جرت علی الامة العربية وبال الفرقة والاختلاف وزعزعت عماد الفتها الی یومنا هذا۔ وقد اکثر الناس من الکتابة فی هذه الحادثة لا یریدون بذلک الا ان تشتعل النیران فی القلوب۔ القصہ

(حضرت) محمد (مصطفےٰ صلعم) نے بڑی شدید غلطی اپنے دعوائے نبوت میں کی۔ اس سے امت (مسیحی) پر تفرقہ و اختلاف کا وبال پڑا اور (عربی۔ ملکی و قومی) الفت و محبت کے ستون کو آج کے دن تک جھٹکا لگا۔ اکثر لکھنے والے اس حادثے کے بارے میں آگ مشتعل کریں اور کچھ نہیں کرتے۔

فرمائیے حضرت رسول خدا صلعم نے بھی ملک عرب میں بہت بڑے تفرقہ و اختلاف کا وبال ڈالا یا نہیں؟ جس سے ملک عرب کے ستون کو آج کے دن تک جھٹکا لگا۔ اور اکثر لکھنے والے اس حادثہ کے بارے میں آگ ہی مشتعل کرتے ہیں یا اور بھی کچھ کرتے ہیں؟ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھے۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی۔ قریش کی عنان حکومت ان ہی رؤساء کے ہاتھ میں تھی اور یہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ آں حضرت ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کرتے تھے دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی غفلت۔ عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر۔ ریاست کا زعم ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ باخبر نہ ہوتے۔ لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کی حاجت روائی کے حامی تھے اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا۔ ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا توقع یہی تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خوں ریزیاں شروع ہو جاتیں (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۹۶) غرض امام حسین نے وہی کیا جو حضرت رسول خدا صلعم ۶۰ سال پہلے مکہ معظمہ میں کر چکے تھے اور اسی طرح اسلام کو باقی اور زندہ کر گئے جس طرح حضرت رسول اسلام کو قائم کر گئے تھے۔ صرف حضرت رسول خدا صلعم ہی نہیں بلکہ امام حسینؑ نے وہی کیا جو دوسرے انبیاء و مرسلین بھی کر کے صراطِ مستقیم کی راہیں دکھا گئے تھے۔ حضرت نوحؑ ۹۵۰ سال تک اسی تفرقہ کا وبال دنیا والوں پر ڈالتے رہے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانے سے بنی آدم کی الفت و محبت کے ستونوں کو اسی طرح جھٹکا لگاتے رہے۔ حضرت ابراہیم بھی اسی طرح تفرقہ کا وبال اپنے زمانہ کے لوگوں پر ڈالتے اور الفت و محبت کے ستونوں کو جھٹکے لگاتے رہے جس پر ان کے ہم وطن نے ان سے کہا کیا تم ہمارے بتوں سے نفرت کرتے ہو؟ اگر تم اس سے باز نہیں آئے تو ہم تمھیں ضرور سنگسار کریں گے اس وقت کے بادشاہ نمرود نے حضرت کو گرفتار کر بلایا۔ اس کے بعد سب نے رائے دی کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ نمرود نے منجنیق میں رکھ کر آپ کو آگ کے بہت بڑے ڈھیر میں پھنکوا دیا۔ آپ چار روز تک اسی آگ میں پڑے رہے پھر اس آگ سے باہر نکل آئے۔ نمرود نے آپ کا اثر بڑھتا دیکھ کر آپ کو اور آپ کی بیوی اور شیعوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ آپ مصر چلے گئے۔ حضرت لوطؑ بھی اسی تفرقہ کا وبال اپنے زمانہ والوں پر ڈالتے رہے۔ خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر روم والوں کی طرف بھیجا جو کفر اور رنجش کے

خوگر ہوگئے تھے۔ ان کی قوم لڑکوں سے لواطہ کرنے کی عادی ہوگئی تھی۔ حضرت لوط ان کو بہت سمجھاتے اور اس خلاف فطرت فعل سے منع کرتے رہے مگر انھوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔ حضرت لوط کی زوجہ بھی ان کافروں کی طرف دار تھیں۔ حضرت موسیٰ بھی اپنے زمانہ میں اس تفرقہ کا وبال ڈالتے رہے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانے سے ان کی اُلفت و محبّت کے ستونوں کو اسی طرح جھٹکے لگاتے رہے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا بھی اپنے زمانہ میں تفرقہ کا یہی وبال ڈالتے رہے۔ اس وقت کا بادشاہ ہیرودس تھا۔ وہ اپنی بھتیجی یا بھانجی یا سوتیلی بیٹی پر عاشق ہوگیا اور اس سے شادی کرنا چاہی مگر حضرت یحییٰ نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ یہ فعل حرام اور خلاف حکم خدا ہے۔ بات بڑھی آخر بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کرا دیا مگر حضرت یحییٰ اُلفت و محبت کے ان ستونوں کو جھٹکے لگانے سے باز نہیں آئے۔ حضرت عیسیٰ بھی بنی اسرائیل پر تفرقہ کا وبال ڈالتے اور اُلفت و محبت کے ستونوں کو جھٹکے لگاتے رہے۔ ۳۰ سال کی عمر میں لوگوں کو سچے مذہب کی طرف آپ نے بھی بلانا شروع کیا مگر یہودی آپ کے دشمن ہوگئے مختصر یہ کہ حضرت آدم سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تک سب اسی غرض سے دنیا میں بھیجے گئے کہ گمراہ لوگوں میں تفرقہ کا وبال ڈالتے رہیں اور بداخلاقی، بے حیائی، بدچلنی، شیطنت و فرعونیت کی دنیا میں الفت و محبت کے ستونوں کو جھٹکے لگاتے رہیں کیونکہ خدا نے ان حضرت کو یہی حکم دیا تھا۔ صاف صاف فرمایا ہے وجاھد وافی سبیلہ لعلکم تفلحون۔ "اس کی راہ میں ضرور جہاد کرتے رہو تاکہ تم لوگ کامیاب ہو جاؤ" (پارہ ۶ رکوع ۱۰) یاایھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما و یستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا۔ انفروا خفافا و ثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ "ایمان دارو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم لدھڑ ہوکے زمین کی طرف گرے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بہ نسبت دنیا کی چند روزہ زندگی کو پسند کرتے ہو تو تم سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے عیش و آرام کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر اب بھی تم نہ نکلو گے تو خدا تم پر دردناک عذاب نازل فرمائے گا اور خدا کچھ مجبور تو ہے نہیں تمھارے بدلے کسی دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ تم ہلکے پھلکے (ننھے) ہو یا بھاری بھرکم (رُکھ) بہرحال جب تم کو حکم دیا جائے گا فوراً چل کھڑے ہو اور اپنی جانوں سے اور اپنے مالوں سے خدا کی راہ میں ضرور جہاد کرو اگر تم کچھ جانتے ہو تو سمجھ لو کہ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے" (پارہ ۱۰ ع ۱۲) وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم الایۃ "اور جو حق جہاد کرنے کا ہے خدا کی راہ میں پورا جہاد کرتے رہو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور مذہبی باتوں میں تم پر کسی طرح کا کوئی حرج نہیں رکھا۔ تمھارے باپ ابراہیم کے مذہب کو تمھارا مذہب بنا دیا ہے" (پارہ ۱۷ رکوع ۱۷)

حسینی شہادت کے بارے میں کتابوں کا لکھنا عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "یہ بھی اسی قسم

کی تالیف ہے جو اس قابل نہ تھی کہ اس کا ترجمہ اردو میں کرایا جاتا"

مگر اس کو کیا کیجیے گا کہ اس قسم کی تالیفیں آپ ہی کے علماء و پیشوایانِ دین بے حساب کرکے اور اپنا ہزاروں روپیہ صرف کرکے چھپوا اور دنیا میں شایع کرچکے ہیں۔ زمانہ حال میں جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے کتاب شہادۃ حسین لکھی چھپوائی اور شایع کردی۔ حیدرآباد دکن کے جناب مولوی حسن الزماں خاں صاحب نے عربی زبان میں ایک سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل کتاب "ماتم الثقلین فی شہادۃ الموالی علی الحسین" لکھی چھپوائی اور شایع کی۔ اگر شیعوں کے پاس مال ہوتا تو اس کتاب کا ترجمہ بھی شایع کرنا بڑا فرض تھا۔ ان دونوں نہایت قیمتی کتابوں کے پہلے بھی علماء اہلسنت نے خود ہندستان کے اندر بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے" اور اس مبحث میں امام المتکلمین مولانا حیدر علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بصارۃ العین اور ازالۃ الغین نہایت عمدہ کتاب ہے جس میں پر زور دلائل سے شہادت امام علیہ السلام ثابت کی گئی ہے اور یزید کا اہل سنت کے نزدیک کفر و فسق و لعن محقق مسئلہ بتایا گیا ہے یہ تھے ہمارے اہلسنت کے اگلے مناظرین جو تولّائے اہلبیت میں سرشار تھے اور ایک آج کل جناب۔۔۔۔ مناظر ہیں جو تمام اہل سنت ہی کو گمراہ تصور کرتے ہیں اور اہل بیت اطہار ہی کو باغی خیال فرماتے ہیں۔ افسوس" (شہادۃ حسین ع ۱۱) ہندستان بھر کے کل علماء و پیشوایانِ اہلسنت سے افضل و اعلم جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے (جن کی مذہب شیعہ کیخلاف بڑی کتاب تحفہ اثنا عشریہ بہت مقبول و مشہور و معروف ہے) بھی اسی موضوع پر ایک عظیم الشان کتاب لکھ کر شایع کی تھی جس کا نام ہے "سرّ الشہادتین" جس کے بارے میں جناب مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے دعویٰ کیا ہے کہ "واقعہ شہادت حسینؑ کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب سرّ الشہادتین ہے جس کو کہ جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے رسالہ کئی مرتبہ چھپ گیا ہے اور جناب مولوی خرم علی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ تحریر الشہادتین بھی چھپوا دیا ہے۔ اس کتاب سرّ الشہادتین کے ترجمہ کی صرف فہرست مضامین ہم یہاں نقل کردیتے ہیں (۱) امام حسینؑ کی شہادت کا بیان (۲) امام حسن و امام حسین کا فرزندانِ رسول ہونا (۳) امام حسن و حسین کا نام رکھا جانا (۴) امام حسن و حسین کا پرتو جمال محمدیؐ ہونا (۵) امام حسن و حسین کا سردار جوانانِ بہشت ہونا (۶) حسن و حسینؑ کی عداوت خدا و رسول کی عداوت ہے (۷) امام حسن و حسین کا مشابہ رسول ہونا۔ (۸) امام حسن کے ذاتی فضائل (۹) امام حسن کی شہادت (۱۰) امام حسین کے شہادت کی تفصیل (۱۱) کوفہ والوں کا حضرت کو بلانا (۱۲) جناب مسلم کا کوفہ جانا

ع۱ اب بھی اگر مومنین ہمت کریں اور صرف ایک ہزار حضرات تین تین روپیہ دفتر اصلاح میں بھیج دیں تو اس نہایت مفید اور ضروری اور قابل قدر کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں دو تین ماہ کے اندر چھپکر شایع ہوسکتا ہے پوری کتاب کا ترجمہ کم از کم تین سو صفحہ میں چھپ سکے گا۔ اور دس دس روپیہ میں ایک ایک صفحہ شایع ہوسکتا ہے۔ پاکستان کے مومنین اس کتاب کی پیشگی قیمت تین روپیہ جناب سید محمد حسین صاحب بی اے نمبر ۲۸ جی آر ڈبلو لائنس روڈ کراچی کے پاس بھیجے جائیں مگر اس کتاب کے بہت جلد چھپ جانے کی آسان صورت یہ ہے کہ صرف ۳۳۳ مومنین تین تین کتابوں کی پیشگی قیمت نو نو روپیہ کھوا لائے کراچی روانہ کریں اگر ہم ان کو بھیجیں گے فوراً تین تین کاپیاں روانہ کردیں ۱۲۔

(۱۳) ابن زیاد کا حاکم کوفہ ہونا (۱۴) کوفیوں نے حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا (۱۵) حضرت مسلم کی شہادت (۱۶) کوفہ کی طرف امام حسین کی روانگی (۱۷) امام حسینؑ نے اپنے اعزہ واحباب کی یہ رائے کہ عراق نہ جائیے کیوں نہیں مانی؟ (۱۸) امام حسین کا لشکر (۱۹) لشکر حر نے گھیر لیا (۲۰) امام حسین کا کربلا میں اُترنا (۲۱) عمر بن سعد کا سردار لشکر ہو کر کربلا آنا (۲۲) دشمنوں کی فوج ۲۲ ہزار (۲۳) حضرت پر پانی بند کر دیا گیا (۲۴) بروز عاشور لڑائی شروع ہو گئی (۲۵) حر کا لشکر امام میں آجانا (۲۶) امام کی شہادت (۲۷) کس نے حضرت کا سر مبارک جُدا کیا (۲۸) اہلبیت کو قید کر لیا (۲۹) لاشوں کو روند ڈالا (۳۰) واقعۂ شہادت کے بعد کیا ہوا (۳۱) بے پردہ اونٹوں پر سوار کرکے کوفہ کو اہلبیت روانہ کیے گئے۔ (۳۲) شہدائے کربلا کی لاشیں بے دفن پڑی رہیں (۳۳) شہدائے کربلا (۳۴) حضرت کا سر مبارک (۳۵) واقعہ کربلا کے متعلق حضرت رسولؐ کی پیشین گوئیاں (۳۶) کربلا کی سُرخ مٹی (۳۷) شمر کے متعلق حضرت رسولؐ کی پیشین گوئی (۳۸) قاتلانِ امام حسینؑ کا ملعون ہونا (۳۹) صحابہ سے حضرت رسول کی وصیت کہ تم لوگ حسینؑ کی مدد ضرور کرنا (۴۰) جناب امیر کی پیشین گوئی کہ امام حسین یہاں شہید ہوں گے (۴۱) امام حسینؑ پر آسمان و زمین کا رونا (۴۲) امام حسین کے بدلے خدا ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کر ڈالے گا (۴۳) امام حسینؑ کے سوگ میں حضرت رسول خدا صلعم کا تباہ حال ہو جانا (۴۴) امام حسین کے سوگ میں آسمان و زمین کی حالت زار (۴۵) آسمان سے خون برسنا (۴۶) زمین پر خون بہنا (۴۷) تین دن دنیا اندھیری رہی (۴۸) ورس کا راکھ ہو جانا (۴۹) آسمان کا امام حسین پر رونا (۵۰) آسمان کے شفق کی سُرخی (۵۱) عاشورا کو سورج گہن (۵۲) دو قاتلوں کی سزا (۵۳) امام حسین پر جنّات کا نوحہ و ماتم (۵۴) امام حسین کے سر کا کہنا کہ میرا قتل اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب ہے (۵۵) غیب سے لوہے کے قلم کا ایک شعر لکھ دینا (۵۶) سب درہم ٹھیکریاں ہو گئے (۵۷) متعلقہ سر الشہداء دتین (۵۸) مدینہ کی تاراجی اور ویرانی (۵۹) خانہ کعبہ کو سنگ سار کرنا (۶۰) کوفہ میں مختار کی حکومت (۶۱) عمر ابن سعد کی گرفتاری اور قتل (۶۲) شمر کا قتل (۶۳) خولی کی سزا (۶۴) ابراہیم بن مالک اشتر اور ابن زیاد کی جنگ (۶۵) ابن زیاد کا قتل (۶۶) ابن زیاد کے نتھنوں میں سانپ کا گھسنا اور نکلنا (۶۷) قاتلان امام حسین کے سر اور لاشے (۶۸) مصعب کا قتل (۶۹) کوفہ کے دار الامارہ کی نحوست (۷۰) حجاج کا خانہ کعبہ میں ابن زبیر کو قتل کرنا (۷۱) خاتمۃ الطبع

عمر الاطرف کے قول سے استدلال

ہمارے معزز دوست۔ آپنے تحریر فرمایا ہے "حضرت حسینؑ کے عزیزوں اور معاصرین نے ان کے اس خروج کو جس نظر سے دیکھا تھا ان کا اندازہ ان کے ایک اور بھائی عمر الاطرف کے اس قول سے ہوتا ہے الخ" مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ عمر الاطرف حضرت کے کیسے بھائی تھے۔ حقیقی یا سوتیلے یا چچا زاد یا ماموں زاد، عمر الاطراف کے قول کو تو آپ نے دیکھا مگر حضرت کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؑ وغیرہ کے عمل پر آپ کی نظر کیوں نہیں پڑی؟ اگر عمر الاطراف ایک تھے تو جناب ام البنین کے چار صاحب زادے تھے۔ چاروں کربلا گئے جہاد کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ عمر الاطرف کی بات تو آپ نے دیکھی مگر ایک معظمہ کا عمل بھی تو ملاحظہ کریں جو بیوہ ہو چکی ہیں۔ وہ اپنے چاروں بیٹوں کو حکم دیتی ہیں کہ تم سب کے سب امام حسین کے ساتھ جاؤ۔ میری پروا نہ کرو

میرا خیال نہ کرو۔ امام حسین کی حالت ایسی قابلِ رحم تھی۔ آپ کی مصیبت اتنی سخت تھی۔ آپ کی مظلومی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ آپ کی سوتیلی ماں نے آپ کی نصرت میں اپنے لاڈلوں کا بھیج دینا ضروری سمجھا۔ آپ کی مدد اس قدر واجب اور اہم تھی کہ اس بوڑھی ماں نے اپنے جذبات کا کوئی خیال نہیں کیا۔ اپنی آئندہ زندگی کی کوئی فکر نہیں کی۔ اپنے تاریک مستقبل کو خوشی سے گوارا کیا اور بیٹوں کو ایک دو نہیں بلکہ چار کڑیل اور بہادر جوانوں کو حکم دے دیا کہ امام حسینؑ کے ساتھ جاؤ۔ حضرت کے ساتھ رہو۔ حضرت کے پسینہ پر اپنا خون بہاؤ۔ حضرت کے قدموں پر اپنی جانیں نثار کر دو۔ آپ یہ تو ضرور مانیں گے کہ چاروں بیٹے (حضرت عباس علمدار اور اُن کے حقیقی تین بھائی) بغیر ماں سے اجازت لیے ہوئے نہیں گئے ہوں گے۔ بغیر بوڑھی ماں سے رخصت ہوئے نہیں روانہ ہوئے ہوں گے۔ پھر کیا اس صنفِ نازک کی مقدس فرد نے اپنی مادری محبّت کا کچھ لحاظ کیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا اسکی وجہ اسکے سوائے کوئی بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے بھی امام حسین کی حمایت کو سب کاموں سے زیادہ ضروری جانا۔ ذرا مہربانی کر کے عمر الاطرف کی والدہ کا نام آپ بتائیں کہ ان کے حالات پر تبصرہ کیا جائے مگر ام البنین کے چاروں فرزندوں کا یہ کارنامہ سونے کے حرفوں سے لکھا ہوا چمک رہا ہے کہ ۹ محرم کی شام کو شمر نے چاروں وفاداروں کو پکار کر کہا کہ تم لوگوں کی ماں ام البنین میری رشتہ دار ہیں۔ تم لوگ میرے امان میں چلے جاؤ میں تم لوگوں کو پناہ دیتا ہوں۔ جانتے ہیں آپ کہ ان چاروں وفاداروں نے کیا جواب دیا۔ اے شمر تجھ پر بھی خدا کی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت۔ ہم کو امان دیتا ہے اور ہمارے آقا و مولا امام حسین کے ذبح پر آمادہ ہے۔

عباسی صاحب! آپ نے عمر اطرف کو کچھ نہیں بتایا کہ کس کے بیٹے کس کے پوتے۔ کس کے نواسے کس کے پرپوتے اور کس کے پرنواسے تھے لیکن آپ نے ان کا واقعہ صرف یہ لکھا کہ وہ امام حسین کے ساتھ مکہ معظمہ نہیں گئے اور تو انھوں نے کچھ بھی نہیں کیا؟ نہ جنگ کی نہ مقابلہ کیا۔ نہ خون بہانا چاہا۔ اس کے مقابلہ میں دو حقیقی بھائیوں کا برتاؤ ملاحظہ فرمائیے۔ معمولی بھائی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کے نواسوں اور حضرت عائشہ کے حقیقی بھانجوں کا واقعہ یعنی عبداللہ بن زبیر اور عمر بن زبیر کا۔ عبداللہ بن زبیر تو یزید کے بیعت سے انکار کر کے مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے اور ان کے حقیقی بھائی عمر بن زبیر مدینہ میں رہ گئے۔ بھائی کی تنہائی کی ذرہ برابر پروا نہیں کی۔ یزید نے مدینہ کے حاکم ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو حاکم مدینہ مقرر کیا تو عمرو بن زبیر یزید کی طرف سے مدینہ کے کوتوال ہو گئے۔ اب بھی ان کو موقع تھا کہ اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی مختلف طریقوں سے مدد کرتے۔ مخفی طور پر ان کے موافق کوشش کرتے۔ پوشیدہ حال لکھ کر ان کو اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیتے مگر انھوں نے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ یزید کے ملازم ہو کر مدینہ کے اندر اپنے بھائی کے ہی خواہوں کو کوڑوں سے پٹوایا۔ حاکم مدینہ نے ان سے مشورہ کیا کہ تمہارے حقیقی بھائی عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لیے مدینہ سے لشکر کس کو بھیجا جائے؟ تو بجائے اس کے کہ وہ ان کو جنگ سے بچاتے اپنے کو پیش کر دیا کہ اپنے بھائی سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے کے لیے میں ہی جاؤں گا۔ غرض یہی فوج لے کر عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے مکہ گئے وہاں پہنچ کر بھائی کے پاس پیغام بھیجا

کہ آؤ میں تمہیں قید کر کے یزید کے پاس بھیج دوں۔ عبداللہ بن زبیر نے بھی مکہ سے ایک فوج بھیجی کہ وہ جا کر عمرو بن زبیر کو قتل کر دے۔ اس فوج نے عمرو بن زبیر کو شکست دی تو بڑے بھائی عبداللہ بن زبیر نے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی عمرو بن زبیر کو گرفتار کر کے اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گئے اور عبداللہ بن زبیر یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۰) غرض کسی بھائی کے ساتھ دینے یا ساتھ چھوڑنے سے حق و باطل کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ ہارون رشید کے دو بیٹے امین و مامون کا واقعہ بھی یاد کیجیے کہ امین نے مامون کو قتل کرنا چاہا تو دونوں بھائیوں میں مقابلہ ہوا۔ امین ہار گیا اور مامون کی فوج نے اس کو قتل کر کے مامون کی سلطنت مستحکم کر دی۔

کیا امام زین العابدینؑ یزید کے طرف دار رہے؟

عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "واقعہ کربلا کے بعد حضرت حسینؑ کے صاحب زادے علی ابن الحسین معروف بہ زین العابدین ہمیشہ یزید کے طرفدار رہے۔" ہم کو آپ کی تحقیقات پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ آپ جو کچھ تحریر فرماتے ہیں اس کا کوئی نشان اس عنوان سے تو کسی کتاب میں ہم کو نہیں ملتا۔ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت زین العابدین یزید کے طرفدار رہے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت موجود نہیں تھے۔ کسی کتاب ہی میں دیکھا ہو گا براہ کرم مطلع فرمائیں وہ کون کتابیں ہیں۔ ہم کو تو معلوم ہوتا ہے حضرت کو ہمیشہ یزید کی طرف سے اذیت پہنچتی رہتی اور حضرت اس کے شر سے بچنے کے لیے ہمیشہ خدا سے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت کی دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ کاملہ مشہور ہے۔ اس کی دعاؤں کو پڑھ جائیے کہ حضرت کبھی اپنے مخالفوں کے شر و فساد سے بچنے کی دعائیں پڑھتے رہے کبھی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کے مظالم سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے رہے کبھی اپنے دشمنوں کے حملوں سے حفاظت کی درخواست کرتے رہے۔ یزید کی زندگی تک حضرت کا دشمن اس کے سوا اور کون تھا؟ حضرت پر ظلم کرنے والا یزید کے سوا کون ہو سکتا تھا؟ غرض جتنی دعائیں دفع ہموم و کشف آلام وغیرہ کی ہیں سب کا اشارہ یزید ہی کی طرف ہے۔ حضرت کے بس میں اور تھا ہی کیا؟ خدا سے نمازوں میں اور ہمیشہ تنہائی میں دعا فرماتے رہتے تھے کہ یزید ایسے ظالم، خوں خوار، دشمن خدا و رسول، مخالف اہلبیت اور سفاک مومنین کے شر و فساد سے بچاتا رہے۔ اگر حضرت آپ کے یزید کے طرفدار ہوتے تو اطمینان سے دوسرے کام کرتے رہتے۔ ہر وقت خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت رہتی؟ صحیفہ کاملہ چھپی ہوئی بڑے بڑے شہروں میں ملتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ پڑھ کر فرمائیے حضرت کن دشمنوں، ظالموں، مخالفوں، خوں خواروں اور سفاکوں سے بچتے رہنے کی اتنی دعائیں پڑھتے رہتے تھے؟ یزید جلد مر گیا۔ زیادہ دنوں زندہ رہتا تو ممکن ہے صحیفہ کاملہ کی دعائیں بھی بہت زیادہ ہو جاتیں اور آج ہم لوگوں کو اس سے زیادہ قیمتی ذخیرہ ادعیہ داد رسی کا مل جاتا۔

ہم فرض بھی کر لیں کہ حضرت امام حسینؑ کے کوئی بھائی عمر اطرف حضرت کے ساتھ نہیں گئے تو جو جملہ آپ نے ان کے متعلق لکھا ہے وہی جملہ اگر کوئی شخص حضرت رسولؐ کے متعلق بھی لکھے کہ حضرت رسول کے عزیزوں اور معاصرین نے ان کے اس دعوے نبوت و اعلان رسالت کو جس نظر سے دیکھا تھا اس کا اندازہ ان کے اکیلے چچا

ابولہب کے طرز عمل سے بھی ہوتا ہے جو اپنی زندگی بھر حضرت کو معاذ اللہ جھوٹا۔ اور کاہن سمجھتا رہا اور ہمیشہ حضرت کی مخالفت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں اس نے فرمایا "تبت یدا ابی لہب۔ تو آپ کیا جواب دیں گے۔ ابولہب ایسا سخت دشمن رسول تھا کہ جب آیۂ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا اور حضرت رسول نے اپنے قرابت داروں کو سمجھانے کے واسطے بلایا تو ابولہب نے جھنجھلا کر پتھر ہاتھ میں اٹھایا اور کوسنے لگا کہ تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور تمہارا ناس ہو جائے تم نے اسی واسطے ہم کو بلایا ہے؟ آپ کے عالم جلیل شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "قریشیوں میں ابی لہب بھی تھا یہ شخص پیغمبر صاحب کا رشتہ کا چچا تھا لیکن دین اسلام کی وجہ سے پیغمبر صاحب کی جان کا لاگو ہو گیا تھا۔ اس نے بارہا پیغمبر صاحب کے مارنے بلکہ شہید کرنے کا فیصلہ کیا" (حمائل مترجم صفحہ ۹۵۹) اسی طرح دو حقیقی بھائیوں ہابیل و قابیل کو بھی یاد کر لیجے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا اسی طرح حضرت یوسف کے بھائیوں کا خیال بھی کر لیجے۔ ابراہیم کے چچا آزر کو بھی نہ بھولیے کیا ان تمام مواقع میں آپ بھی فرمائیں گے کہ معاذ اللہ حضرت یوسف حضرت ابراہیم اور حضرت رسول بھی باطل پر اور قابیل۔ برادرانِ یوسف اور ابولہب حق پر تھے؟

مہربان! خوب یاد رکھیے جس طرح انبیا و مرسلین حق کو قائم کرنے۔ باطل کو فنا کرنے۔ انسان کو انسانیت کے اوصاف سے متصف کرنے۔ دنیا سے شر و فساد کے مٹانے۔ امن و امان کے قائم کرنے اور سب کو ترقی و عروج کی صحیح راہیں بتانے کیلیے آتے رہے ہیں اسی طرح خدا نے حضرت امام حسین کو بھی ہادی و رہبر جہ بلشوائے عالم مقرر کر دیا تھا اور یہ لوگ ہدایت ہی کو اپنی زندگی کی غرض و غایت سمجھتے تھے اس کی کبھی پروا نہیں کی کہ ان کے چچا کیا کہتے ہیں اور ان کے بھائی کیا رائے رکھتے ہیں۔ ۶۰ھ میں یزید نے کمر باندھ لی تھی کہ دین اسلام کو بالکل مٹا کر پھر شرک کو رائج کرے۔ مذہب حق کو فنا کر کے پھر کفر کو پھیلائے۔ توحید کو ختم کر کے پھر بت پرستی کی اشاعت کرے۔ انسانیت کو ذبح کر کے پھر شیطنت کو ترقی دے۔ اس وجہ سے امام حسین نے بھی اسلام کے بچانے کے لیے اپنے کو آمادہ کر دیا۔ جن لوگوں نے ساتھ نہیں دیا وہ شہادت کے اجر عظیم سے محروم رہے اور جنھوں نے ساتھ دیا آج تک اُن کی قبروں پر نور کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ لاکھوں مومنین ہر سال ان کی قبروں کی زیارت کو جاتے ہیں اور کروڑوں مومنین ان پر ہر روز سلام کرتے اور اعلان کرتے ہیں اَلسَّلَامُ علیکم یا اولیاء اللہ واحبائہ اور خدا فرماتا رہتا ہے ومن اراد الاخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا وھو مومن فاولئک کان سعیھم مشکورا۔ (پارہ ۱۵ ع ۲)

کیا حضرت عباس کی پوتی یزید کے پوتے سے بیاہی گئیں؟

آپنے لکھا ہے "عباس بن علی کی پوتی یزید کے پوتے سے بیاہی گئیں" آپ نے حوالہ صرف جمہرۃ الانساب کا دیا ہے ہم کو تو یہ واقعہ اس میں ملا ہی نہیں جب آپ نے جمہرۃ الانساب کا نام لکھا تو یہ کیوں نہیں لکھا کہ اس کی فلاں جلد فلاں صفحہ میں ہے۔ آپنے اس کے مصنف کا نام خود لکھ دیا ہے جو اندلس کا رہنے والا تھا   اندلس دیورپ کے ملک اسپین کا مشہور شہر تھا جہاں بنو امیہ کی حکومت کئی سال تک رہی جہاں کے ذرے ذرے میں بنو امیہ کے عقائد و خیالات بھرے

ہوئے تھے۔ وہی بنو اُمیہ جن کے سردار ابو سفیان نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی، وہی بنو امیہ جن کے سردار معاویہ نے جناب امیر کی شان میں منبروں پر گالیوں کی سُنّت جاری کی۔ وہی بنو اُمیّہ جن کے بادشاہ یزید نے امام حسینؑ کا خون بہایا۔ وہی بنو اُمیّہ جن کا ایک ایک فرد خاندان رسالت کی بوٹیاں تک چبا جانے کی فکر میں رہا۔ وہی بنو اُمیّہ جنھوں نے ہزاروں جھوٹی، بالکل غلط، محض اتہام وافترا و بہتان کی حدیثیں وضع کرا کے حضرت رسول کی طرف منسوب کر دیں۔ انھیں بنی اُمیّہ کی سلطنت کے رہنے والے ابن حزم کی بات اہلبیت کی ذلت واہانت کے بیان میں کسی صاحب عقل کے نزدیک قابل قبول ہو سکتی ہے؟ اگر آپ کہیں کہ ہاں تو پھر حضرت عائشہ کے بارے میں جن لوگوں نے مشہور کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اور صفوان بن معطل ان کو رات کے وقت اپنے اونٹ پر بٹھا کر لے گیا تو رسول صلعم کے صحابہ نے کیا کہا؟ یہاں تو صرف ایک ابن حزم کا نام آپ نے لیا لیکن حضرت عائشہ پر بہتان لگانے والے ایک نہیں بے حساب مسلمان تھے وہ بھی صحابہ کرام تھے۔ ان کی باتیں اس حد تک یقین کے قریب پہنچ گئی تھیں کہ حضرت رسول حضرت عائشہ سے کشیدہ رہنے لگے تھے ابن حزم نے تو بقول آپ کے یہ لکھا کہ حضرت عباس کی پوتی یزید کے پوتے سے بیاہی گئیں یہ نہیں لکھا کہ معاذ اللہ اس کے ساتھ پکڑی گئیں برخلاف اس کے حضرت عائشہ کو لوگوں نے صفوان بن معطل کے ساتھ متہم کر دیا۔ دونوں کا فرق آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔ غرض یہ بیان بالکل خلاف امکان محض محال ہے۔

کیا یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے؟

عباسی صاحب آپ نے لکھا ہے "یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے۔ اس پر ہم کو کہنے کی اجازت دیجیے کہ اتفاق سے باخدا کے کرنے سے آپ کے قلم سے بھی بالکل وہی بات نکل گئی جو یزید نے اپنی مشہور نظم میں لکھ دی تھی۔ وہ امام حسینؑ کے سر کو سامنے رکھے ہوئے دانتوں پر چھڑی سے مارتا اور یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شہدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحا
ثم قالوا یا یزید لا تشل
قد قتلنا القرن من ساداتھم
وعدلنا قتل بدر فاعتدل
لست من عتبة ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل
لعبت ہاشم بالملک فلا
ملک جاء ولا وحی نزل

کاش آج میرے وہ بزرگ (کفار) جو
جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو
خوش ہو کر کے سب مجھ کو داد دیتے کہ میں
نے رسول کے خاندان سے کیسا اچھا بدلہ لیا
میں نے ان کے چنے ہوئے بزرگوں کو
قتل کیا اور جنگ بدر کا عوض لیا تو عوض
خوب ہی پورا ہو گیا۔ اگر میں رسول خداؐ
کی اولاد سے اسی قدر انتقام نہ لیتا تو
عتبہ کے خاندان میں شمار ہونے کے لائق
ہی نہ رہتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے

(کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۹۹ مفتاح النجاۃ الاتحاف مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۔ کتاب شہادۃ حسین صفحہ ۵۹ و تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۱)

ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے۔ ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ محمد کے پاس کبھی کوئی فرشتہ نہ آیا اور نہ کبھی کوئی وحی نازل ہوئی۔

(یعنی نہ خدا ہے جو وحی بھیجے اور نہ فرشتہ کوئی چیز ہے جو وحی لائے اور نہ محمد نبی یا رسول تھے جن پر خدا کوئی مذہب بھیجتا) کیا آپ حضرت رسولؐ کے بارے میں بھی یہی کہنے کو تیار ہیں جو یزید نے کہا کہ "یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے"

اگر آپ اس کا بھی اعلان کر دیں تو پھر ہمارے آپکے درمیان سب باتیں ختم ہو جائیں اگر حضرت رسول صلعم نبی نہیں تھے تو پھر کوئی بھی نہیں کہے گا کہ امام حسین حضرت کے تیسرے خلیفہ تھے اگر حضرت پر کبھی وحی نازل نہیں ہوئی تو امام حسینؑ کو دین اسلام بچانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ تو یزید کے عقائد کا حال تھا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر امام حسین اس کی بیعت کر لیتے تو وہ سب مسلمانوں سے کہتا کہ اب تم لوگ اسلام چھوڑ دو۔ بت پرستی اختیار کر لو۔ کافر ہو جاؤ۔ ہمارے دادا ابو سفیان کا مذہب اختیار کر لو۔ اللہ و رسول کا نام لینا موقوف کر دو۔ مسجدوں کو ڈھا دو۔ اذان دینا بند کر دو۔ نمازیں ترک کر دو۔ شراب پیو۔ جوا کھیلو۔ اپنی سوتیلی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، پھوپھیوں اور خالاؤں سے منھ کالا کیا کرو۔ اگر یہ نہیں کرو گے تو تم سب کو اسی طرح ذبح کر ڈالوں گا جس طرح مدینہ والوں کو قتل کرا ڈالا۔ اس کے ایسے اعمال کا ذکر پہلے کئی مرتبہ ہو چکا ہے اب اس کی ایک اور شیطانی حرکت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یزید کی کوشش کہ حضرت رسولؐ کی بی بی حضرت عائشہ سے بھی اپنی شادی کرے

یزید ایسا بے شرم خلیفہ تھا جس نے رسولؐ کی معزز بوڑھی بی بی حضرت عائشہ تک سے جو اُس کی دادی ہی کی ہم عمر رہی ہوں گی اور جو اس سے کم از کم ۳۶ سال بڑی تھیں اپنی شادی کی پوری کوشش کی اور چاہا کہ ان کو بھی اپنے نکاح میں لائے اور اپنی بی بی بنا کر رکھے۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت عائشہ اس کے باپ معاویہ تک پر حرام ہو چکی تھیں اور اب تو اتنی بوڑھی ہو گئی تھیں کہ کسی کو بھی اُن سے شادی کی خواہش نہیں ہو سکتی، کیونکہ یزید جب بالغ (۱۵ سال کا) ہوا اُس وقت حضرت عائشہ ۵۱ سال کی ہو گئی تھیں۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ۱۵ سال کا لڑکا ۵۱ سال کی بوڑھی عورت پر کس وجہ سے فریفتہ ہو سکتا ہے اس کے سوائے کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ خدا اور رسول دونوں کا دشمن تھا۔ خدا نے قرآن مجید میں مسلمانوں پر ازواج رسول سے نکاح کرنے کو حرام کر دیا تھا۔ اس نے اس حکم کو بھی مٹا کر حضرت رسولؐ کی بوڑھی بی بی کو بھی نکاح میں لانے اور مسلمانوں پر تالیاں بجانے کا سامان کرنا چاہا۔ جس طرح اس نے حضرتؐ کے نواسے امام حسین کو قتل کر دیا۔ حضرت کے اہل بیت کو قیدی بنایا اور ان حضرات کو ہر طرح تباہ و برباد کر دیا۔ بالکل اسی طرح اس نے چاہا کہ حضرت رسولؐ کی بی بی حضرت عائشہ سے اپنی شادی رچا کر بھی حضرت رسولؐ کے نام کی ذلت

و رسوائی کرے۔ یزید سنہ ۲۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اُس نے شادی رچانے کی تمنا اپنے بالغ ہونے (یعنی سنہ ۴۲ھ) کے بعد ہی کی ہوگی۔ اگر آپ کو تعجب ہو تو ہم کتاب کی اصل عبارت ہی نقل کر دیتے ہیں۔ آپ کے بہت بڑے علامہ و پیشوا جناب مولوی شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:۔

در روضۃ الاحباب گفتہ است کہ گویند طلحہ بن عبداللہ گفت چوں پیغمبر از دنیا برود من عائشہ را نکاح کنم۔ پس نازل شد ایں آیہ لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ و در بعضے کتب گفتہ اند کہ یزید شقی طمع کرد در عائشہ صدیقہ پس خواندند برائے ایں آیہ و ممنوع شد از آں۔

(کتاب مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷۵ سطر ۲ تا ۴ مطبوعہ مطبع ناصری دہلی در سنہ ۱۲۸۱ھ)

کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ لوگ بیان کرتے ہیں حضرت طلحہ بن عبداللہ کہتے تھے جب دنیا سے رسول اللہ چلے جائیں گے تو میں عائشہ سے شادی کروں گا۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ رسول کے بعد انکی کسی زوجہ سے کبھی نکاح نہ کرنا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یزید شقی کو بھی حضرت عائشہ کا لالچ ہوا تھا کہ آپ سے اپنی شادی رچائے۔ اس وقت لوگوں نے یہی آیت پڑھی تو باز رہ گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ سے یزید کی شادی کرنے کا ارادہ مولوی شاہ عبدالحق صاحب محقق و محدث دہلوی نے کئی کتابوں میں دیکھا اور ان سب کو معتبر سمجھا اس وجہ سے اپنی نہایت مقبول اور معتبر کتاب میں بھی اس کو ذکر کیا۔ یہ واقعہ کہ یزید نے حضرت عائشہ سے اپنا نکاح کرنا چاہا کس زمانے کا ہے اس کا پتہ تو نہیں چلتا مگر تاریخ و سیر کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ جناب معظمہ کی وفات، ۱۷ ماہ رمضان سنہ ۵۸ھ کی رات کو ہوئی۔ اس وقت یزید کے والد (معاویہ) صاحب بھی زندہ تھے۔ ان کی زندگی ہی میں یزید نے حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا پھر باپ کے مرنے پر تو اس کو کسی کا بھی لحاظ نہیں رہا۔ سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب بتوں کی پھر تعمیر کی جائے۔ لات۔ ہبل۔ عزیٰ بنائے جائیں اور ان کی پرستش کیجائے مگر حضرت امام حسین ؑ نے اس کی بیعت سے انکار کر کے اس کی تمام تمنائیں مٹا دیں۔ کفر و شرک کی اشاعت کے سب سامانوں میں آگ لگادی اور اسلام کو صرف زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ خوب روشن کر دیا۔

رشتہ داریاں عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور آپس میں رشتہ داریاں بھی کرتے تھے" کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات تو آپ نے یزید کے دادا اور معاویہ کے پدر بزرگوار ابوسفیان ہی کی بیان کر دی جو زندگی بھر حضرت صلعم سے لڑتا بھی رہا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کی شادی بھی حضرت رسولؐ سے کر دی۔ جس طرح آپ نے لکھا ہے کہ "یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے۔ لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور آپس میں رشتہ داریاں کرتے تھے۔ ان واقعات کو اسلام اس کی تعلیمات اور حق و صداقت کے لیے قربانیاں دینے سے کوئی دور کا واسطہ اور تعلق بھی نہ تھا" بالکل اسی

بات کو اگر آج عیسائی، یہودی، مشرکین بھی حضرت رسولؐ کے بارے میں کہیں کہ یہ سب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے جھگڑے تھے۔ لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور آپس میں رشتہ داریاں بھی کرتے تھے۔ ان واقعات کو صراط مستقیم دین حق اور ہدایت اس کی تعلیمات اور حق و صداقت کے لیے جہاد کرنے سے کوئی دور کا واسطہ اور تعلق بھی نہ تھا" اور ثبوت میں رسول اللہ صلعم کی اس شادی کو قرار دیں کہ حضرت صلعم ابوسفیان سے لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور اس کی بیٹی ام حبیبہ سے شادی کر کے بیوی کا لطف بھی اٹھاتے تھے تو آپ کیا فرمائیں گے؟

عباسی صاحب! آپ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت رسول کیا عرب والوں سے لڑتے اور ایران والوں سے رشتہ داریاں کرتے؟ یا ایشیا والوں سے لڑتے اور یورپ والوں سے رشتہ داریاں کرتے؟ حضرت تو عرب ہی میں پیدا ہوئے اور انھیں لوگوں کو گمراہ دیکھ کر ان کی ہدایت کرنی چاہی۔ دونوں باتیں تو لازم و ملزوم تھیں۔ حضرت عمر ہی کے حالات سے فیصلہ کیجیے، مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ "حضرت عمر نے فیصلہ کیا کہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہؐ کی طرف چلے..... حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہؐ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادہ سے آیا ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے" (الفاروق صفحہ ۲۳) پھر لکھا ہے "اس مثال (شعبان ۳ھ میں) حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہؐ کے عقد میں آئیں" (الفاروق ص۲۵۲) حضرت کے قبل جس قدر انبیاء و مرسلین آئے وہ بھی اپنے قوم کی ہدایت کرتے تھے اپنے مخالفین سے لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور ان سے رشتہ داریاں بھی کرتے تھے۔ اسی اصول پر اگر امام حسینؑ کے بعد بنی امیہ اور بنی ہاشم میں رشتہ داریاں بھی ہوتیں تو انبیاء و مرسلین گزشتہ کی پیروی میں ہوتی مگر آپ کوئی واقعہ ایسا نہیں بتا سکتے جس سے ان دونوں خاندانوں میں (حضرت رسولؐ کی وفات کے بعد) رشتہ داریاں کرنا ثابت ہو سکے۔ ابن حزم آپ ہی کے مذہب کا مصنف اور خاص بنی امیہ کی سلطنت کا ایجنٹ تھا اگر اس نے لکھا بھی تو آپ اس کو سند میں نہیں پیش کر سکتے۔ اگر ابن حزم شیعہ ہوتا۔ اگر وہ بنی ہاشم سے ہوتا۔ اگر وہ مدینہ کا رہنے والا ہوتا تو آپ کی بات مانی بھی جا سکتی تھی۔ ابن حزم کا لکھ دینا ایسا ہی ہے جیسا ایک پادری کا رسولؐ کے خلاف لکھنا۔ آپ کے شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "ایک پادری صاحب مذہبی مناظرے کے پیرائے میں حد اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل میں لائے کہ اپنے رسالہ میں پیغمبر صاحب کی بی بیوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہور مسلمین کی بڑی دل آزاری ہوئی" (امہات الامۃ ص۲) یہ اسی بیسویں صدی کا واقعہ ہے جب انڈیا میں برٹش گورنمنٹ کے عہد میں حضرت رسولؐ کے مخالف ایک پادری نے ایسی دل آزار باتیں لکھ کر شائع کر دیں تو بنی امیہ کے خاص ملک اندلس

میں کئی سو برس پہلے جب بنو امیہ ہی کی حکومت تھی۔ ابن حزم خاندان بنی ہاشم کے خلاف جو غلط اجہٹ افترا و بہتان کے خیالی پلاؤ پکایا کرتا تھا اس کو کون روکتا اور اس سے کون صاحب عقل استدلال کر سکتا ہے؟
جس طرح عیسائی ہمیشہ اسلام کے خلاف جو چاہتے ہیں کہتے رہتے ہیں اسی طرح بنی امیہ بھی بنی ہاشم کے خلاف جو چاہتے تھے کہتے رہتے تھے۔ انھیں بنی امیہ کے ایجنٹوں میں آپ کے ابن حزم صاحب بھی ہیں۔ ان کی عبارت کا حوالہ دینا ویسا ہی ہے جیسا پادری صاحب کی کتاب امہات المومنین کا حوالہ دے کر حضرت رسول اور آل رسول کی شان میں بے ادبی کرنا بلکہ گالیاں دینا۔

شہادت حسین ؑ کے متعلق کتابیں عباسی صاحب! آپ نے لکھا ہے "غرض اس کتاب کی طباعت اور اشاعت تاریخ اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے"۔ مہربان! کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس کتاب کے قبل جو کتابیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومی اور شہادت کے متعلق آپ کے بے حساب علماء پیشوایان دین نے لکھیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ان سب کی طباعت اور اشاعت "تاریخ اسلام کے شاندار کارنامے ہیں یا نہیں۔ ہم سب کو تو بیان نہیں کر سکتے۔ صرف چند کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) زمانہ حال میں آپ کے بہت بڑے پیشوا جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب ساکن پھلواری ضلع پٹنہ کی تین کتابیں بڑی معرفت۔ بڑی تحقیق اور کمال درجہ ایمانی حقائق سے بھری ہوئی شایع ہوئیں (الف) رسالہ گریہ و بکا (ب) غم حسین (ج) شہادۃ حسین۔

(۲) جناب مولوی حیدر علی صاحب لکھنوی کی نہایت قابل قدر کتاب بصارۃ العین اور ازالۃ الغین جس میں ثابت کیا ہے کہ یزید کسی طرح بیعت کے قابل نہیں تھا۔ امام حسین ؑ نے اس کی بیعت سے انکار اور شہادۃ قبول کر کے اسلام کو دفن ہونے سے بچا لیا۔

(۳) جناب مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی کی کتاب مجموعہ فتاوی جس میں بھی مذکورہ بالا موضوع ہی کے بارے میں نہایت تحقیقی فتوے دے کر ثابت کیا ہے کہ یزید کافر تھا اس کی بیعت کسی کو جائز نہیں تھی۔

(۴) جناب نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی کتاب "حجج الکرامۃ" میں بھی یہی بحث ہے۔

(۵) جناب مولوی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ کی کتابیں (الف) فتاوی عزیزی (ب) تفسیر فتح العزیز اور (ج) "سر الشہادتین"۔

(۶) جناب مولوی حسن الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب ماتم الثقلین فی شہادۃ المولیٰ علی الحسین۔

(۷) جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب انوار اللغۃ وغیرہ۔

(۸) جناب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی جنھوں نے لکھا ہے "اور حسین ؓ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے (امہات الامۃ صفحہ ۵۷) اگر امام حسین حق پر اور یزید ظالم نہیں ہوتا تو موصوف امام مظلوم کو شہید

کسی قاعدے سے نہیں لکھتے۔ جو حق پر قتل کیا جاتا ہے اسی کو شہید کہتے ہیں۔ پھر لکھا ہے "علیؓ کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن فاطمہؓ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور فاطمہؓ کے خیال کے ساتھ یہ بات بھی خواہی نہ خواہی خیال میں آتی ہے کہ پیغمبر صاحب کے انتقال سے اُس وقت کے ہر ایک مسلمان کو کیا مرد، کیا عورت، کیا اپنے، کیا پرائے، کیا مہاجرین، کیا انصار سبھی کو قلق ہوا ہوگا۔ مگر قلق قلق میں فرق تھا۔ بڑا قلق فاطمہؓ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کڑھا ہی تھا کہ چھ مہینہ کے اندر ہی اندر گھل گھل کر مر گئیں، اور جتنے دن جئیں ہنسنا تو درکنار مسکرائیں تک نہیں۔ ہم کو جب فاطمۃ الزہراؓ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؓ کو خلافت مل جاتی تو غم زدہ فاطمہؓ کی کچھ تو دلجوئی ہو جاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علیؓ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچاتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑالوؤں، لٹیروں کو بادشاہ، بدمعاشوں کو بھلا مانس، بت پرستوں کو خدا پرست، نالائقوں کو لائق، وحشیوں کو مہذب، جانوروں کو انسان بنا گئے۔ ان کے ان تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی اُمت نے اُن کے نواسوں، نواسیوں، بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائے گا ؎

اترجوا امۃ قتلت حسینا   شفاعۃ جدہ یوم الحساب
فلا واللہ لیس لھم شفیع   وھم یوم القیامۃ فی العذاب

جس اُمت نے حسین کو قتل کیا کیا وہ اس بات کی اُمید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز ان کے نانا کی شفاعت اسے نصیب ہوگی؟ قسم خدا کی اُس روز ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہوں گے۔

پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ ان کی اُمت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا۔ بے جا ہوا" کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۹۴ "سنہ ۶۱ ہجری میں حسین بن علی موضع کربلا میں شہید ہوئے...... سلمی سے روایت ہے کہ میں ایک روز بی بی اُمّ سلمہ کے پاس گئی دیکھتی ہوں کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو لگیں کہنے میں نے ابھی جناب پیغمبر خداؐ کو خواب میں دیکھا اور اس وحشت ناک حالت میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلودہ ہو رہے ہیں۔ فرمایا ام سلمہ! میں ابھی ابھی مقتل حسین میں گیا تھا اور وہیں سے آ رہا ہوں۔ سلمی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سنا کہ قتل حسینؑ کی خبر مدینے کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہے (امہات الامۃ صفحہ ۱۳۱) پھر لکھا کہ "معاویہ نے پیغمبر صاحب کے خاندان یعنی اہلبیت

کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ نسلِ پیغمبر کو آخر کار برباد کر چھوڑا۔ آدمی تھے چلتے ہوئے، عمرؓ نے ان کو عراق اور شام کا حاکم کر دیا تھا۔ قتلِ عثمان کے بعد مدینے میں علیؓ کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ انھوں نے اس حیلے سے تخلف کیا کہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے اور ان کو گمان یہ تھا کہ علیؓ نے عثمان کو قتل کر دیا ہے۔ غرض علیؓ کی بیعت معاویہ اور ان کے علاقے والوں کے تخلّف کی وجہ سے ناکام رہی۔ علیؓ اور معاویہ کی نزاع کا انجام یہ ہوا کہ مقام صفین میں دونوں کے لشکر صف آرا ہوئے اور طرفین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور آخر کار ابوموسیٰ اشعری علی کی طرف سے اور عمرو بن العاص معاویہ کی طرف سے حکم قرار پائے کہ جس کو خلیفہ قرار دیں وہی خلیفہ ہو۔ عمرو بن العاص معاویہ کا وزیر تھا اور وہ بھی معاویہ کی طرح بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا

ع وزیرے چنیں شہریارے چناں

اس نے ابوموسیٰ کو دھوکا دے کر اپنے تئیں حکم مستقل بنایا اور علیؓ کو خلافت سے معزول کر دیا۔ علیؓ اور کوفیوں نے جو علیؓ کے مددگار تھے عمرو بن العاص کے فیصلے کو نہ مانا اور خلافت بدستور دو عملی میں رہی۔ کوفیوں کے خلیفہ علیؓ اور عراقیوں اور شامیوں کے معاویہ۔ یہاں تک کہ علیؓ عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ادھوری اور متنازع فیہ خلافت کے لیے کوفیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر حسنؓ نے خلافت کے دردسر کو اپنی اور عامہ مسلمین کی عافیت میں خلل انداز سمجھ کر یہ کانٹا بھی معاویہ کے سر مارا۔ پھر بھی معاویہ کو نسل اہلبیت کی طرف سے کھٹکا لگا رہا اور اس نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینی شروع کی۔ حسینؑ نے انکار کیا۔ دونوں میں لڑائی ٹھنی۔ اس لڑائی کا جو کچھ انجام ہوا آج تک مسلمان اس کو روتے پیٹتے ہیں اور اس کے سوائے وہ کر بھی کیا سکتے ہیں ؎

نہ ماند ستمگار بد روزگار ۔۔۔ بماند برو لعنتِ پائدار
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد ۔۔۔ بر گردن او بماند و بر ما بگذشت

(امہات الامۃ ص۱۳۱)

(۹) جناب شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی ممدوح نے اس واقعہ کے متعلق ایک بہت بڑی ضخیم کتاب موازنۂ انیس و دبیر لکھ کر اپنی محبت اہلبیت کا پورا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

(۱۰) جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب (موجودہ وزیر تعلیم حکومت ہند) نے اپنی مختلف کتابوں اور بے حساب مضامین میں بنی امیہ کی فرعونیت، و شیطنیت اور بنو ہاشم خاص کر امام حسینؑ کی مظلومیت و معصومیت کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔ انڈیا سے باہر کے علمائے اہل سنت تو ہزاروں ہیں ان کے نام لکھ کر شایع کیے جائیں۔ مضمون کو طول ہو گیا اس وجہ سے دو تین کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

کربلا میں حضرت رسولؐ و حضرت ابراہیمؑ کا نماز پڑھنا اور قیامت تک ۷۰ ہزار فرشتوں کا روتے پیٹتے رہنا	حضرات اہل سنت کے پیران پیر، غوث الاعظم جناب شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب

نے (جن کا مزار بغداد میں بہت مشہور و معروف ہے) اپنی کتاب میں لکھا ہے:۔

روی عن حمزة بن الزیات قال رایت النبی و ابراھیم الخلیل علیہ السلام فی المنام یصلیان علی قبر الحسین بن علی۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۴۶۸)

حمزہ بن زیات بیان کرتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا حضرت رسول خدا اور حضرت ابراہیم پیغمبر دونوں بزرگ امام حسینؑ کی قبر مبارک پر نماز پڑھتے ہیں۔

فرمائیے اگر امام حسینؑ نے اپنی شہادت قبول کر کے اسلام کو نہیں بچالیا تو خدا نے امام حسین کو یہ معراج کیوں عطا فرمادی کہ حضرت کی قبر پر حضرت رسولؐ اور حضرت ابراہیم نماز پڑھتے ہیں اور سنئیے

ھبط علی قبر الحسین بن علیؑ یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیمۃ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۴۶۸)

جس روز امام حسینؑ شہید کیے گئے اسی روز اس جگہ ستر ہزار فرشتے خدا کی طرف سے بھیجے گئے جن کا کام یہ قرار دیا گیا کہ حضرت کی قبر مبارک پر قیامت تک روتے رہیں

فرمائیے اگر خدا ہی نے امام حسینؑ کو شہید ہو کر اسلام کے زندہ رکھ لینے کا حکم نہیں دیا تو ستر ہزار فرشتوں کو کیوں مقرر کر دیا کہ قیامت تک حضرت کی قبر مبارک پر روتے رہیں؟

معاویہ اور یزید کے بارے میں ایک بڑے خلیفہ اہل سنت کا فرمان

خلیفہ معتضد باللہ نے جو ۲۷۹ھ ہجری سے ۲۸۹ھ ہجری تک خلیفہ رہا ۲۸۴ھ میں ایک عام فرمان لکھا جس میں تمام بنو امیہ کے عموماً اور معاویہ و یزید کے خصوصاً معائب و رذائل بھر دیے ہیں۔ صرف چند جملے ملاحظہ ہوں۔ "بنی امیہ شجرہ ملعونہ ہیں۔ یہ لوگ قرآن میں بھی ملعون کہے گئے اور حضرت رسول کی زبان پر بھی ملعون بنائے گئے۔ کیونکہ ان کا نفاق اور کفر پہلے ہی سے خدا کو معلوم تھا۔ جہاں تک ہو سکا ان لوگوں نے اسلام کو مٹانا چاہا!...... معاویہ کے بارے میں حضرت رسولؐ نے فرمایا یقیناً معاویہ آگ کے ایک تابوت میں ڈال کر جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں جھونک دیا جائے گا...... اس نے دین کو دنیا پر قربان کر دیا اور بندگان خدا کو یزید کی بیعت کی طرف بلایا۔ حالانکہ وہ یزید کی شراب خواری، فسق و فجور اور الحاد و کفر کے واقعات سے خوب واقف تھا جب اسلام کی بادشاہت یزید کو مل گئی تو وہ مسلمانوں سے مشرکین کا بدلہ لینے پر آمادہ ہو گیا اور ان کی دشمنی کا جو ارادہ اسکے دل میں تھا وہ سب پورا کرنے لگا اسی وجہ سے حرہ والوں پر ایسا شرمناک ظلم کیا جس کا مثل اسلام میں نہیں ہوا اس کے دل میں اسلام سے انتقام لینے کا جو جوش تھا اس کو پورا کر لیا تو اپنے کفر کا اعلان اور اپنے شرک کا اظہار ان اشعار میں کرنے لگا ؎

لیت اشیاخی ببدر شھدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

یعنی کاش میرے وہ بزرگ جو غزوۂ بدر میں مارے گئے الخ (ان اشعار کا ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے)

قد قتلنا القوم فی ساداتکم	وعدلناہ میل بدر فاعتدل
فاھلوا واستھلوا فرحا	ثم قالوا یا یزید لا تشل
لست من خندف ان لم انتقم	من بنی احمد ما کان فعل
لعبت ھاشم بالملک فلا	خبر جاء ولا وحی نزل

یہ اشعار خود کہہ رہے ہیں کہ یزید دین اسلام سے خارج بلکہ اس کا دشمن تھا اور یہ کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو نہ اللہ ہی کو مانتا تھا نہ اس کے دین کو نہ اُس کی کتاب کو نہ اس کے رسولؐ کو۔ نہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا اور نہ اُن چیزوں پر جو اُس کے ہاں سے نازل ہوئی تھی (اسی فرمان میں ہے) اور پھر سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم اس نے یہ کیا کہ حضرت رسولؐ کے فرزند امام حسینؑ کو شہید کر دیا حالانکہ حضرت رسولؐ نے اعلان کر دیا تھا کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ یہ سب اُس (یزید) نے اس وجہ سے کیا تھا کہ خود خدا ہی کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگیا اور اللہ ہی سے لڑنے کی جرأت اس میں پیدا ہوگئی تھی۔ اور اُس نے دین اسلام سے علیحدہ رہ کر کفر ہی کو اختیار کر رکھا تھا اور حضرت رسولؐ اور آپ کے خاندان کی حرمت زائل و برباد کر ڈالنے پر تُلا ہوا تھا۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ ان لوگوں (حضرات اہلبیت اور شہدائے کربلا) کے ساتھ لڑا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے کہ نہ تو ذرہ برابر وہ خدا کی سزا سے ڈرتا تھا اور نہ کچھ اللہ کی طرف سطوت و جبروت کی پروا کرتا تھا" خلیفہ معتضد باللہ کے اس فرمان کا ذکر کل معتبر مورخین اہل سنت نے کیا ہے جیسے علامہ ابن الوردی نے اپنی تاریخ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ میں، علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۶۰ میں۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ میں۔ علامہ ابوالفدا نے اپنی تاریخ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۵ میں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۵۴ میں اور علامہ طبری نے اپنی تاریخ مطبوعہ مصر وغیرہ میں۔

خود یزید کے بیٹے کا خطبہ عباسی صاحب! اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ خود یزید کے بیٹے معٰویہ کے خطبہ کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے۔ اس سے نہایت مفید تاریخی راز منکشف ہوتے ہیں۔ سنہ ۶۴ھ میں یزید مر گیا تو اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ بنایا گیا (واضح رہے کہ یزید کے باپ کا نام بھی معاویہ تھا اور اُس کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہی تھا) اس معاویہ نے جو یزید کا بیٹا تھا۔ ۴۰ روز اور بعض قول کے مطابق ۵ ماہ خلافت کی۔ اس کے بعد خود اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا اس طرح کہ "ایک روز منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کہا" لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (ظلم و بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو اس لیے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ بھی میری حکومت کے

سب سے گم راہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سُن لو کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لیے اس بزرگ (حضرت علیؓ) سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لیے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت علیؓ) اس خلافت کے لیے صرف معاویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے سب صحابہ سے بھی افضل تھے۔ اس سبب سے کہ حضرت علی کو حضرت رسول خدا صلعم سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔ حضرت کے فضائل بہت تھے۔ خدا کے ہاں حضرت کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرت تمام صحابۂ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے حضرت علی جناب رسالت مآب صلعم کے چچا زاد بھائی، حضرت کے داماد اور حضرت کے وہ دینی بھائی تھے جن سے حضرت نے کئی مرتبہ مواخاۃ فرمائی تھی۔ حضرت علی کا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرت صلعم نے آپ ہی کو اپنے پسند سے ان کا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہ کو اپنی پسند سے آپ کی بیوی بنائی۔ حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں نواسے حسن و حسین جو جوانانِ اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور برگزیدۂ رسولؐ اور فاطمہ بتول کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت رسالت کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علی ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا معاویہ جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گم راہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو اس کے ارادے میں کامیابی ہوئی اور اس کی دنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب اس کی اجل معلوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے۔ اور جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو جو شیطانی و فرعونی حرکتیں اس نے اختیار کر رکھی تھیں۔ ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی ضلالت میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالاں کہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام کش باتوں، دل سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ رسول خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھنے لگا جس کے بعد اس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک پر مستعد رہا اور حضرت رسول خدا صلعم سے اتنی بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہو گیا۔ اب وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور در قبر، اپنے گڑھے سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خوں ریزیوں کی علامتیں باقی ہیں اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا جہاں کے

اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کیے پر نادم ہو رہا ہے مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت بھول گئے اور اُس کی جُدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے کاش معلوم ہو جاتا کہ وہاں اُس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر تراشا اور پھر اُس سے کیا کہا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے؟ میرا گمان تو یہی ہے اُس کے بعد گریہ اُس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم خاندان (بنی اُمیہ) کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا۔ حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضب ناک ہیں اُن کی تعداد اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں (یعنی بنو اُمیہ کے مخالف زیادہ اور موافق کم ہیں) بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمھاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمھاری برائیوں کے بار سے لدا ہوا اس کے دربار میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے اسے مجھ سے لے لو اور جسے پسند کرو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں پر سے اپنی بیعت اٹھالی۔ والسلام"

جس منبر پر معاویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اس کے نیچے مروان بن حکم بھی موجود تھا۔ خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا کیوں ابو لیلیٰ! (یہ ابو لیلیٰ معاویہ بن یزید کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا۔ تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو) اس پر معاویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پایا البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شوریٰ کی جو تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے کہ انھوں (عمر) نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ (حضرت علی) کی عدالت میں کسی قسم کا شک شبہہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اُن کو اس سے ہٹا دیا اس وقت سے وہ (حضرت عمر) بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا انصاف ور سمجھے گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافت کسی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت کوئی بری اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ منبر پر سے اُتر آیا۔ پھر اُس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اُس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سُنی ہوتی۔ معاویہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میری بھی یہی تمنا ہے۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد بنی اُمیّہ اُس کے اُستاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معاویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا اور علی اور اُن کی اولاد کی محبّت اس کے دل میں راسخ کردی ہے غرض اس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کیے ان سب کا باعث تو ہی ہے۔ اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس کی نظر میں پسندیدہ قرار دیدیا ہے جس پر اُس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کچھ کہا۔ مگر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معاویہ بن یزید بچپن ہی سے حضرت علی کی محبت پر پیدا ہوا ہے لیکن اُن لوگوں نے اس بے چارے کا کوئی عذر نہیں سُنا اور قبر کھود کر اُس کو زندہ دفن کر دیا (کتاب تحریر الشہادتین صفحہ ۱۰۳ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ و حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۵۵ و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ وغیرہ)

بروایت حبیب السیر معاویہ بن یزید نے یہ بھی کہا کہ مجھے یہ خلافت جائز نہیں ہے۔ مجھے واجب ہے کہ تمھیں بتا دوں کہ علی ابن الحسین امام زین العابدین مجھ سے اس کے بہت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ کوئی ان میں کسی طرح کا عیب نہیں نکال سکتا۔ اگر چاہو ان کو خلیفہ بنالو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ قبول نہیں کریں گے

ڈاکٹر اقبال کا مرثیہ

پنجاب کے مشہور اور بڑے ہر دل عزیز شاعر ڈاکٹر اقبال کی نظم بھی پڑھ لیجیے جس سے واضح ہو جائے گا کہ یزید کیا تھا اور امام حسین ؑ کیا تھے ؎

عشق را آرام جاں حسینؑ است — ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنید ہستی کہ ہنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتول — سرو آزادے ز بستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل — دوش ختم المرسلیں نعم الجمل
سُرخ رو عشق غیور از خون او — شوخی ایں مصرع از مضمون او
درمیانِ امت آں کیواں جناب — ہم چو حرف قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حسینؑ را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سر جلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نکردے با چنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِ ابراہیم و اسمٰعیل بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود

عزمِ او چوں کوہساراں استوار — پائدار و تند سیر و کامگار

تیغ بہرِ عزتِ دیں است و بس — مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست — پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد — ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید — از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت — سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم — ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت — سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں — اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

(مثنوی اسرار بیخودی و رموز صفحہ ۱۲۶)

ڈاکٹر اقبال کا مرثیہ کس نظریہ کے ماتحت ہے؟

عباسی صاحب! آپ نے شروع مضمون میں شکایت کی ہے کہ "مولف نے ایک خاص فرقہ کے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر اس تالیف کو مرتب کیا ہے" اب کیا آپ ذرا زحمت فرما کر ہم کو اس سے بھی مطلع کر دیں گے کہ ڈاکٹر اقبال صاحب نے کس فرقہ کے نظریہ کو پیش رکھ کر اس مرثیہ کو لکھا ہے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اس مرثیہ کا ایک ایک مصرع خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے۔ گویا الٰہی نظریہ کو پیش رکھ کر یہ مرثیہ نظم کیا ہے۔

جناب شیخ جیلانی اور خواجہ اجمیری کا نظریہ

ساتھ ہی ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ جناب غوث اعظم نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین کو کس نظریہ کو پیش رکھ کر مرتب کیا ہے؟ جس میں سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل یہ مضمون درج کیا کہ امام حسینؑ کے روضہ مبارکہ پر حضرت ابراہیم خلیل ایسے اولوالعزم پیغمبر اور حضرت محمد مصطفےٰ ایسے سید المرسلین نماز پڑھتے ہیں اور شہادت ہی کے دن خدا نے ستر ہزار فرشتوں کو معین کر دیا کہ حضرت کے روضہ مبارکہ پر قیامت تک روتے رہیں۔ عرب میں جناب شیخ جیلانی کا جو درجہ ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں جناب خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کا جو مرتبہ ہے اس سے بھی سب مسلمان واقف ہیں۔ فرمایئے دونوں نے کس نظریہ کو پیش رکھ کر اپنی مشہور عالم رباعی لکھی جو اس مضمون کے شروع میں درج کر دی گئی ہے؟ ہم تو

سمجھتے ہیں کہ یزید اسلام کو مٹانا، شرک کو واپس لانا اور دنیا بھر کو کافر بنانا چاہتا تھا۔ امام حسینؑ نے اپنے گھر بھر کی قربانی پیش کرکے دین اسلام کو بچا لیا اس وجہ سے خدا نے لتنے بڑے بڑے علماء و پیشوایان دین سے یہ کتابیں بھی لکھوائیں۔ یہ اشعار بھی نظم کرائے اور قیامت تک اس سلسلہ کو جاری رکھے گا۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتا تاکہ خدا کا وہ وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا رہے جو قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے یریدون ان یطفئوا نوراللّٰہ بافواھھم ویابی اللّٰہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون۔ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منھ سے پھونک مار کر خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اس کے سوا کچھ چاہتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا کرہی کے رہے اگرچہ کفار برا مانا کریں (پارہ ۱۰ ع ۱۱) یریدون لیطفئوا نوراللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون یہ لوگ اپنے منھ سے پھونک مار کر خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ خدا اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا۔ اگرچہ کفار برا ہی کیوں نہ مانیں (پارہ ۲۸ ع ۹)

یزید کفر کو واپس لانا چاہتا تھا عباسی صاحب! اب بنی امیہ کا زمانہ تو رہا نہیں جس سے کسی مسلمان کو حق بات کہنے میں تامل ہو سکے۔ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یزید کی نیت اسلام کو مٹا ڈالنے اور کفر و شرک کو پھر سے رائج کر دینے کی نہیں تھی؟ واقعہ کربلا کے بعد اس نے کیا کارروائیاں کیں؟ علامہ سیوطی کی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء دیکھیے وفی سنۃ ثلث وستین بلغہ ان اھل المدینۃ خرجوا علیہ وخلعوہ فارسل الیھم جیشاً کثیفاً وامرھم بقتالھم ثم المسیر الی مکۃ لقتال ابن الزبیر فجاؤا وکانت وقعۃ الحرۃ علی باب طیبۃ وما ادراک وما وقعۃ الحرۃ ذکرھا الحسن مرۃ فقال واللّٰہ ما کاد ینجو منھم احد قتل فیھا خلق من الصحابۃ ومن غیرھم ونہبت المدینۃ وافتض فیھا الف عذراء.... واتوا مکۃ فحاصروا ورموہ بالمنجنیق واحترقت من شرارۃ نیرانھم استار الکعبۃ وسقفھا وقرنا الکبش الذی فدی بہ اسمعیل وکانا فی السقف۔ ۶۳ھ میں یزید نے ایک بھاری لشکر مدینہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں والوں کو قتل کرکے مکہ جاؤ۔ غرض وہ لشکر روانہ ہوا تو مدینہ میں واقعہ حرّہ ہوا جس میں بے حساب صحابہ وغیرہ قتل کیے گئے اور ایک ہزار کنواری مسلمان لڑکیوں کے ساتھ زنا کرکے ان کی بکارت زائل کر دی گئی پھر وہ لوگ مکہ معظمہ آئے اس پر منجنیق سے پتھر اور آگ برسائے اور اس میں آگ لگا دی جس سے خانہ کعبہ کے پردے، اس کی چھت حضرت اسمٰعیل کے فدیہ والے مینڈھے کے دونوں سینگ جل کر راکھ ہو گئے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۲)

ابرہہ اور یزید عباسی صاحب! کیا آپ بتائیں گے کہ ابرہہ اور یزید میں کیا فرق تھا؟ حضرت رسولؐ کی پیدائش سے پہلے یمن کے کافر حاکم ابرہہ نے کوشش کی تھی کہ خانہ کعبہ کو گرا کر بے نام و نشان کر دے۔ یہ سنہ ۵۷۰ء کا واقعہ ہے بالکل اسی طرح یزید نے بھی خانہ کعبہ پر گولے برسائے اس میں آگ لگا دی اور اس کی قیمتی تبرکات کو جلا ڈالا غرض اس کے ہر فعل پر نظر کرنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی غرض خلافت کی گدی پر بیٹھنے سے یہی تھی کہ وہ اسلام کو مٹا دے۔ اسلام کے قبل کے شرک اور بت پرستی کو لوٹا لائے۔ زمانہ جاہلیت کے کفر کو واپس لائے اور اپنے دادا یعنی دادا اسکے مذہب کو زندہ کر دے جس طرح اس کا دادا ابو سفیان تک یہ اس کی کوشش کرتا رہا کہ اسلام کو زندہ دفن کر دے اسی طرح وہ اس

فکر میں تھا کہ امام حسینؑ بیعت کر لیں اور پھر اسلام کی حمایت کرنے والا کوئی بھی نہ رہے تو میں کھل کر وہی کارروائی کروں جو غزوۂ بدر میں میرے دادا ابوسفیان نے کی تھی اس کے وہ چند اشعار جو اوپر نقل کیے گئے ان پر آپ اچھی طرح غور کریں کہ کیا کوئی مسلمان یہ بات کہہ سکتا ہے "محمدؐ نے ملک گیری کا ڈھکوسلا کھڑا کر رکھا تھا ورنہ درحقیقت اُن پر نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ کوئی فرشتہ آیا تھا"۔ اس کے بعد بتائیں یزید کس مذہب پر تھا۔ یزید کے کھلم کھلا کافر ہونے کے بارے میں تو آپ کے بڑے بڑے علماء فیصلہ کر چکے ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا غرض جب وہ کافر تھا اور یقیناً تھا اور اسی فکر میں رہتا تھا کہ اپنے دادا ابوسفیان کے دین کو رسولؐ کے خاندان سے واپس لے تو ابوسفیان کا بہت بڑا قرض رسولؐ کے اوپر دین اسلام کا وجود ہی تھا۔ کفر کا مردہ ہو جانا بھی تھا۔ زمانہ جاہلیت کے شرک کا ختم ہو جانا بھی تھا۔ لات و عزیٰ و ہبل کی عبادت کا تمام ہو جانا بھی تھا۔ انھیں سب قرضوں کے واپس لینے کی فکر میں یزید کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ سمجھتا تھا کہ اگر امام حسینؑ میری بیعت کر لیں تب میں سب سے کہونگا کہ اب تم لوگ اسلام چھوڑ دو۔ محمدؐ کے رسول ہونے کا اعتقاد ترک کر دو۔ اذان موقوف کر دو۔ نمازیں بند کر دو۔ مسجدوں کو بُت خانوں سے بدل دو بتوں کو پوجنے لگو۔ خانۂ کعبہ کو بتوں سے بھر دو۔ ان کی عبادت شروع کر دو۔ شراب عام طور پر بیچی اور پی جائے ماں، بہنوں، بیٹیوں، پھوپھیوں اور خالاؤں سے نکاح رائج کیا جائے ورنہ تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔ تمھاری ماں بہنوں کو لونڈی بنا کر اپنے لشکر والوں میں تقسیم کر دوں گا۔ تمھاری بیویوں اور بیٹیوں کو اپنی فوج کے نوجوانوں کے حوالہ کر دونگا اور اگر یہ لوگ بیعت نہ کریں کافر نہ ہو جائیں۔ بتوں کی پوجا نہ شروع کریں تو سب کو قتل کر کے شرک کو پھیلا اور کفر کو ترقی دیجائے گی اسلام کو زندہ رہنا تھا۔ دین حق کو باقی رہنا تھا۔ اللہ کی عبادت کو جاری رہنا تھا۔ رسولؐ کا نام روشن رہنا تھا۔ مسجدوں کا وجود قائم رہنے والا تھا۔ اذان کی آواز کو بلند ہوتے رہنا تھا۔ ان وجوہ سے یزید اپنی اصلی غرض میں کامیاب نہ ہو سکا اس کی دلی آرزو پوری نہیں ہو سکی۔ اس کی دیرینہ تمنّا بر نہیں آسکی۔ اس کے سب منصوبے خاک میں مل گئے کیونکہ امام حسینؑ اپنے گھر بھر کو لے کر اسلام کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت کی شہادت سے اہل اسلام کے دلوں میں یزید سے اتنی نفرت پیدا ہو گئی کہ وہ اپنی حالت کو برداشت نہیں کر سکا اور کہا کہ اب اگر شرک کی محبت اور کفر کی حمایت میں اور کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو معلوم نہیں میری سلطنت باقی بھی رہے یا نہیں اس سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہو جاؤں اس سبب سے وہ انتظار کرنے لگا کہ ذرا اسلامی دنیا ٹھنڈی ہو جائے تو کفر کے واپس لانے اور بُت پرستی کے رواج دینے کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی صورتیں سوچی جائیں مگر ابھی وہ واقعہ حضرت عبد اللہ بن زبیر سے لڑنے ہی میں مصروف تھا کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو ملک الموت نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور کفر و شرک اپنا ہاتھ مل کر رہ گیا اور بُت پرستی میں تو روح ہی نہیں پلٹی

مذہب شیعہ کا حق اور صراط مستقیم ہونا

عباسی صاحب! آپ خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت رسول خدا نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار فرمایا اور اعلان کیا تھا کہ میری اُمت ۷۳ فرقوں پر منقسم ہوگی جن سے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ باقی سب گمراہ ہوں گے (مشکوٰۃ شریف جلد ۱ صفحہ ۵۰) آپ کا فرض ہے کہ

کل مسلمانوں کو نجات پانے والا فرقہ بنا دینے کی پوری کوشش اپنی زندگی بھر کرتے رہیں۔ ہمارے مذکورہ بیانات سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا کہ آں حضرت صلعم یہ بھی فرما چکے ہیں کہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے تو جو فرقہ آں حضرتؐ کے بعد صرف بارہ حضرات کو حضرت رسول کا خلیفہ مانے اور یقین رکھے کہ حضرت کے خلفاء ۱۲ سے نہ کم تھے نہ زیادہ۔ بس وہی فرقہ ناجی ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والے شیعہ ہی ہیں کوئی اور نہیں اسی وجہ سے خدا نے حضرت ابراہیم کے لیے بھی اسی لفظ کو پسند فرمایا اور ارشاد کیا وان من شیعتہ لابراھیم۔ ان کے شیعوں میں سے حضرت ابراہیم بھی تھے (پارہ ۲۳ ع ۱۷) دیکھیے مستدرک مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ صفحہ ۳۰ ۱۴۴ وغیرہ۔

اسی وجہ سے حضرت رسول صلعم نے خدا کی قسم کھا کر فرمادیا کہ شیعہ ہی ناجی اور بہشت میں جانے والے ہیں۔ جناب جابر کی روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اور علی اور شیعہ قیامت کے روز سب یہی بہشت میں جانے والے ہیں (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۷۹) جناب عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ آں حضرت نے حضرت علی سے فرمایا تم اور تمھارے شیعہ قیامت میں خوش اور تمھارے دشمن بددل اور مایوس آئیں گے (حلیۃ الاولیاء و فردوس الاخبار) اس مضمون کی بے شمار حدیثیں دفتر اصلاح کھجوا کی کتاب قرآن ناطق اور ثقل اکبر میں قابل دید ہیں اسی وجہ سے ریاست حیدر آباد دکن کا مشہور واقعہ ہوا کہ

خواب میں حضرت رسولؐ کا حکم کہ شیعہ ہو جاؤ

برہان نظام شاہ والی ریاست احمد نگر (دکن) کا پیارا بیٹا شاہ زادہ عبد القادر سخت بیمار ہوا۔ بادشاہ نے کل حکیموں ویدوں وغیرہ کے علاج کرائے مگر سب بے سود اس وقت مذہب شیعہ اثنا عشری کے ایک زبردست عالم شاہ طاہر نے جو ایران سے وہاں آکر تقیہ میں بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور نذر کریں اگر شاہزادے کو آج شفا ہو جائے تو مذہب شیعہ اختیار کر کے مذہب حق کو پھیلائیں گے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر شاہ طاہر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کر لیا کہ ضرور وہ ایسا ہی کرے گا۔ صبح کے قریب بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلعم اور ان کے داہنے بائیں ۱۲ بزرگ تشریف لائے اور آنحضرت نے فرمایا اے برہان نظام شاہ خدا نے علی اور اُن کے فرزندوں کی برکت سے عبد القادر کو شفا بخشی۔ اب تم کو لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرو اور مذہب شیعہ اختیار کر کے اس کو خوب پھیلاؤ۔ برہان نظام شاہ خواب سے بیدار ہوا تو شاہزادے کو بالکل اچھا پایا بس فوراً مذہب شیعہ اثنا عشری اختیار کر کے اس کو دکن میں خوب پھیلایا (ملاحظہ ہو مشہور کتاب تاریخ فرشتہ مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)

آپ کے مشہور پیشوائے اعظم جناب مولوی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بے شک برہان نظام شاہ نے یہ خواب دیکھا اور اس کی وجہ سے شیعہ ہو گیا (ملاحظہ ہو اُن کی کتاب فتاوی عزیزی مطبوعہ دہلی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ وغیرہ)

باسمہ سبحانہ

S. Muzaffar Hasan Zaidi

احادیث فضائل امیر المومنینؑ

پر

ایک نظر

از رشحۂ قلم

محقق جلیل مورخ بے عدیل علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ احسن صاحب قبلہ کامونپوری دام برکاتہم

شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

باسمہٖ سبحانہ

اسلام آخری شریعت ہے

بعد انقطاع وحی اس کی حفاظت کا انتظام

قرآن مجید میں ہے ما فرطنا فی الکتاب من شئ " ہم نے قرآن میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے" بشری ضرورت کے کل اصول ۔ دینی و اُخروی مسائل مجمل یا مفصل اس میں مذکور ہیں قرآن مجید میں یہ بھی ہے نزّلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی " ہم نے تم پر قرآن نازل کیا تاکہ ہر چیز کو واضح کر دیں "

بعض مسائل خود قرآن مجید نے کافی تشریح سے بیان کیے اور بعض کو سنّت رسولؐ کے حوالے کیا۔ اسلام آخری شریعت ہے اور قرآن مجید و سنت رسول علیہ السلام اس کا دستور ہے ۔ قیامت تک اسلامی زندگی کے یہی ماخذ و مصدر ہیں ۔

قرآن و حدیث کی گہرائی تک ہر ذہن نہیں پہنچ سکتا ۔ عربی نژاد ہونا یا عربی سے واقف ہونا فلسفہ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے ۔ قرآن مجید نے خود اپنے حامل و مفسر کا پتہ دیا ہے ۔

هوالذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات، هنّ ام الكتاب، و اُخر متشابهات، فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة، وابتغاء تاویله ۔ وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم ۔ (آل عمران)

اے رسول ۔ خدا نے تمھیں کتاب دی اس میں بعض آیات محکم (صریح) ہیں ۔ اور وہی بنیاد کتاب ہیں ۔ اور کچھ آیتیں متشابہ ہیں ۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ انھیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ۔ فتنہ پیدا کرنے اور اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنے کے لیے حالانکہ خدا و رسول اور ان لوگوں کے سوا جو علم کے بڑے مرتبہ پر فائز ہیں ان کی اصلی مراد کوئی نہیں جانتا ۔ (آل عمران ۳/۱)

عام تفسیریں بھی " راسخون فی العلم " سے مراد رسول خداؐ کی حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کو بتاتی ہیں ۔ جن کے ہاتھ نیکی کے لیے اُٹھتے ہوں ، زبان سچّی ہو ، دل مستقیم ہوں ۔ اور جن کی معاش و خواہش جنسی حرام سے محفوظ ہو" ۔ (در منثور سیوطی ۷/۲)

یہ صفات حضرت رسول خدا اور ائمہ معصومینؑ کے علاوہ کس میں پائے جاتے ہیں ۔

قرآن مجید میں محکمات و متشابہات ہیں ناسخ و منسوخ ، عام و خاص ، مجمل و مبیّن ، مقید و مطلق ہیں مقدّم و مؤخّر ، منقطع معطوف ، منقطع غیر معطوف ہیں لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے ۔ لفظ خاص اور

مراد عام ہے لفظ جمع اور مراد واحد ہے۔ لفظ واحد اور مراد جمع ہے۔ ماضی بمعنی مستقبل ہے نصف آیت منسوخ ہے اور نصف معمول بہ، آیات کے الفاظ مختلف اور معنی سب کے ایک ہیں۔ آیات کے الفاظ ایک اور معنی مختلف ہیں۔ کہیں ترخیص لازم اور کہیں ترخیص اختیاری ہے۔ کہیں تاویل و تنزیل ایک ہے کہیں تاویل و تنزیل مختلف ہیں۔ چھوٹی سی کتاب اور اس میں الٰہیات کے اہم مسائل۔ عقائد و احکام و معاملات و اخلاق و سیاست کے علاوہ اخبار انبیا و امم اور علم قضا و قدر بھی ہے۔ زنادقہ و ملحدین اور دہریہ و ثنویہ و قدریہ و مجبرّہ کی رد بھی ہے۔ اس میں بُت پرستوں، یہودیوں عیسائیوں کے باطل عقائد کی بھی رد ہے۔

رسول خدا کی وفات کے بعد اگر کوئی ایسا شخص موجود نہ ہوتا جسے ان تمام مسائل پر عبور کامل ہو تو قرآن مجید کا صحیح و قطعی مفہوم حروف و عبارت میں مقید ہو کر رہ جاتا اور دنیا ایسی عظیم الشان کتاب کے فیض سے محروم رہتی۔ قرآن مجید کو اسی طرح سمجھنا جو مراد خالق ہے۔ اور جس کے نقوش ذہن رسالت میں تھے آسان کام نہیں۔

حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جن کی تربیت رسول خدا کا مقصد خاص رہی ہو۔ اور انھوں نے بھی رضائے الٰہی کو معلوم کرنے اور قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہو۔ ورنہ قرآن و حدیث و شریعت کی تفسیر مختلف ماحول اور استعداد و صلاحیت کے انسانوں پر اگر چھوڑی جاتی تو ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے ایک قرآن و حدیث سے مختلف شریعتوں کی تشکیل کی گنجائش پیدا کی جاتی۔

ذہنوں کے باہمی فاصلے

انسان میں فکر و نظر کے اعتبار سے باہم جس قدر فرق ہے اس کی نظیر کسی اور مخلوق میں نہیں ملتی۔ خانہ بدوش قبائل سے حکما و علما۔ پھر ائمہ و انبیا کے ذہنی فاصلے کو ناپنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ۔ قرآن مجید کے سامنے کے استعارات و تشبیہات اس عہد کے عربی ذہن سے اونچے تھے۔ اسرار آیات و مبہمات و مجملات اور مقاصد آلٰہیہ اور اسرار نبوت و علوم نبوی سے پورے طور پر کتنے واقف تھے۔

رسول خدا کی نبوت کے کل ۲۳ سال تھے۔ بارہ برس مکہ میں گزرے اور باقی مدینہ میں۔ اور آپ مختلف حالات سے گزرے۔ جن کی نظر میں آپ کی زندگی کا تسلسل نہیں ہے وہ آپ کے واردات کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ قرآن مجید دوسری کتابوں کی طرح ایک مدوّن شکل میں ہاتھوں میں نہیں آیا مختلف اسباب کے ماتحت اس کا نزول ہوتا رہا جس کی نگاہ سے یہ سب مناظر نہیں گزرے اور وہ زندگی کے کسی دور میں رسول خدا سے وابستہ ہو گیا اُسے آپ کی زندگی، آپ کے نصب العین اور آپ کی شریعت پر احاطہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے نزول قرآن کا جس نے مطالعہ کیا ہو اور اس مطالعہ کا تسلسل نہ ٹوٹا ہو صرف وہی قرآن کے

اسلوب کو سمجھ سکتا ہے۔

تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ قرآن فہمی و شریعت فہمی میں خود عہد رسالت میں کتنے لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ روزہ میں شب کو کھانے پینے کی حد بتاتے ہوئے قرآن مجید کے الفاظ تھے:۔

کلوا واشربوا حتی تبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر (پ بقرہ)	کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے آسمان پر تمہیں صاف نظر آنے لگے۔

یہ آیت اُترنے کے بعد "عدی بن حاتم" صحابی نے شب کو سیاہ و سفید ڈورے رکھ لیے اور رات بھر انھیں دیکھتے رہے۔ تاریکی میں سیاہ و سفید ڈورے نہیں دکھائی دیے۔ جب روشنی ہوئی اور ڈورے نظر آئے تو کھانا چھوڑ دیا۔ اور صبح کو اپنی پریشان خاطری کی رسول خداؐ کو خبر دی۔

فضحك فقال انك العریض القفا انما ذلك بیاض النهار وسواد اللیل (غرائب القرآن ابن اعرج نیشاپوری ۱۹۵/۱)	رسول خداؐ (عدی کی سادہ لوحی پر) ہنس پڑے اور حضرتؐ نے فرمایا۔ تم میں سمجھ کی کمی ہے اس سے مراد دن کی روشنی اور رات کی سیاہی ہے۔

یہ عرب تھے صحابی تھے۔ لیکن ان کی ذہنی پرواز اتنی ہی تھی کہ وہ ایک ایسے مفہوم کو قرآن سے نہ سمجھ سکے جسے ہم صدیوں کے بعد بغیر کسی دشواری کے سمجھ لیتے ہیں۔ یہ خیر ہوئی کہ فوراً ہی واقفیت کا پردہ چاک ہو گیا ورنہ بعد وفاتِ رسولِ خداؐ ان کا عمل سنت بن جاتا اور آج ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے تا انظر روزے کے زمانے میں شب کو سیاہ و سفید دھاگے سے بندھے ہوئے ہوتے۔

ابو طلحہ روزے کی حالت میں اُولا (ژالہ) کھاتے تھے اور کہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ اور یہ نہ کھانے کی چیز ہے نہ پینے کی۔ (ج ۲ تاریخ ابن عساکر) حالانکہ یہ کھانے کی چیز بھی ہے اور پینے کی بھی۔

اصل مرکز کو چھوڑنے کی وجہ سے عقائد و احکام کسی بنیاد پر قائم نہیں رہے بمشکل ہی سے کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جو اختلاف رائے کے بوجھ سے دبا ہوا نہ ہو۔

وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے سیکڑوں بار لوگوں نے حضرت رسول خداؐ کو دیکھا۔ ہر روز مسجد میں، بزم میں، رزم میں، سفر میں، حضر میں۔ مگر نماز اور اس کے مقدمات کا ہر مسئلہ اختلاف کا محاذ بنا ہوا ہے۔

ابوہریرہ کہتے تھے آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حکم کو رسولؐ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ابن عباس کو اس کے ماننے سے انکار تھا۔ وہ کہتے تھے اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔ (صحیح ترمذی۔ باب الوضو)

قاریوں کے اختلافاتِ قراۃ بھی معمولی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ معنی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

نافع۔ عبداللہ بن کثیر۔ عاصم۔ حمزہ۔ کسائی۔ عبداللہ بن عامر۔ ابو عمر بن العلا وغیرہ کے

اختلافات قراۃ عقائد و اعمال کے لیے مختلف راہیں بناتے ہیں۔
وضو کرتے ہوئے رسول خدا کو کتنی بار دیکھا گیا ہوگا مگر قاریوں کے اختلاف قرأت سے وضو کی معین شکل بھی ایک نہیں ہے ——— قرآن مجید میں ہے:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق، وامسحوا برؤسکم و ارجلکم الی الکعبین۔ (مائدہ)

ایماندار و جب نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کر لو۔

اس آیت میں نافع و ابن عامر و کسائی نے "ارجلکم" کو منصوب پڑھا ہے۔ اور ابوبکر نے عاصم سے "جر" سے روایت کی ہے۔ حفص نے عاصم سے "نصب" سے روایت کی۔ بنا بر قرأت نصب "ارجلکم" معطوف ہوتا ہے "وجوھکم" اور "ایدیکم" پر۔ اس بناء پر وضو میں پاؤں دھونا واجب ہو جاتا ہے۔
قرأت جر کی بناء پر "ارجلکم" برؤسکم پر معطوف ہوتا ہے۔ اور اس کی رعایت سے وضو میں پاؤں کا مسح واجب ہو جاتا ہے۔
وضو نماز کے لیے شرط رکنی ہے۔ نماز دین کا ستون ہے اور کفر و ایمان کے درمیان "حد فاصل" ہے۔ اگر مسح پاؤں کا وضو میں واجب ہوا تو پاؤں کا دھونا قرأت نصب کی رو سے وضو کے باطل ہونے اور تشریع محرم، و تبدیل شریعت کا باعث ہوگا۔ اور باطل ہونا وضو کا نماز کے باطل ہونے کا سبب اور نماز کا باطل ہونا موجب انہدام رکن ہوگا وضو کے علاوہ ——— اذان و نماز کے مسائل پر بھی سب کا اتفاق نہ ہوا۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جس کے متعلق حدیث میں ہے۔ بغیر اس کے کوئی کام شروع نہ کرنا چاہیئے لیکن اس کے بارے میں اتنے اختلافات ہیں کہ انھیں ایک کتاب میں بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ علامہ بن عبدالبر قرطبی م ۴۶۳ھ "کتاب الانصاف فیما بین العلما من الاختلاف" (مطبوعہ مصر ۱۳۴۳ھ ص ۶) ——— میں لکھتے ہیں۔

اختلف علماء السلف والخلف فی قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اول فاتحۃ الکتاب، وھل ھی اٰیۃ منھا، فذھب مالک واصحابہ الی انھا لا تقرء فی اول فاتحۃ الکتاب فی شیء من الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق علماء متقدمین و متاخرین میں اختلاف ہے کہ اسے سورہ حمد کے پہلے پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ اور یہ سورہ حمد کی ایک آیت ہے یا نہیں۔ مالک اور ان کے ہم مسلک یہ کہتے ہیں کہ نماز پنجگانہ میں آہستہ یا زور سے سورہ فاتحہ کے ساتھ

المکتوبات سراو لاجھرا، ولیست عندھم آیۃ من ام القران، ولا من غیرھا من سور القران - الا فی سورۃ النمل فی قولہ عزوجل (انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم) ... لِکُلِّ فِرْقَۃٍ مِنْ فِرَقِ الْفُقَھَاءِ اٰثَارٌ رَوَوْھَا، وَصَارُوْا اِلَیْھَا- فِیْمَا ذَھَبُوْا اِلَیْہِ مِنْ ذٰلِکَ عَنِ النَّبِیِّ وَعَنْ اَصْحَابِہٖ وَالتَّابِعِیْنَ -

نہ پڑھنا چاہیے - اور یہ کسی سورہ کی قرآن کے آیت نہیں ہے سوا سورۂ نمل کے اس کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے فقہا کی جماعت میں جس نے جو رائے اختیار کی ہے وہ سب اپنے اپنے نقطۂ نظر سے رسولؐ و اصحاب رسولؐ اور تابعین کے آثار پیش کرتے ہیں -

عبادات میں اختلاف رائے پر یہ ایک معمولی اشارہ ہے - دوسرے مسائل - حرام وحلال اور معاملات وغیرہ زندگی کا کوئی رُخ اختلاف رائے سے نہیں بچا ہے اس سے ایک طرف عقل ونظر کے درجے معلوم ہوتے ہیں اور دوسری جانب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مرکز سے جدا ہو جانے سے کتنا بڑا دینی خسارہ ہوا -

عید بن ازور اور ضرار بن خطاب اور ابوجندل نے شام میں شراب پی۔ "ابو عبیدہ جراح" کے پاس انھیں سزا کے لیے لایا گیا -

حکومت کے سامنے "ابوجندل" نے جن الفاظ میں عذر پیش کیا ہے اُس پر جتنی بھی حیرت کی جائے کم ہے ابوجندل نے کہا :-

واللہ ما شربتھا الا علی تاویل

بخدا میں نے "تاویل" کے ساتھ "شراب" پی ہے -

آیت ذیل کی تاویل کرکے ابوجندل نے شراب کو حلال سمجھ رکھا تھا -

لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناحٌ فیما طعموا - اذا ما اتقوا - واٰمنوا وعملوا الصالحات - (مائدہ ۷)

مومن و صالحین نے قبل اسلام جو کھا پی لیا تھا اب پرہیزگاری کے بعد ان پر کچھ گناہ نہیں رہا -

(تہذیب تاریخ بن عساکر ۱۳۳ جلد ۷ ابن بدران م ۱۳۴۶ھ مطبوعہ دمشق)

آج کسی بتدی عربی طالب العلم کا ذہن بھی اس آیت سے شراب نوشی کے جواز کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا - غیر مسلم نقاد کے ذہن بھی ادھر نہیں جا سکے - لیکن عرب نژاد دماغ نے اپنے تحفظ کے لیے آیت کے واضح الفاظ سے وہ معنی پیدا کیے جو روح قرآن کے منافی تھے - اگر دانستہ یہ تخبص تاویل کی تھی تو سرکشی و تحریفِ معنی کی خیانت کی اس سے بدتر مثال کیا ہو سکتی ہے - اور اگر غلط فہمی سے یہ تاویل کی

تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہر شخص کے لیے تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے۔ دین کی تکمیل سے ان نارسا عقلوں کو کیا فائدہ۔ ان پر بھروسہ کرنا کہ یہ حقائق شرع کا خود ادراک کریں گی تاریکی سے روشنی حاصل کرنے کی ناکام سعی ہوگی۔

عبدالوارث بن سعید (   ) مکہ گئے۔ وہاں کے مشہور فقیہوں سے ملے اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (۸۰ - ۱۵۰ھ / ۶۹۹ - ۷۶۷ء) اور محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلےٰ کوفی (۷۴ - ۱۴۸ھ / ۶۹۳ - ۷۶۵ء) قاضی و فقیہ اور "ابن شبرمہ (   ) سے بھی ملے۔ معاملات کے ایک مسئلہ کے متعلق ان لوگوں سے گفتگو ہوئی۔ ہر ایک کے جوابات دوسرے کے خلاف تھے۔ اور سب حدیث کو اپنا ماخذ بناتے تھے۔

عبدالوارث نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا۔ ایک شخص نے تجارتی معاملہ کیا اور کوئی شرط بھی کی۔ اس کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟

(۱) انھوں نے کہا۔ معاملہ اور شرط دونوں باطل ہیں۔ عبدالوارث نے (۲) ابن ابی لیلےٰ سے یہی سوال کیا۔ جس کا جواب انھیں یہ ملا کہ معاملہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ یہی سوال انھوں نے (۳) ابن شبرمہ سے کیا۔ انھوں نے کہا بیع اور شرط دونوں جائز ہیں۔ عبدالوارث فتوؤں کے اختلاف سے حیرت زدہ ہو گئے۔ وہ پھر امام ابو حنیفہ سے ملے اور ان اختلافات کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا:۔

حدّثنی عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبیؐ نهی عن بیع و عن شرط البیع باطل والشرط باطل۔

حدیث رسول میں ہے کہ حضرت نے بیع و شرط سے منع کیا ہے لہٰذا بیع اور شرط دونوں باطل ہیں۔

وہ ابن ابی لیلےٰ سے ملے انھوں نے کہا:۔

حدثنی هشام عن عروه عن ابیه عن عائشة قال امرنی رسول الله ان اشتری بریرة فاعتقها۔ البیع جائز و الشرط باطل۔

عائشہ نے کہا مجھے رسول خدا نے حکم دیا کہ میں بریرہ کو خریدوں اور اسے آزاد کردوں۔ بیع جائز اور شرط باطل ہے۔

پھر ابن شبرمہ سے ملے۔ انھوں نے جابر انصاری کی حدیث پیش کی۔

بعت النبی ناقة شرط لی حلاً بها الی المدینة، البیع جائز والشرط جائز (امالی شیخ الطائفہ محمد بن حسن بن علی طوسی ۲۴۹ (۳۸۵ - ۴۶۰ھ / ۹۹۵ - ۱۰۶۸ء)

رسول خداؐ کے ہاتھ میں نے اونٹ بیچا حضرتؐ نے میرے لیے یہ شرط روا رکھی کہ میں اس پر سوار ہو کر جاؤں۔ بیع جائز اور شرط بھی جائز ہے۔

القران نزل علی سبعة احرف ایک مشہور حدیث ہے جسے مشاہیر صحابہ سے نقل کیا جاتا ہے

جیسے ابی بن کعب - انس بن مالک - حذیفہ - معاذ - ہشام بن حکیم - ابن بکرہ - ابوجہم - زید بن ارقم سمرہ - سلیمان بن صرد - ابن عباس - ابن مسعود - عمر بن ابی سلمہ - عبدالرحمٰن بن عوف - حضرت عثمان حضرت عمر - عمرو بن عاص - ابوسعید خدری - ابوہریرہ - ابوطلحہ انصاری اس کے راوی ہیں -

یہ حدیث فکر و نظر کے تفاوت سے "محاذ اختلاف بن گئی ہے - علامہ سیوطی نے اتقان میں اس کے معانی میں چالیس قول نقل کیے ہیں - عام طور پر اس سے مراد سات قرائتیں کی جاتی ہیں جو باہم بعید مختلف ہیں - ظاہر ہے کہ یہ تمام متضاد رائیں بیک وقت صحیح و درست نہیں ہو سکتیں - ان میں کچھ ایسی ہیں جن کے متعلق حضرت رسول خداؐ کی کوئی صحیح حدیث نہ ہوگی اور حضرت کی طرف حدیث کی نسبت غلط ہوگی - کچھ ایسی ہو سکتی ہیں جن میں حدیث سے استفادہ میں غلطی ہوئی ہوگی -

اگر انھیں متضاد بیانات پر شریعت کا مدار ہو تو نجات کا اطمینان اور ذہنی سکون اور اعتماد و وثوق کی نایابی معلوم ہے -

عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کرتی اور نہ اسلامی مصادر یہ رائے قائم کرنے کی اجازت دیتے ہیں کہ خداوند عالم عزاسمہ نے اور رسول خداؐ نے قرآن و حدیث و شریعت کو بغیر کسی صحیح ترجمان کے چھوڑا ہوگا کہ جو جس طرح جو معنی چاہے ان سے پیدا کرلے - قرآن مجید نے خود کہا ہے :-

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون - ( )	یہ مثلیں ہم لوگوں کے لیے پیش کرتے ہیں - عالم ہی ان کو سمجھتے ہیں -

حفاظت و ترجمانی شرع کے لیے معصوم فطرت اور حکیم و امین دماغ کی ضرورت

شریعت کے مفہوم و منطوق تک یقینی رسائی کے لیے ذہن روشن اور بے خطا فہم کی ضرورت تھی جو ذہن رسالت سے احکام الٰہی کو بعینہٖ پوری تکمیل کے ساتھ بغیر کمی و زیادتی کے قبول کرے - اور جس کی زندگی قرآن فہمی و شریعت فہمی اور رسالت مآبؐ کے انداز گفتگو کے سمجھنے کے لیے وقف رہی ہو - اور اس زندگی کا سب سے بڑا مقصد علم رسالت مآبؐ کا احاطہ و حفاظت و اشاعت ہو -

اسلام کے لیے جناب رسول خدا کے بعد خدا و رسولؐ کی طرف سے کسی حافظ شرع کی ضرورت کا احساس کوئی اُپج اور طبعزاد خواہش نہیں ہے - قرآن مجید میں ہے :-

ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من كل مثل ( )	قرآن میں ہم نے لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثل بیان کر دی ہے -

قرآن مجید نے بطور ایک اصول کے بار بار ذکر کیا ہے کہ انبیا کے بعد اُن کے اوصیا حافظ شرع رہے ہیں -

ولقد ارسلنا نوحا و ابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب۔	ہم نے نوح و ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی۔

خود جناب رسول خداؐ کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا:-

والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق، مصدقا لما بین یدیہ۔ ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر۔	جو کتاب ہم نے تم پر وحی کی ہے، حق ہے اور توریت و انجیل کی تصدیق کرتی ہے۔ خدا اپنے بندوں سے واقف ہے۔
ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔	پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے منتخب بندوں کو بنایا۔

اسی قرآن مجید میں ہے:-

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔	قیامت میں ہم سب کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

قرآن میں ہے:-

جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ( )	ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم امت کے گواہ رہو اور رسول تمہارے شاہد رہیں۔

قرآن مجید میں ہے:-

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (مائدہ)	اے رسول خدا تم پر (تعیین خلافت علی کا) جو حکم نازل کیا ہے اس کو پہنچا دو۔ اگر نہ پہنچایا تو تم نے خدا کی رسالت کا کچھ کام نہیں کیا۔

حکومت الٰہیہ کے لیے ان قابل اطمینان انتظامات کے بعد رب العالمین نے اسلام کی تکمیل کا اعلان کیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ (مائدہ)	آج تمہارے لیے ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ وحی کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ لیکن شریعت بے سہارا نہیں چھوڑی جا سکتی تھی۔ شرح و تفسیر و تاویل کے لیے علم لدنی کی ضرورت باقی تھی۔

ان آیات میں سے سورۂ مائدہ کی آیت حضرت علیؑ کے اعلان امامت سے متعلق ہے اور کتاب کے وارث اور امت وسط سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ واقعات کے جائزہ سے خدا و رسول کی طرف سے بعد رسالت مآبؐ ہم کو ایسا قابل اطمینان انتظام رہنمائی ملتا ہے جو شکوک و اختلافات کے بجائے ایک خدا ایک رسول اور ایک قرآن سے ایک بے ریب شریعت سے ہمیں روشناس کراتا ہے۔ ہمیں

تاریخ و احادیث کے مطالعہ سے یقین کامل حاصل ہوتا ہے کہ خدا و رسول کی مرضی یہی تھی کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کی وصایت و نیابت کا بار اُٹھائیں۔ حضرت رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کا نقطہ نظر اور مقصد ایک تھا۔ رسول خداؐ نے منشاء الٰہی کے مطابق حضرت علیؑ کی ولادت سے اپنی زندگی کے آخری عہد تک حضرت علیؑ کی تربیت و تعلیم میں انتہائی دلچسپی لی۔

حضرت رسول خداؐ مطمئن تھے کہ آپ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی کے منقطع ہوجانے کے بعد حضرت علیؑ تکمیل شریعت کی ضمانت کریں گے۔

بغیر کسی عظیم ترین مقصد کے حضرت علیؑ کے ساتھ جناب رسول خدا کی غیر معمولی توجہ کی توجیہ نہیں ہوسکتی ——— حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ کے تعلیمی انہماک کے ذکر کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

کنت اذا سالت اعطیتُ۔ و اذا سکت اُبتدیتُ (۱۹۹/۹ تاریخ ابن عساکر)

جب میں رسول خدا سے پوچھتا تھا تو بتاتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تھا تو خود حضرت تلقین و تعلیم کا آغاز فرماتے تھے۔

رسول اللہؐ کے ذیل کے ارشاد سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی کی علمی تربیت پر مامور تھے۔

یا علی ان اللہ امرنی ان اُدنیك واُعلّمك لتعی۔ و انزلت هذه الایة۔ وتعیها اُذُنٌ واعیةٌ (
فانت اُذُنٌ واعیةٌ لعلمی۔

(ص ۱۹ فتح الملك العلی از علامہ احمد بن محمد بن صدیق مغربی)
ینابیع المودۃ ۹۸ شیخ سلیمان قندوزی البلخی (۱۲۲۰ - ۱۲۷۰ھ / ۱۸۰۵ - ۱۸۵۳ء)

اے علی۔ خدا نے مجھے "حکم دیا ہے" کہ تمھیں قریب کروں اور تمھیں تعلیم دوں کہ "تم محفوظ" کرلو۔ اور یہ آیت اُتری۔ محفوظ کرنے والے اسے محفوظ کریں گے۔ پس اے علی تم میرے علم کے لیے حفاظت کرنے والے کان ہو۔

مربی اور مستفید دونوں کے انہماک سے اعلیٰ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ خود حضرت علیؑ کو اپنے مربی سے جس قدر دلچسپی تھی وہ حضرت رسول خدا کی توجہ خاص سے کم نہ تھی۔ دونوں کی باہمی بے لوث محبت نے مثالی عشق کا درجہ بلند کیا۔

حضرت علیؑ نے جناب رسول خداؐ سے اپنی بے پایاں محبت کا نظم و نثر میں سیکڑوں بار اظہار فرمایا۔ امیرالمومنینؑ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں:۔

محمد النبی اخی وصهری　　احبّ الناس کلهم الیّا (۳۱۵/۹ تاریخ ابن عساکر)

(محمد رسول خدا میرے بھائی اور خسر ہیں۔ اور وہ مجھے کل انسانوں سے زیادہ عزیز ہیں)

حضرت امیرالمومنینؑ نے جناب رسولِ خدا سے اپنے بے انتہا ربط باطنی کی تشبیہ میں ایک نادر

تخئیل کا اضافہ کیا۔

کان رسول اللہ احب الینا من اموالنا واولادنا وآبائنا وامہاتنا۔ ومن الماء البارد علی الظما

(الاتحاف بحب الاشراف از شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی (۱۰۹۱ - ۱۱۷۲ھ ۱۶۸۰ - ۱۷۵۸ء) شیخ ازہر و فقیہ مصر صاحب دیوان شعر (مطبوع) ومفاتیح الالطاف فی مدائح الاشراف (۱۰۱/۳ سلک الدرر ۵۸۴/۲ اعلام زرکلی)

رسول خدا ہمیں ہمارے مال و اولاد و والدین سے اور "پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی" سے بھی زیادہ عزیز تھے۔

ابتدا سے آخر تک رسول خدا کی صحبت و تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ صرف حضرت علیؑ کے دہن پر یہ دعویٰ سجتا تھا۔

واللہ ما نزلت آیۃ الا قد علمتُ فیم نزلت واین نزلت وعلی من نزلت

(۲۲۲ شرح شہاب)

بخدا مجھے ہر آیت کا علم ہے۔ مجھے معلوم ہے کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ کہاں نازل ہوئی اور کس پر نازل ہوئی۔

جو بغیر در کے گھر میں پہنچنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے

رسول خدا نے ارشاد فرمایا:۔

انا دار الحکمۃ وعلی بابہا۔

(فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی از علامہ احمد بن محمد بن صدیق مغربی مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ)

میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کے در ہیں۔

انا مدینۃ العلم وانت بابہا۔ یا علی کذب من زعم انہ یدخلہا من غیر بابہا۔ (۲۳ فتح الملک العلی)

میں علم کا شہر ہوں اور تم اے علی اس کے در ہو۔ جو سمجھتا ہو کہ وہ شہر میں بغیر دروازے کے آسکتا ہے جھوٹا ہے (یعنی بغیر علی کے مجھ تک رسائی ناممکن ہے)

امیر المومنینؑ کے لامحدود علم کا اعتراف

علامہ احمد بن محمد بن صدیق مغربی نے اپنی گراں قدر تالیف فتح الملک العلی (۳۱) میں لکھا ہے:۔

قد جاء عن النبی والصحابۃ والتابعین من الشہادۃ لعلی بالعلم مالم یأت لاحد قط

رسول خدا اور صحابہ و تابعین سے علی کے علم کے متعلق جتنی گواہیاں ہیں کبھی کسی کے متعلق مہیا نہیں ہوئیں

موصوف نے جناب رسول خدا اور صحابہ و تابعین کے اقوال حضرت امیر المومنینؑ کے بے پایاں

علم کے متعلق لکھے ہیں - سرور عالم نے فرمایا:-

لیھنئك العلم ابا الحسن - لقد شربت العلم شربا - ونھلته نھلا -	اے علی تھیں علم گوارا ہو - تم نے خوب سیراب ہو کر پیا ہے -

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں حضرت علی کے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے -

لو ذکرنا ما سالہ اصحابہ مثل عمر وغیرہ لاطلنا -	اگر ہم اُن تمام مسائل کو بیان کریں جو صحابہ سے مثل عمر وغیرہ کے علی سے پوچھے ہیں تو ہمیں بہت لکھنا پڑے -

سعید بن مسیب مخزومی قرشی (۱۳ - ۹۴ھ - ۶۳۴ - ۷۱۳ء) تابعی کا نام وفقیہ ومحدث و زاہد کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ حضرت عمر سے ان کا خاص ربط بتایا جاتا ہے اُنھیں "راویۂ عمر" کہا جاتا ہے۔ (طبقات بن سعد ۸۹/۵ وفیات الاعیان)

یہی سعید بن مسیب حضرت عمر کا قول نقل کرتے ہیں :-

کان عمر یتعوذ باللہ من معضلة لیس لھا ابو حسن -	عمر اللہ کی پناہ ڈھونڈھتے تھے اس مشکل سے جس کے حل کرنے کے لیے علی نہ ہوں -
کان عمر یقول لولا علی لھلك عمر - (۳۵ فتح الملک)	عمر کہتے تھے اگر علی نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا (یعنی بڑی غلطیاں کرتا)

خود ابن مسیب کی ذاتی رائے بھی یہی تھی -

ما کان احد بعد رسول اللہ اعلم من علی ابن ابی طالب -	رسول خدا کے بعد علی سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا -

ابن عباس (مولود ۳ قبل نبوت - م ۶۸ھ ۶۱۹ - ۶۸۷ء) علمی مشکلوں کے وقت حضرت عمر ان سے کہتے تھے انت لھا وانت لامثالھا (۲۳۰/۲ اصابہ ابن حجر) ایسے موقع کے لیے آپ ہی کی ذات ہے -

ابن عباس کہتے تھے :-

کان علی واللہ ملئی علما وحلما - کنا اذا اتانا الثبت عن علی لم نعدل بہ -	بخدا - علی علم وعقل سے بھرے تھے جب علی کا فتویٰ ہم کو کسی معتبر شخص سے معلوم ہو جاتا تو ہم کسی اور طرف نہیں جاتے -

خزیمہ بن ثابت انصاری صحابی (۳۷ھ ۶۵۷ء) جاہلیت و اسلام میں ایک معزز بزرگ مانے گئے - جنگ صفین میں حضرت علی کی حمایت میں شہید ہوئے - بخاری و مسلم میں ان کی

۲۸ حدیثیں ہیں (۴۲۵/۱ اصابہ ابن حجر)

خزیمہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں :-

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا　　ابوحسن مما نخاف عن الفتن
وقد کان اولی الناس بالناس انه　　اَطبّ قریش بالکتاب وبالسنن

(علی کی بیعت کرنے کے بعد ہمیں فتنوں کا خوف نہ رہا (سکون روحانی حاصل ہوگیا) یہ سب سے بہتر اور قریش میں کتاب و سنّت کے سب سے بڑے ماہر ہیں -)

عبداللہ بن عیاش ابن ابی ربیعہ (　　) کہتے تھے :-

ان علیا علیه السلام - کان له ماشئت من ضرسٍ قاطعٍ فی العلم	علی سے جس چیز کے متعلق سوال کرو انھیں اس میں پورا ماہر پاؤ گے -

عبدالملک بن سلیمان (　　) نے عطا ابن ابی رباح (۲۷ - ۱۱۵ھ) مفتی و محدث مکہ سے پوچھا - کیا کوئی اصحاب رسول خدا میں علی سے زیادہ عالم تھا - تو عطا نے جواب دیا لا واللہ لا اعلمہ (فتح الملک العلی)

مسروق بن اجدع تابعی یمنی (۰۰ ۳ھ ۶۸۳ھ ۶۶ء) کہتے ہیں - میں نے اصحاب رسول خداؐ کے علم کا اندازہ لگایا تو سب کے علم کی انتہا چھ آدمیوں کی طرف معلوم ہوئی - عمر - علی - عبداللہ (ابن مسعود) معاذ - ابوالدرداء - زید بن ثابت ——— پھر ان لوگوں پر نظر کی تو ان کے علم کی انتہا دو آدمیوں کی طرف معلوم ہوئی - علی اور عبداللہ بن مسعود - (کتاب علی از استاد محمد صبیح مصری ۱۴۸ مطبوعہ مصر ۱۹۴۸ء)

ابن مسعود کا حضرت علی کے علم کے متعلق یہ بیان ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ابن مسعود بھی حضرت علی کے زلّہ خوار تھے - میں نے رسول خدا کے سامنے ستّر سورے پڑھے - اور علی کے ایسے بزرگ ترین انسان کے سامنے پورا قرآن ختم کیا - (زاد السبیل مولانا غلام محمد یحییٰ ۵۶ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

انھیں ابن مسعود کا بیان ہے :-

اَعلمُ اهل المدینة بالفرائض علی ابن ابی طالب	اہل مدینہ میں فرائض کے سب سے زیادہ جاننے والے علی ہیں -

حضرت علیؑ کے رسول خداؐ سے استفادہ کی کیفیت ایک خاص نوعیت رکھتی تھی - یہ خصوصیت کسی کو میسر نہ ہوئی -

سماعت حدیث کی عام کیفیت

ایک طرف یہ کہ امیر المومنینؑ رسول خداؐ کے ساتھ سایہ کی طرح ہر وقت سامنے رہتے تھے - اور دوسرے ہمعصروں کی سماعت حدیث کی نوعیت ایک صحابی کی زبانی سُنیئے ——— براء ابن عازب (۱ ھ - ۶۰۸ء)

حضرت عثمان کے زمانے میں "رے" کے گورنر تھے۔ بخاری و مسلم میں ان کی ۳۰۵ حدیثیں ہیں۔

(طبقات بن سعد ۱۴۸ معجم البلدان)

موصوف کا انکشاف ہے:-

ما کل الحدیث سمعناہ من رسول اللہ کان یحدثنا اصحابنا وکنا مشتغلین فی رعایۃ الابل۔ واصحاب رسول اللہ یطلبون ما یفوتھم سماعہ من رسول اللہ فیسمعونہ من اقرانھم و ممن ھو احفظ (معرفۃ علوم الحدیث حاکم)

ہم نے کل حدیثیں خود رسولؐ سے نہیں سنیں۔ ہمارے اصحاب ہم سے بیان کیا کرتے تھے۔ ہم اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔ جو سننے سے رہ جاتا اسے ان لوگوں سے پوچھ لیتے جنھوں نے رسولؐ سے سُنا ہے یا اس سے جو زیادہ حافظ حدیث ہوتا۔

عہد رسولؐ میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا جس کے ذہن پر سوا رسول خدا کی سیرت کے نقش کے اور کوئی نقش ہی نہیں ہو۔ حضرت علیؑ کی پوری فطرت۔ کل کردار۔ پورا دماغ جناب رسول خداؐ کا تعمیر کیا ہوا تھا حالانکہ خود جناب رسول خداؐ نے کسی انسان سے تعلیم نہیں پائی آپ نے صرف دبستان وحی سے فیض پایا اور حضرت علیؑ کو سوا رسول خدا کے کسی نے تعلیم نہیں دی۔ حضرت علیؑ کے کمالات علمی سے دنیا واقف ہے اسی لیے بعض علماء نے حضرت علیؑ کی ذات کو خدا کی آیت اور رسول کا ایک معجزہ کہا ہے۔

علیؑ معجزۂ رسولِ خداؐ

امیر المومنین علی آیۃ من آیات اللہ ومعجزۃ من معجزات رسول اللہ۔

(۲۰۰ المستطرف فی کل من مستظرف۔ علامہ ابشیہی ۷۹۰ - ۸۵۲ھ ۱۳۸۸ - ۱۴۴۸ء)

امیر المومنین خدا کی ایک آیت ہیں اور رسول اللہ کا ایک معجزہ ہیں۔

حضرت علیؑ نے قدرت کے منشار کو پورا کیا اور بعد رسالت مآبؐ ان کے علوم کی اشاعت کے لیے ایک امین و ذمہ دار انسان کی طرح اپنے خدمات انجام دیے۔

حضرت علیؑ کی بعد رسالت مآبؐ خلافت و تعلیم و تربیت کی اہلبیتؑ اور امت محمدیہ کی اصلاح و رہنمائی کی صلاحیت اہل نظر پر چاند سورج سے زیادہ روشن ہے۔

انھیں غیر معمولی صفات کی بنا پر قرآن مجید نے حضرت علی کو "نفس رسول" کا عظیم الشان خطاب عطا کیا۔

علیؑ نفس رسولؐ

وقد تواترت الاخبار فی التفاسیر عن

عبد اللہ بن عباس وغیرہ سے تفاسیر میں متواتر حدیثیں منقول ہیں کہ رسول خدا نے مباہلہ کے دن

عبد اللہ بن عباس وغیرہ۔ ان رسول اللہ اخذ یوم المباھلۃ بید علی وحسن و حسین۔ وجعلوا فاطمۃ وراء ھم۔ ثم قال ھولاء ابناء نا و انفسنا۔ فھلموا انفسکم وابناء کم۔ ثم نبتھل، فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔" وعلی نفسہ"

(۵ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ۳۲۱ — ۴۰۵ھ
۹۳۳ — ۱۰۱۴ء)

علی وحسن وحسین کا ہاتھ پکڑا اور فاطمہ کو سب کے پیچھے رکھا۔ اور فرمایا یہ ہماری اولاد ہیں اور ہمارے نفس ہیں۔ تم بھی اپنے نفس اور اولاد و عورتوں کو لاؤ۔ پھر خدا کی بارگاہ میں مباہلہ کریں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کریں علی نفسِ رسول خدا ہیں۔

خلافت وجانشینی اور اتحادِ مقصد اور تکمیلِ صفات امیر المومنینؑ کے لیے "نفسِ رسولؐ" سے بہتر کوئی تعبیر ممکن نہیں ہے۔ نبوت و رسالت کے سوا دوسرے نیابت کے صفات حضرت علیؑ میں بدرجہ کمال منتقل ہوئے تھے اور حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ کے اعلیٰ صفات کا مرقع بن گئے تھے۔ علم وتقویٰ۔ اعلیٰ کردار۔ جان نثاری۔ خدا ورسول کی نص وتعیین کے علاوہ نیابت کے لیے اگر کچھ صفات ہیں تو وہ ہم کو معلوم نہیں۔ جہاں تک حدیث وتاریخ کا مطالعہ ہماری رہنمائی کرتا ہے خدا ورسول نے انقطاعِ وحی کے بعد کے لیے مسلمانوں کو ایک مکمل دماغ ایک مکمل سیرت عطا کی۔ اور احادیث فضائل بیان کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ جناب رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ سے دینی واخروی مسائل میں تمسک کیا جائے اور ان کی پیروی و اطاعت کو نجات و فلاح کا ذریعہ سمجھا جائے۔

انبیاء اور ولایت حضرت علیؑ

جس طرح انبیاء سابقین سے رسالت حضرت محمد مصطفیٰؐ کا اقرار لیا جاتا تھا اور انھیں خاتم الانبیاء کے شرف و وجاہت سے باخبر کیا جاتا تھا اسی طرح حضرت علی کی ولایت کا بھی ان سے اقرار لیا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی ریاست وامامت کوئی سیاسی عہدہ نہ تھا جسے جمہور اپنی ملکیت سمجھتا ہے بلکہ یہ ایک عہدۂ الٰہی تھا۔ نظر الٰہی جسے اپنے منصب کے لیے اہل پاتی ہے اسے معزز کرتی ہے — جناب رسول خداؐ کی یہ حدیث توجہ خاص سے مطالعہ کی مستحق ہے۔

حدثنا ابو الحسن محمد بن المظفر الحافظ۔ قال حدثنا عبد اللہ بن محمد بن غزوان قال حدثنا محمد بن عن ابراھیم عن الاسود عن عبد اللہ قال قال النبی۔ یا عبد اللہ۔ اتانی ملک فقال یا محمد سل من ارسلنی

مجھ سے ابو الحسن محمد بن مظفر حافظ نے بیان کیا کہا مجھ سے عبد اللہ بن محمد بن غزوان نے بیان کیا کہا مجھ سے محمد بن نے ابراہیم سے ان سے اسود نے ان سے عبد اللہ بن مسعود نے بیان کیا کہا۔ رسول خدا نے فرمایا۔ اے عبد اللہ میرے پاس فرشتہ آیا اور کہا مجھ سے پوچھو کہ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے

www.kitabmart.in

من ارسلنا من قبلك من رسلنا علی ما بعثوا — قلت علی ما بعثوا — قال علی ولایتك وولایة علی ابن ابی طالب — قال الحاکم تفرد به.. علی بن جابر عن محمد بن خالد عن محمد بن فضیل — ولم نکتبه الا عن ابن مظفر — وھو عندنا حافظ ثقة مامون (۹۶ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم)

ان سے کیا عہد لیا۔ میں نے پوچھا کیا عہد لیا۔ ارشاد ہوا کہ تمھاری ولایت اور علی کی ولایت کا عہد لیا۔ حاکم کہتے ہیں۔ علی بن جابر اس روایت میں منفرد ہیں ان سے محمد بن خالد نے بیان کیا ان سے محمد بن فضیل نے اور ہم نے ابن مظفر کے سلسلہ سے لکھا ہے اور یہ ہمارے نزدیک ثقہ و مامون ہیں۔

اس حدیث کو خطیب خوارزم فقیہ و فاضل و ادیب علامہ موفق بن احمد مکی نے کتاب مناقب علی بن ابی طالب میں نقل کیا ہے۔ مناقب علی اخطب خوارزم جلیل القدر علماء کا ماخذ رہی ہے۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں محمد بن یوسف گنجی نے کفایۃ الطالب میں ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں۔ قندوزی نے ینابیع المودۃ میں۔ ابراہیم بن محمد حموینی نے "فرائد السمطین" میں مناقب خطیب خوارزم کے حوالے دیے ہیں۔ موصوف نے حدیث بالا کے اسناد اپنی مناقب میں حسب ذیل لکھے ہیں:-

اخبرنی شھرداد اجازۃ — اخبرنی احمد بن خلف اجازۃ حدثنی محمد بن المظفر الحافظ حدثنا عبد اللہ بن بن غزوان حدثنا علی بن جابر حدثنی محمد بن خالد بن عبد اللہ حدثنی محمد بن فضیل — حدثنی محمد بن سوقہ عن ابراھیم عن الاسود عن عبد اللہ بن مسعود — قال قال اتانی ملك الخ

(۲۲۶ مناقب اخطب خوارزم متوفی ۵۶۸ھ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ)

حضرت علیؑ کی محبت و اطاعت کی اسلامی اہمیت

حضرت علی علیہ السلام کو رسول خدا کی نظر میں ترجمان شریع کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے حضرت نے اُن کی محبت و اطاعت کے وجوب کی طرف امت کو متوجہ فرمایا۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا:-

حب علی یاکل الذنوب کما تاکل النار الحطب — (۱۵۹ تاریخ ابن عساکر ۴۹۹-۵۷۱ھ)

علی کی محبت گناہوں کو نابود کر دیتی ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے

گناہوں کے مٹانے میں علیؑ کی محبت کی اس تاثیر سے مراد یہ ہے کہ انسان ان کی اتباع و پیروی سے صالح و مرتاض اور خدا کا فرمانبردار بن جاتا ہے اور اپنے گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے اس سے یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ علیؑ کی زندگی خطا سے محفوظ تھی ورنہ ان کی محبت یہ عظیم الشان تاثیر نہ رکھتی کہ گنہگار کو صالح بنا دیتی۔

امام احمد حنبل اور حاکم و طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا یہ قرابت دار آپ کے کون ہیں۔ ہم پر جن کی محبت واجب ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا:۔

علی و فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند (اتحاف بشراوی ۵)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا:۔

انی تارک فیکم امرین۔ لن تضلوا ان اتبعتموھا۔ کتاب اللہ و اھلبیتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض۔ فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔ (۔ اتحاف بشراوی)

میں تم میں دو امر چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کی پیروی کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ یہ کتاب اللہ اور میرے اہلبیت ہیں۔ یہ دونوں جب تک میرے پاس حوض کوثر پہ نہ پہنچ جائیں آپس میں جدا نہ ہوں گے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی نے "صواعق محرقہ" میں حدیث ثقلین درج کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

سمی النبی القرآن والعترۃ ثقلین لان الثقل کل نفیس خطیر مصون بہ. وھذان کذلک۔ اذ کلٌّ منھما معدنٌ للعلوم الدینیۃ۔ والاسرار العقلیّۃ الشرعیۃ، ولھذا حث علی الاقتداء بھما ___

رسول خداؐ نے قرآن و عترت کو "ثقلین" فرمایا۔ اس لیے کہ ثقل نفیس وگرانقدر چیز کو کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہی ہیں — اس لیے کہ دونوں علوم دینی اور اسرار عقل شرعی کا معدن ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی اقتدا پر آمادہ کیا۔

حدیث "ثقلین" میں نہایت صاف وصریح و روشن الفاظ میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن و اہلبیت کی اتباع سے نجات یقینی ہے۔ اور ان دونوں کی راہیں ایک ہیں۔ دونوں دینی و عقلی اسرار کے معدن ہیں۔ ائمہ اہلبیت اور حضرت علی علیہم السلام رکن اسلام ہیں۔ ان کی اطاعت و محبت واجب کی گئی ان کی مخالفت معصیت، ان کی دشمنی کو نفاق کہا گیا۔ رسول خداؐ کے ساتھ ان پر درود وسلام لازم قرار دیا گیا

قال رسول اللہ عدھن فی یدی جبرئیل، وقال جبرئیل ھکذا انزلت بھن من عند رب العزۃ۔ اللھم

رسول خداؐ نے فرمایا مجھ سے جبرئیل نے کہا۔ جبرئیل نے کہا حضرت رب العزت کی جانب سے اسی طرح یہ درود نازل ہوا ہے۔ معبود! محمد و آل محمد پر اسی طرح

صل علی محمد وعلی ال محمد - کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انك حمید مجید، اللهم بارك علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ال ابراهیم - انك حمید مجید، اللهم ترحم علی محمد وال محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انك حمید مجید، اللهم تحنن علی محمد و علی ال محمد کما تحننت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم - انك حمید مجید، اللهم وسلّم علی محمد وال محمد کما سلّمت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انك حمید مجید - (۳۳ معرفة علوم الحدیث للحاکم)

رحمت نازل فرما جس طرح ابراہیم و آل ابراہیم پر تو نے رحمت نازل کی - تو بزرگ و قابل تعریف ہے - معبود! محمد و آل محمد پر رحم کر جس طرح ابراہیم و آل ابراہیم پر تو نے رحم کیا - تو ممدوح و بزرگ ہے - معبود! محمد و آل محمد پر مہربانی فرما جس طرح ابراہیم و آل ابراہیم پر تو نے مہربانی فرمائی - تو ممدوح و بزرگ ہے - معبود! سلامتی نازل فرما محمد و آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم و آل ابراہیم پر سلامتی نازل فرمائی - تو ممدوح و بزرگ ہے -

حضرت علیؑ کی ہمہ دانی وجامعیت و فداکاری پر علماء سلف اور مورخین عصر حاضر کے تبصرے

انھیں آثار کے مطالعہ سے جو تبصرہ نگار حق پسندی و بلند نفسی سے کام لیتے ہیں انھیں لکھنا پڑتا ہے :-

فهو ابن عمه، وباب مدینة علمه، و موازره، ومواخیه، وزوج فاطمة البتول، وقرة عین الرسول، البحر المسجور، والعلم المنشور، والليث المهصور، والسيف البتور، ذو الکرامات الظاهرة، والبراهين القاطعة، والحجج البالغة (۴۶ مختصر کتاب صفوة الصفوة للحافظ المورخ الفقیه ابو الفرج الشیخ عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی م ۵۹۷ھ مطبوعہ مصر ۱۳۳۹ھ ملخص شیخ عبد الوہاب شعرانی)

وہ رسول خدا کے برادر عمزاد ہیں - اُن کے شہر علم کے دروازے - ان کے مددگار - رسول کی عزیز بیٹی فاطمہ کے شوہر ہیں - وہ بہتے ہوئے دریا - لہراتے ہوئے علم، تیغ براں، حملہ آور شیر - صاحب کرامات ظاہرہ و براہین قاطعہ و حجت کاملہ ہیں -

استاد خیر الدین زرکلی معاصر متوفی لکھتے ہیں :-

ابن عم النبی وصهره واحد الشجعان

وہ رسول خدا کے چچیرے بھائی اور داماد اور بہادروں میں

الابطال ومن اکابرالخطبا والعلما بالقضا۔
واوّل الناس اسلاما بعد خدیجة۔
وُلد بمکة ورُبّی فی حجر النبی۔ ولم
یُفارقه، وکان اللواء بیدہٖ، فی اکثر
المشاهد، ولما اٰخی النبی بین اصحابه
قال له انت اخی، له فی الصحیحین
۵۸۶ حدیثا)

ایک بڑے بہادر، بڑے خطیب و عالم بالقضا خدیجہ
کے بعد پہلے مسلمان - اکثر جنگوں میں انھیں کے
ہاتھ میں علم تھا۔ مکہ میں پیدا ہوئے، رسول کی آغوش
میں تربیت پائی اُن سے جدا نہ ہوئے۔ جب رسول
نے اصحاب میں رشتۂ مواخاۃ قائم کیا تو اُن سے
فرمایا تم میرے بھائی ہو۔ صحیحین میں ان کی ۵۸۶
حدیثیں ہیں۔

استاد محمد کامل "حتہ" لکھتے ہیں:-

ھی حیاة حافلة بالصور الرائعة
والماسی الدامیة، ذلك لان للامام
شخصیة بارزةٌ امتازت بکثیر من المواهب
السّامیة۔ وانطوت علی کنوز من اسرار
الحیاة، ماکان لها الا ان تکون کذلك۔
وقد نشاءت فی حجرالنبوة۔ ودرجت
مع الاسلام۔ وأیة من ایات الدهر،
وانه کانت تلك الحیاة العظیمة
متعددة النواحی والصّور۔ فلا تکاد
تستعرض ناحیة من نواحیها المختلفة
حتی تردعك تلك العظمة الخالدة
بما تفیض به من قوة وحیاة۔ فتجزم
بان هذہ الناحیة ابرزالنواحی فی حیاة
الامام، وان قد بلغ فیها من العظة
والسُّمو مبلغا یقصر دونه جیل من الناس۔
فاذا طویت هذہ الناحیة واستعرضت
اخری راعك منها ماراعك فی الاولی،
فاذا بك امام ناحیة عمیقة الغور،
تُرغمك علی تعدیل رایك الاوّل،

یہ زندگی لبریز ہے دلکش صورتوں اور خونیں
سانحوں سے اس لیے کہ امام کی ممتاز شخصیت بکثرت
بلند کمالات کی وجہ سے نمایاں ہے۔ اور اسرار حیات
کے بہت سے خزانوں پر مشتمل ہے۔ اور آپ کی
زندگی کو ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ آغوش رسالت
میں آپ کی تربیت رہی اور اسلام کے ساتھ نشوونما
ہوا۔ یہ عظیم زندگی مختلف رخ رکھتی ہے۔ ایک رُخ
پر نظر ڈالو تو تمھیں دوسرا رُخ آپ کی دائمی عظمت
سے حیرت میں ڈالتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں قوت و
زندگی ہے۔ جب تم امام کی زندگی کے کسی ایک رُخ پر
نظر کروگے تو یقین ہو جائے گا کہ یہی آپ کی زندگی کا
سب سے نمایاں پہلو ہے۔ حالانکہ آپ کی زندگی کا
ہر رخ جاذب و دلکش ہے کسی ایک وصف کو دیکھو
تو بلندی و عبرت کے لحاظ سے ایسا نظر آئے گا کہ
انسانوں کا ایک گروہ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر
نظر آئے گا ——— جب تم حضرت کی زندگی
کے کسی دوسرے رُخ کو دیکھوگے تو پہلے کی طرح اس سے
بھی ششدر رہ جاؤگے۔ اس وقت تم یہ محسوس
کرنے لگوگے کہ تمھارے سامنے ایک ایسی حقیقت ہے

وهكذا ادوا ليك ، تستعرض نواحيه واحدة اثر واحدة ، وانت ترى في كل مرة ان كلا منها جديرة بان تملك على الامام فكره ومواهبه وتجعله عليه المفرد حتى تنتهي الى التسليم بان تلك العظمة الخالدة -

وان علي كان اماما في الحرب، اماما في السياسة، اماما في الدين، اماما في الفلسفة، اماما في اللغة، اماما في الادب، واماما في كل هذه الفنون على السواء ليس على الله بمستنكره - ان يجمع العالم في واحد

صور من الادب الديني او صفحة من حياة الامام علي -

(از استاد محمد کامل حتہ مصری ۴۵)

جس میں بہت گہرائی ہے اس وقت تم کو صفت پہلی رائے کی تبدیلی پر مجبور کرے گی (تم نے پہلی صفت کی تکمیل کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر یہ طے کیا کہ امام کی سب سے بڑی صفت یہی ہے مثلاً اس عہد کے سب سے بڑے شجاع ہیں اور یہی صفت آپ کی نمایاں ترہے - لیکن جب علم کو دیکھا تو رائے بدلنی پڑی کہ صرف شجاعت میں آپ کی صفت نمایاں نہیں ہے بلکہ علم بھی اسی طرح دوسرے صفات کے مطالعہ سے حیرت بڑھتی جاتی ہے اور آپ کی جامعیت واکملیت کا تصور بڑھتا جاتا ہے) آخر میں تمھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا -

علی جہاد میں امام، سیاست میں امام، دین میں امام فلسفہ میں امام، ادب میں امام، لغت میں امام - ان سب چیزوں میں مساوی درجہ امامت آپ کو حاصل تھا اللہ کی قدرت کے مقابلے میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک شخص میں سارے عالم کی صلاحیتیں ودیعت کر دے -

ان تبصروں سے بھی حضرت علیؑ کے اوصاف کی ایک ہلکی سی تصویر سامنے آتی ہے - اسلام کو قابل اطمینان مفسر وشارح کی ضرورت تھی اور حضرت علیؑ میں رہنمائی وقیادت کے سب اوصاف بوجہ کمال موجود تھے ان سے رجوع واستفادہ میں امت ہی کا فائدہ تھا -

حضرت علیؑ کے کردار کا دلوں پر سکّہ

قیادت ورہنمائی کے لیے بڑے پرکھ کی ضرورت ہے - قیادت بھی ایسی جو صرف ایک عہد کے لیے نہیں - ایک نسل کے لیے نہیں - ایک قوم کے لیے نہیں - اس قیادت کے نتائج صرف موجودہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ دنیا وآخرت کی قیادت جسم وروح، ذہن وعمل کی قیادت کے لیے جو شخصیت بھی سامنے آئے اسے ہر طرح جانچنے پرکھنے کی ضرورت ہے -

سب سے بڑا معیار ہمارے سامنے خدا ورسول کی تشخیص وتعیین ہے - وہ جسے ہماری ہدایت کا ذمہ دار بنائے گا وہ کبھی غلطی نہ کر سکے گا اور ہر موقع پر اس سے ہمیں رہنمائی حاصل ہوگی - اسی لیے

ہم قرآن وحدیث سے رہنما کے صفات اور رہنما کی تعیین و تشخیص کے درپے ہیں۔

اگر قرآن وحدیث سے قطعی طور پر ہمارے سامنے وہ شخصیت آجاتی ہے تو ہم نہایت سکون و اطمینان سے اس کی قیادت پر بھروسہ کر کے اس کے نشانِ قدم پر چل کھڑے ہوں گے۔

ہم نے اس موقع پر قرآن وحدیث کا منشا سمجھا اور جانا کہ وفاتِ رسول کے بعد خدا و رسول کیسے مسندِ نیابت پر دیکھنا چاہتے تھے —————— اور ہم نے دیکھا کہ قرآن وحدیث سے اس منصب کے لیے حضرت علیؑ ہی کی شخصیت سورج کی طرح اُبھرتی ہوئی نظر آئی۔ اب ہم یہ اندازہ کرنا چاہتے ہیں کہ دلوں پر آپ کے کردار کا کیا اثر تھا۔ مزید اطمینان کے لیے یہ بھی ایک کامیاب طریقہ ہے۔ اعلیٰ کردار کا اثر دوست و دشمن سب پر کسی نہ کسی طرح ہوتا ہی ہے۔ حضرت علیؑ کے کمالات و فضائل اور اعلیٰ صفات اتنے بلند تھے کہ خویش و بیگانہ سب ہی متاثر ہوئے جنھیں آپ کی معرفت حاصل تھی اور آپ سے خلوص تھا اُن کے قلبی تاثرات نے دشمنوں کی آنکھوں کو اشکبار کر دیا۔ سُولی پر۔ تلوار کے سامنے۔ تاریک قید خانے کے پیشِ نظر۔ ذلت پریشانی کے خطروں کے سامنے۔ دم توڑتے ہوئے مجاہدین و مخلصین نے جس بلند ترین کردار کا اعلان کیا ہے وہ صرف حضرت علی ہی کا کردار ہے۔ سچی قیادت دلوں سے اپنی سچائی کی گواہی لے لیتی ہے۔

"زید بن صوحان" جنگ جمل میں زخمی ہو گئے۔ عالمِ نزع میں امیر المومنینؑ ان کے سرہانے بیٹھے فرما رہے تھے:۔

خدا تم پر رحم کرے۔ تم فرض کو بہت محسوس کرنے والے تھے۔

زید نے حضرت کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور کہا:۔

وانت یا امیرالمومنین فجزاك الله خیرا۔ فوالله ما علمتك الا بالله علیما و فی ام الکتاب علیاً حکیما۔ وان الله "فی صدرك لعظیم" والله ما قاتلت معك علی جهالة۔ ولکن سمعت ام سلمه زوج النبی تقول۔ سمعت رسول الله۔ اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله۔ فکرهت ان اخذلك فیخذلنی الله (۴۵ اخبار الرجال محمد بن عمر بن عبدالعزیز ابو عمرو کشی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۷ھ)	اے امیر المومنین خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ بخدا میں نے آپ کو عارف باللہ ہی جانا۔ قرآن میں آپ ہی کو "علی حکیم" کہا گیا ہے۔ خدا آپ کے سینے میں نہایت بزرگ ہے۔ بخدا میں نے آپ کے ساتھ ہو کر ناواقفیت سے جہاد نہیں کیا ہے۔ بلکہ میں نے زوجہ پیغمبر ام سلمہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ انھوں نے رسول خدا سے سنا۔ پروردگار تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے۔ اور اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اسے چھوڑ دے جو علی کو چھوڑ دے اس حالت میں میں نے ناپسند کیا کہ آپ کو چھوڑ دوں اسکے نتیجہ میں خدا مجھے چھوڑ دے۔

زندگی کے آخری لمحات میں یہ پُرعقیدت و مخلصانہ خیالات ایک نہایت ہی نورانی کردار اور بلند ترین اوصاف کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ انسان اس دنیا کو چھوڑ رہا ہے جس کی بعض چیزیں اسے بہت عزیز ہیں۔ وہ اہل و عیال اور احباب و وطن اور زندگی سے رخصت ہو رہا ہے اور ایک بالکل نئی دنیا کا سامنا کر رہا ہے۔ لیکن اس وقت بھی وہ مطمئن ہے کہ اس نے ایک ایسے مقرب الٰہی کا دامن پکڑا ہے جس کے تقرب اور روحانی منصب پر اُسے حق الیقین ہے۔ زید مرنے کے وقت بہت خوش تھے کہ انھیں امیر المومنینؑ کی قیادت حاصل تھی۔

امیر المومنینؑ کی تاسی پر ابو رافع کا فخر

ابو رافع کی ۸۵ سال کی عمر تھی۔ یہ عمر کافی سکون و راحت چاہتی تھی۔ اور نجات اُخروی کی تمنائیں اس عمر میں دل میں زیادہ جگہ بنا لیتی ہیں۔

مدینہ میں ابو رافع کا گھر تھا۔ مگر وہ اسے بیچ ڈالتے ہیں۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ کوفہ میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں ——— ابو رافع کے خیالات سے اندازہ ہوگا کہ وہ رضائے الٰہی کے کیسے "جویا" تھے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ سے توسل میں ان کو اپنی اُخروی سرخروئی کس درجہ محسوس ہوتی تھی۔ وہ کہتے تھے:۔

الحمد للہ لقد اصبحت لا احد بمنزلتی لقد بایعت البیعتین، بیعت العقبۃ، وبیعۃ الرضوان، وصلیت القبلتین، وھاجرتُ الھجر الثلاث" قلت وما الھجر الثلاث، قال ھاجرت مع جعفر بن ابی طالب الی ارض الحبشۃ، وھاجرتُ مع رسول اللہ الی المدینۃ وھذہ الھجرۃ مع علی بن ابی طالب الی الکوفۃ۔

(۵ رجال نجاشی، احمد بن علی بن احمد بن عباس کوفی متوفی سنہ ۴۵۰ھ)

خدا کی حمد میرا کوئی مدمقابل نہیں۔ میں نے دو بیعتیں کیں بیعت عقبہ، اور بیعت رضوان اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ اور تین ہجرتیں کیں میں نے پوچھا وہ تین ہجرتیں کون ہیں۔ کہا جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبش ہجرت کی۔ رسول خدا کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ اور یہ علی بن ابی طالب کے ساتھ کوفہ ہجرت کی۔

دلوں پر اثر کی ایک شہادت

"ابو الجزور" نے "اصبغ بن نباتہ" سے پوچھا۔ تمھارے دلوں پر علی کا کیا اثر تھا۔ "اصبغ" نے کہا۔ اتنا سمجھ لو تلواریں ہمارے شانوں پر ہوتی تھیں اور حضرت جدھر اشارہ فرماتے تھے ان کی دھاریں اسی طرف ہوتی تھیں۔ (۶۹ رجال کشی)

حضرت علیؑ کے کردار سے "صالح فطرت" اور "پاکیزہ شعور" کے تاثرات کی حدیں قائم کرنا مشکل ہے

اور اس موضوع پر بحث و نظر کے لیے کافی توجہ کی ضرورت ہے۔

اللہ ری عندلیب کی آواز دلخراش جی ہی نکل گیا جو کہا اس نے ہائے گل

تلوار کی چھاؤں میں والہانہ تاثرات

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ حضرت کے مخلصین کو شام بلایا کرتے تھے۔ کسی پر تعریض کرتے کسی کی آیندہ زندگی کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے۔

جن لوگوں کو بلایا گیا ان میں جوان، بڈھے، عورت، مرد، عالم و زاہد سب طرح کے لوگ تھے۔ اس موقع پر سرفروش مخلصین کے بیانات کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے مخلصانہ بیانات اتنے پرکشش تھے کہ تاریخ و ادب کی کتابوں نے اُن کے تذکرے سے اپنے جمال میں اضافہ کیا۔ اس موقع کے چند احساسات کے بیان کے لیے گنجایش نکالی جاسکتی ہے۔

ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیثی سے گفتگو کے درمیان میں معویہ نے عمرو عاص سے کہا ـــــ تم انھیں نہیں پہچانتے۔ یہ صفین کے شہسوار اور شاعر علی کے دوست ہیں۔ پھر کہا۔ علی کی محبت تمھارے دل میں کتنی ہے۔ ابو الطفیل نے کہا۔ اتنی جتنی مادر موسی کے دل میں حضرت موسیٰ کی محبت تھی۔ معویہ نے کہا تم ان کی یاد میں کتنا آنسو بہاؤ گے۔ کہا اتنا جتنا ایک پسر مردہ عورت اور کہن سال بڈھا روتا ہے۔ اس کے بعد بھی خدا سے اپنی کوتاہی کا عذر کروں گا (۱۲۸/۵ تاریخ ابن عساکر)

معمولی کردار کی یہ قیمت نہیں لگ سکتی۔ بغیر کسی دنیاوی منفعت کے ہولناک خطروں کا سامنا نہیں کیا جاتا۔ لیکن امیر المومنینؑ کے عشاق حضرت کی شہادت کے بعد زندگی کے کیف سے محروم ہوگئے۔ وہ بقیہ زندگی نہایت قلق و اضطراب سے گزارتے رہے۔

ضرار بن ضمرہ کنانی کو بھی معویہ نے بلایا اور ان سے کہا کہ علیؑ کے اوصاف بیان کرو۔ ضرار سمجھتے تھے کہ مقصد کیا ہے۔ انھوں نے بہت معافی چاہی لیکن جواب ملا۔ بیان کرنا ہوگا اس پر ضرار نے زندگی سے ہاتھ دھو کر نہایت پرجوش و ولولہ انگیز احساسات پیش کیے۔ یہ بیان کافی اہم ہے اور اس سے حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ضرار نے کہا،

فانہ واللہ کان بعید المدی شدید القوی یقول فصلا و یحکم عدلا یتفجر العلم من جوانبہ و تنطق الحکمة علی لسانہ ..... لا یطمع القوی فی باطلہ ولا ییأس الضعیف من عدلہ"

ارادے ان کے وسیع تھے۔ قوی دل تھے فیصلہ کن بات فرماتے۔ عادلانہ فیصلے کرتے۔ علم ان کے پہلو سے اُبلتا تھا۔ ان کی زبان سے جو بات نکلتی مبنی بر حکمت ہوتی طاقتور کو ان سے کوئی توقع نہ ہوتی کہ وہ ان سے اپنی غلط روی میں تائید حاصل کرسکے گا۔ کمزور ان کے عدل سے کبھی مایوس نہ ہوتا۔

ان سے بھی معویہ نے "طنزاً" پوچھا تم پر ان کے مرنے کا کتنا اثر ہے۔ ضرار نے کہا:

وجد من ذبح واحدها فی حجرها، لا ترقا دمعتها، ولا تسکن حرارتها۔ (۳۶/۴ تاریخ ابن عساکر)

اتنا غم ہے جتنا اس عورت کو غم ہو جس کا اکلوتا بیٹا اس کی گود میں ذبح کیا گیا ہو۔ اور اس کا آنسو نہ تھمتا ہو۔ اور نہ اس کی سوزش دل کم ہوتی ہو۔

کتاب علی کے مصنف "محمد صبیح مصری" (۱۵۳ ج ۲ میں) ضرار کا بیان نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

هذا وصف احد اتباعه له بعد موته، یقول فیه هذا القول، وهو یعلم ان السیف مسلط علی عنقه، ومع هذا یغلبه حبه لعلیؑ فتهون امامه الحیاة وینطق بما مر

حضرت علی کی موت کے بعد ان کے ایک پیرو کے یہ خیالات ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے سر پر تلوار کھنچی ہوئی ہے اس کے باوجود علی کی محبت اس پر غالب آتی ہے اور اسے محبت کے سامنے زندگی کمتر نظر آتی ہے۔

ٹپکا کرے ہے آنکھ سے لوہو ہی روز و شب
چہرے پہ چشم یہ ہے کہ یا کوئی گھاؤ ہے

خالد بن معمر بن سلمان بن حارث وائلی کو معویہ نے بلایا اور پوچھا علی کی محبت تمہارے دل میں کتنی ہے۔ خالد نے معافی چاہی کہ یہ ذکر نہ چھیڑیے۔ لیکن معاف نہیں کیا گیا۔ اصرار باقی رہا۔ تو خالد نے ایک عجیب انداز سے بیان شروع کیا۔

احبه والله علی حلمه اذا غضب ووفائه اذا عقد وصدقه اذا اکد، وعدله اذا حکم

میں انھیں اس بنا پر محبوب رکھتا ہوں کہ وہ غصہ کے موقع پر حلم فرماتے۔ اور جب کوئی عہد کرتے تو وفا کرتے ان کی بات سچائی پر مبنی ہوتی۔ وہ جب کوئی فیصلہ کرتے تو عادلانہ ہوتا۔

خالد نے جس مہلک نتیجہ کی بنا پر اس فرمائش کی تعمیل سے بچنا چاہا تھا وہ سامنے آگیا۔ انھیں "ارمینیہ" کی گورنری کا پروانہ دیا گیا۔ اور جب وہ نصیبین پہنچے تو انھیں زہر آلود پانی پلا کر مار ڈالا گیا۔ (۵۵/۵ ابن عساکر)

اگر میں نے سنا ہوتا تو زندگی بھر علی کا خادم بنا رہتا

معاویہ نے سعد بن وقاص سے پوچھا تم ہمارے ساتھ ہو کر علی سے کیوں نہ لڑے؟ سعد نے کہا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ایسے شخص سے لڑتا جس کے بارے میں میں نے رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا:۔

انت منی بمنزلة هارون من موسی غیر انه لا نبی بعدی۔

تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسی سے تھی۔ فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

معویہ نے پوچھا آپ کے ساتھ اور کس نے سُنا۔ انھوں نے سننے والوں کے نام بتائے۔ سننے والوں میں حضرت ام سلمہ کا نام بھی تھا۔ معویہ نے کہا۔ فلاں و فلاں و ام سلمہ۔ پھر معویہ سعد بن وقاص کے ساتھ حضرت ام سلمہ کے پاس آئے۔ تو انھوں نے کہا کہ جناب رسول خدا نے علیؑ کے متعلق فرمایا ہے :-

انت مع الحق والحق معك حيثما دار۔	تم حق کے ساتھ ہو۔ اور ہر حالت میں حق تمھارے ساتھ ہے۔

معویہ نے یہ سن کر کہا۔

لوسمعت هذا لكنت خادما لعلي حتى اموت۔ (۱۰۱/۴ ابن عساکر)	اگر میں یہ سنتا تو آخری دم تک علی کا خدمت گزار رہتا۔

ہجرت و شجاعت و سلامتی قلب

شداد بن اوس بن ثابت صحابی م ۵۸ھ سے معویہ نے پوچھا۔ میں افضل ہوں یا علیؑ تھیں کس سے زیادہ محبت ہے شداد دل کی عقیدت اور زمانہ سازی کی غمازی کرتا ہے۔

على اقدم هجرة واكثر مع رسول الله سابقة واشجع منك نفسا واسلم منك قلبا۔	علی ہجرت میں آپ سے مقدم ہیں۔ اور رسول کے ساتھ ان کا رابطہ زیادہ ہے۔ وہ آپ سے زیادہ شجاع اور سلیم القلب ہیں۔

محبت کے متعلق کہا۔ علی کا انتقال ہوگیا۔ آج یہ نسبت اُن کے آپ سے لوگوں کی امیدیں زیادہ وابستہ ہیں۔ (۲۹۱/۴ ابن عساکر)

خواتین کی عقیدت

متعدد جری خواتین کو معویہ نے دربار میں بلایا اور ان کے دل پر علیؑ کے اثر کا اندازہ لگانا چاہا۔ انھیں قتل کی دھمکی دی۔ عورتوں کے قتل میں بدنامی تھی۔ ان سے کہا تھیں معاف کیا۔ پھر داد و دہش سے ان کی عقیدت حاصل کرنی چاہی۔ انھیں بڑی تعداد میں اونٹ دیے۔ اور پھر خود ہی کہا۔ تھیں یہ دولت علی سے ہرگز نہ ملتی۔ اس کے جواب میں وہ بیساختہ کہہ اُٹھیں۔

اجل ما كان على يعطيني وبرة من اموال المسلمين۔ (۲۵ کتاب علی از محمد صبیح مصری)	ہاں۔ علی مسلمانوں کے مال میں سے ایک بال بھی دینے والے نہ تھے۔

اروی بنت حارث قرشیہ (۵۰ھ ۶۷۰ء) نہایت معمر تھیں۔ مدینہ میں رہتی تھیں۔ ان سے امیرالمومنینؑ کے بارے میں معاویہ نے گفتگو کی۔ اہل دربار نے ان کی پیرانہ سالی پر تعریضیں بھی کیں۔ اروی کی منطق نے سب کو دم بخود کردیا۔ اس پر معاویہ نے کہا :-

ان نساء بنی ھاشم لافصح من رجال غیرھا۔ (۹۳/۱ اعلام زرکلی)

بنی ہاشم کی عورتیں دوسرے قبائل کے مردوں سے زیادہ فصیح ہیں۔

علیؑ کی پیروی سے صحابہ کی فضیلت کا معیار

ابان بن تغلب سے پوچھا گیا۔ علی کے ساتھ رسول اللہ کے کتنے صحابی تھے۔ ابان نے کہا:۔

کانک ترید فضل علی بمن تبعہ من اصحاب رسول اللہ فقال الرجل ھو کذلک۔ فقال واللہ ماعرفنا فضلھم الا باتباعھم ایاہ (۹ رجال نجاشی)

تم علی کی فضیلت یوں جاننا چاہتے ہو کہ اصحاب رسول میں کتنے اُن کے ہمنوا تھے۔ سائل نے کہا۔ ہاں۔ ابان نے کہا۔ ہم نے اصحاب رسول کی فضیلت علی کی پیروی ہی سے جانی۔

غیر مسلم دماغ پر حضرت علیؑ کے کردار کا اثر یہ احکام انبیا ہیں

پاک دل اور سعید مسلمانوں کی وارفتگی و گرویدگی کا معمولی اندازہ ہوا بعض وہ ہستیاں بھی سامنے آئیں جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نہ تھیں لیکن حضرت کی فضیلت ان کی زبان پر جاری ہوگئی۔ غیر مسلم دماغ بھی حضرت سے متاثر ہوئے۔ غیر مسلم اور نیک دل انسانوں کے لیے خواہ اُن کے عقائد کچھ ہی ہوں حضرت علیؑ کا کردار پیام اسلام بن جاتا تھا۔ وہ خود حضرت سے متاثر ہو کر اسلامی زندگی کو قبول کر لیتے تھے۔

ایک عیسائی کو امیر المومنینؑ کے ایام حکومت میں حضرت کی زرہ پڑی ہوئی ملی۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ حضرت امیر المومنینؑ کی اس پر نظر پڑی۔ آپ نے اسے قاضی شریح کی عدالت میں پیش کیا۔ قاضی شریح نے عیسائی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور کہا کہ امیر المومنینؑ کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔ عیسائی امیر المومنینؑ کی عادلانہ حکومت سے بیحد متاثر ہوا۔ اور اس نے خود ہی اقرار کر لیا کہ زرہ آپ کی ہے۔ اور حضرت کا یہی عمل اس کے اسلام کا باعث ہوا۔ اس نے اسی جگہ اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ کہا:۔

اما انا فاشھد ان ھذا لاحکام الانبیاء امیر المومنین یجئی الی قاضیہ وقاضیہ یقض علیہ۔ (۳۰۷/۷ ابن عساکر)

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ احکام انبیا ہیں (یعنی نبی کی شریعت کے عین مطابق ہیں) امیر المومنینؑ اپنے قاضی کے پاس آتے ہیں اور ان کا قاضی ان کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

عیسائی صرف مسلمان نہیں ہو گیا بلکہ امیر المومنینؑ کی مسلک کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہو گیا۔ شریح اگرچہ حضرت امیر المومنینؑ کے مخلصین میں نہیں ہیں لیکن ان کا تحت الشعور حضرت کے

علم و فضل سے اتنا متاثر تھا کہ ضمن کلام میں بیساختہ زبان پر حضرت کی فضیلت آجاتی تھی۔

وہ حضرت علیؑ کے توسط سے جناب رسول خداؐ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے یمن کے سفر کے موقع پر رسول خدا نے فرمایا دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں عقلمند و جاہل۔ عقلمند معافی کا مستحق ہوتا ہے اور جاہل سزا کا۔ یہ روایت شریح ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں:۔

حدثنا علی بن ابی طالب وکان اقضی الامۃ۔ (۱۳۳ ابن عساکر)	ہم سے علی نے بیان کیا اور وہ امت مسلمہ میں سب سے بڑے قاضی تھے۔

کردار کی تجلیاں، موجود و معدوم کا فرق

شیخ الاسلام علامہ شبراوی (الاتحاف بحب الاشراف ۔ میں) امیر المومنینؑ کو موجود اور ان کے سوا سب کو معدوم فرض کرتے ہیں۔

اولئك القوم ان عُدّوا بمکرمۃ	وما سواھم فلغو غیر معدود
والفرق بین الوری جمعا وبینھم	کالفرق ما بین معدوم وموجود

یہ لوگ (اہلبیت رسول) وہ ہیں کہ اگر ان کی بزرگیاں شمار کی جائیں تو دوسرے لوگ کسی گنتی ہی میں نہ آئیں۔ سارے عالم اور ان میں فرق وہی ہے جو موجود و معدوم میں فرق ہوتا ہے۔

زینت خلافت

کچھ لوگ وہ ہیں جو عہدوں سے بڑے بن جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان سے عہدے کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے "کرخ" کے کچھ لوگوں سے کہا:۔

ان الخلافۃ لم تزین علیا۔ بل علی زینھا۔ (۱۶۳ مناقب امام احمد بن حنبل از حافظ ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی مطبوعہ مصر)	خلافت نے علی کی زینت نہیں بڑھائی۔ بلکہ علی نے خلافت کو مزین کیا۔

حضرت علی پر کسی کا قیاس نہیں ہو سکتا

احمد بن حنبل نے حدیث "سفینہ" بیان کی۔ تو ان کے بیٹے عبد اللہ نے کہا "تفضیل خلفا" کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ موصوف نے کہا۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔

عبداللہ نے کہا اور علی۔ تو اس کے جواب میں آپ نے کہا:۔

یا بُنیّ علی ابن ابی طالب من اھل البیت لا یقاس بھم احد (۱۶۳ مناقب امام احمد از ابن جوزی)	اے فرزند۔ علی کا شمار اہلبیت میں ہے۔ اہلبیت پر کسی کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

گزار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں میر شکستہ پا بھی ہے

فضائل امیر المومنینؑ کے لیے ناموافق ماحول

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا تھا آسماں
دے جام خون میر کو گر منھ وہ دھو چکا (میر)

امیر المومنین علیہ السلام کے کمالات اتنے ہی تھے اور دلوں پر ان کے اتنے ہی گہرے اثرات تھے کہ صدیوں ان کی اور ان کی ذریت کے خلاف فضا کی ناموافقت کے باوجود وہ آج بھی دلوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ جبکہ نہ وہ خود عناصر کے لباس میں ہمارے سامنے ہیں اور نہ اُن کے دشمنوں میں کوئی موجود ہے۔ ہم نے حضرت کے کردار کی تاثیر کے سلسلہ میں مکدر فضا اور ناموافق ماحول پر کچھ اشارہ کیا ہے۔ لیکن اِس ضمن میں تاریخی مواد اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اگر اُسے سمیٹا جائے تب کہیں تاریخ کے نقوش ابھر سکتے ہیں۔ پوری تفصیل نہ سہی اگر فضائل امیر المومنینؑ کے لیے ناموافق ماحول کا کچھ بھی اندازہ ہو تو حضرت کے فضائل کی قوت اور کردار کی مقناطیسیت کا اور بھی زیادہ روشن تصور ہو سکتا ہے۔

ابو ہریرہ کو گردن زدنی کا خوف

ابو ہریرہ ایسے راوی جن کی کوئی خصوصیت اہلبیتؑ سے تاریخ کو معلوم نہیں لیکن اس عہد کی سختی کے وہ بھی شکوہ سنج نظر آتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے :-

حفظت عن رسول الله وعائين فاما احدهما فبثثته واما الاخر فلو بثثته لقطع هذا البلعوم۔
(۵/۲ مقدمہ فی مصطلح الحدیث تاریخ ابن عساکر)

میں نے رسول خداؐ سے "دو ظرف" میں حدیثیں محفوظ کیں ایک ظرف کی حدیثیں میں نے بیان کر دیں۔ اگر دوسرے ظرف کی بیان کرتا تو یہ گلا کاٹ ڈالا جاتا۔

اس کی تشریح میں تاریخ ابن عساکر کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں :-

الوجه الثانی هو الاحادیث التی فیها تبیین اسامی امراء الجور و احوالهم و ذمهم۔ وقد کان ابوهریرة یکنی عن بعضهم ولا یصرح به خوفا علی نفسه منهم لقوله... اعوذ بالله من راس الستین وامارة الصبیان یشیر بذلك الی خلافة یزید بن معویة
(۱/۲ مقدمہ تاریخ ابن عساکر)

دوسری وہ حدیثیں تھیں جن میں "امراء جور" کے نام اور ان کے حالات اور ان کی مذمت مذکور تھی جن کا ابو ہریرہ نے اشارۃً ذکر کیا ہے اور حکام جور سے جان کے خوف کی بناء پر انھیں تصریح کے ساتھ نہیں بیان کر سکے۔ جیسے ابو ہریرہ کا قول تھا میں خدا کی پناہ ڈھونڈھتا ہوں ۶۰ھ سے اور بچوں کی حکومت سے۔ اس میں خلافت یزید کی طرف اشارہ تھا۔

ابوہریرہ کے اس بیان سے اور حاشیہ نگار کی اس تشریح سے اس ماحول کی سخت گیری کا اندازہ ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب رسول خدا کی حدیث کا ایک رخ سامنے نہیں آنے پایا۔ اور اس رخ کو پیش کرنے میں قابو یافتہ جماعت سے ہلاکت کا اندیشہ تھا۔ یہ خوف یا حقیقت پوشی کا طریق کار تاریخ کے طویل دور میں پھیلا ہوا ہے اور حدیث و تاریخ کی کتابوں میں اس کے نشانات ملتے ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے :۔

اللهم ارکسهما فی الفتنة رکسا، ودعهما فی النار دعا، لکنه ابهم اسم عمرو بن العاص ومعاویة۔ فقال فلانا وفلانا۔ (۹۱ فتح الملک العلی مغربی مطبوعہ مصر)	علامہ کہ علامہ احمد بن حنبل نے اس حدیث رسول میں سے عمرو بن عاص اور معاویہ کا نام ہٹا کر "فلانا وفلانا" لکھ دیا۔

صرف یہی نہیں کہ کچھ چیزیں چھپائی گئیں بلکہ امراء جور کے حق میں اور اہلبیت کے خلاف بڑا مواد تصنیف کیا گیا۔ ابان بن ابی عیاش "سلیم بن قیس ہلالی" سے روایت کرتے ہیں۔ سلیم نے مجھ سے کہا میں نے امیر المومنینؑ سے کہا۔ میں سلمان و مقداد و ابوذر سے تفسیر قرآن و حدیث رسول سنتا ہوں اور مجھے آپ سے اس کی تصدیق معلوم ہو گئی۔

ورایت فی ایدی الناس اشیاء کثیرة من تفسیر القرآن ومن الاحادیث عن نبی الله انتم تخالفونه۔	مگر میں دوسرے لوگوں کے پاس قرآن کی تفسیر اور پیغمبر کی احادیث سے کچھ ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جس کی آپ مخالفت کرتے ہیں۔

ابان کہتے ہیں۔ مجھے حج کا اتفاق ہوا اور میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ملا۔ اور یہ پوری حدیث بغیر ایک حرف کی کمی کے میں نے حضرت سے بیان کی۔

فاغرورقت عیناه۔ ثم قال صدق سُلیم۔	حضرت کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں اور فرمایا سُلیم نے سچ کہا ہے۔

وہ میرے دادا کی شہادت کے بعد میرے باپ کے پاس آئے تھے۔ میں بیٹھا ہوا تھا تو بعینہ یہ حدیث بیان کی۔

"میرے باپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ میرے باپ اور چچا حسن نے امیر المومنینؑ کے توسط سے یہ حدیث مجھ سے بیان فرمائی تھی" (رجال کشی مطبوعہ بمبئی ۶۹)

ان تصریحات سے اس ماحول کا ہلکا سا خاکہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ ایسا ماحول جس کا تصور امام محمد باقرؑ کی آنکھوں کو اشکبار کر دیتا تھا جتنا غمناک ہو سکتا ہے اسے انھیں کا دل جانتا تھا۔

چمن کا نام سنا تھا و لے نہ دیکھا ہائے ۔۔۔ جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی (میر)

اہلبیت اور ان کے مخلصین کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ اموی سازش سے امیر المومنینؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ خطروں کی وسعت کی کوئی حد تھی۔ عرصہ تک امیر المومنین علیہ السلام کی قبر کا نشان راز میں رکھا گیا۔

زہر و قتل و جلاوطنی و ضبط جائداد و لعنت و تہمت تراشی و معاشی دباؤ۔ طنز و تعریض

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا (میر)

علویین و فاطمین اور ان کا نقطۂ نظر رکھنے والے جس قدر تہ تیغ ہوئے شاید ہی کسی نسل یا خیال کے افراد اس قدر قتل ہوئے ہیں۔ مقتولین آل ابی طالب تاریخ کا موضوع بن گئے اور مصنفین نے اس پر متعدد کتابیں لکھیں۔ محمد بن علی بن حمزہ نے مقاتل الطالبین کتاب لکھی (۲۲۵ نجاشی) ابو الفرج اصبہانی کی مقاتل الطالبین تو کافی مشہور ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے۔

امیر معویہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اور اس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ ابو الفدا نے اپنی تاریخ میں۔ ابن عبد البر نے استیعاب میں۔ ابن جوزی نے بحوالہ طبقات ابن سعد، تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے کہ معویہ کی سازش سے امام حسنؑ کو زہر دیا گیا۔ روضۃ الصفا ۳/۷ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں بھی اس سازش کا تذکرہ ہے۔

امام حسنؑ کی وصیت تھی کہ انھیں ان کے نانا کے پہلو میں دفن کیا جائے لیکن حضرت کی یہ تمنا ناکام بنائی گئی۔ حضرت کی شہادت کے فوراً بعد "مروان" نے معاویہ کی خبر دی کہ حسنؑ مر گئے۔ سعید بن عاص مدینہ کے گورنر نے بھی اطلاع دی۔ مروان نے معاویہ کو یہ بھی لکھا کہ حسن نے وصیت کی تھی کہ وہ رسول خداؐ کے پہلو میں دفن ہوں۔ لیکن جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہو سکتا۔ سعید نے صرف انتقال کی خبر پر اکتفا کی۔

جب امام حسنؑ "بقیع" میں دفن ہو گئے تو مروان نے دوسرا قاصد بھیجا اور لکھا کہ وہ ہزار بنی امیہ اور غلاموں کے ساتھ مسلح ہو کر میں نے مقابلہ کیا اور حسن کو رسول کے ساتھ دفن نہیں ہونے دیا۔ معویہ نے مروان کا شکر ادا کیا۔ اور اسے مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ اور سعید کو معزول کر کے ان کی جائداد ضبط کر لی۔ (ابن عساکر)

کوئی اموی امام حسن کے جنازے میں شریک نہیں ہوا۔ صرف سعید بن عاص گورنر نے شرکت کی جس کی سزا انھیں مل گئی۔ خالد بن ولید بن عقبہ "تشییع جنازہ" میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے لیے ممکن نہ ہوا۔ جب انھوں نے "بنی امیہ" کو قسم دی تو بمشکل انھیں اجازت ملی کہ وہ دفن میں شریک ہو جائیں۔ (روضہ ندیہ علامہ محمد بن اسمٰعیل کہلانی صنعانی یمنی ۱۱۳ مطبوعہ دہلی)

اس موقع پر ابن عباس معویہ کے پاس تھے۔ معویہ نے تعریضاً پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے خاندان میں کیا حادثہ ہوا۔ انھوں نے کہا۔ نہیں۔ لیکن آپ کو خوش پاتا ہوں۔ اور آپ کی تکبیر کی آواز بھی

میں نے سنی۔ معویہ نے کہا۔ حسن مر گئے۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ ان کی موت سے آپ کی زندگی میں اضافہ نہ ہوگا۔ (مختصر صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی ۶۱)

قید و بند اور زہر و قتل نے ذریت علیؑ اور مخلصین علیؑ کے لیے ایسی ناگوار فضا تیار کی تھی جس میں زندگی کی سانس سینے میں ایک کانٹا بنی ہوئی تھی۔

حُجرؓ بن عدی (۵۱ھ ۶۷۱ء) اور ان کے ساتھیوں کو امیر معویہ نے صرف جرم تشیع میں قتل کیا (کامل ابن اثیر) بسر بن ارطاۃ (۸۶ھ ۷۰۵ء) کو ۴۱ھ میں بصرہ کا گورنر اس صلہ میں بنایا کہ حضرت علیؑ کے مخلصین کی ایک بڑی جماعت کو انھوں نے قتل کیا (۱۹۴ اعلام زرکلی)

ولید بن عبدالملک نے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کو قید کیا۔ پھر رہا کیا۔ لیکن اپنے پاس ہی رکھا۔ ایک دن ولید نے اُن پر تعریض کی اور گفتگو میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ ولید برہم ہوا اور انھیں اپنے پاس سے جانے کو کہا۔ ابو ہاشم کی واپسی پر ولید نے ایک شخص کو راستے میں متعین کر دیا کہ وہ دودھ بیچنے والے کے لباس میں ان کے پاس آیا۔ اور اُس کا زہر آلودہ دودھ ابو ہاشم نے پیا اس سے ان کی موت واقع ہوئی (۴۶۱/۵ تہذیب ابن عساکر)

خالد بن عبدالملک بن حارث اموی "خلیفہ ہشام" کے عہد میں ۱۱۴ھ میں مدینہ کا گورنر تھا۔ سات سال یہ وہاں حاکم رہا۔ منبر رسولِ خداؐ پر یہ حضرت علیؑ کو برا کہتا تھا۔ ایک بار اس نے کہا۔ رسول خداؐ علیؑ میں یہ برائیاں پاتے تھے۔ فاطمہؑ نے ان کی سفارش کی۔ سامعین میں "داؤد بن قیس" بھی تھے ان سے برداشت نہ ہو سکا۔ انھوں نے کہا۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ (۸۲ تہذیب تاریخ ابن عساکر)

نسبت و تعلق کے اظہار میں خطرہ سخت معاشی دباؤ عمر ابن عبدالعزیز رو پڑے

"رزیق مدنی" (مولی امیر المومنین علیہ السلام) عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔ اور کہا۔ میں مدینہ کا باشندہ ہوں۔ حافظ قرآن ہوں۔ اور فرائض سے واقف ہوں۔ اور میرا کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ عمر نے کہا تم کس خاندان سے ہو۔ رزیق نے کہا۔ میں "موالی بنی ہاشم" میں سے ایک آدمی ہوں۔ عمر نے پوچھا کس کے غلام ہو۔ کہا ایک مسلمان کا۔ عمر نے کہا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں تم کون ہو۔ اور تم چھپاتے ہو۔ اس وقت رزیق نے کہا میں علیؑ کا غلام ہوں۔ (ابن عساکر نے لکھا ہے بنی امیہ کے سامنے علیؑ کا ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا)

عمر رو پڑے۔ اور کہا میں علیؑ کا غلام ہوں (انا مولی علی) عمر نے حدیث ذیل بیان کی اور رزیق کی امداد کی۔

حدثنی سعید بن المسیب عن سعد۔ ان النبی قال لعلی۔ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی۔ مجھ سے سعید بن مسیب نے سعد کی روایت بیان کی کہ رسول خداؐ نے علیؑ کے متعلق فرمایا تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی

۳۲۱ تہذیب تاریخ ابن عساکر

کسی شخص یا خاندان یا جماعت یا قوم کی تکلیف جب انتہا سے گزر جاتی ہے تو اجنبی انسان بھی برداشت نہیں کرسکتے ہیں اور اُن کے دل پر اثر ہو جاتا ہے۔ دشمن بھی آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ اسے جذبۂ بےاختیاری کہا جاتا ہے اور اس پر انسان کو کبھی کبھی خود بھی قابو نہیں ہوتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کے آنسو امیرالمومنینؑ کی انتہائی مظلومیت اور اپنے خاندان کے بے پناہ ظلم کے خاموش گواہ تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ امیرالمومنینؑ اور اہلبیتؑ پر ظلم کرکے اُن کو مٹا کر اور حکومت کے اثر سے کام لے کر ان کے اثرات دلوں سے نہیں مٹائے جاسکتے۔ بلکہ جس قدر ظلم زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ مخلصین کا جذبۂ محبت بھی اسی قدر ترقی کرتا جاتا تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے عمر بن عبدالعزیز نے اموی قلمرو میں منبر رسولؐ پر حضرت علیؑ پر تبرّا کی رسم بند کرادی۔

تشدد و سختی اور جھوٹے پروپگنڈے کا یہ نتیجہ نکلا کہ بعض ناواقف امیرالمومنینؑ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ اور بعض کو اموی تعصب وراثت میں ملا۔

ابن عبدربہ قرطبی (۲۴۵ — ۳۲۷ھ ۸۵۹ - ۹۳۹ء) ایک مشہور ادیب تھے۔ اور ان کی کتاب "عقد الفرید" ادب کی نہایت مشہور کتاب ہے۔ ادیب موصوف کے متعلق تاریخ کا بیان ہے:

له ارجوزة تاريخية ذكر فيها الخلفا وجعل معوية رابعهم۔ ولم يذكر عليا فيهم۔ (اعلام زرکلی ۹۹/۱ التکملہ)	ابن عبدربہ کی ایک تاریخی نظم ہے جس میں خلفا کا ذکر کیا ہے معویہ کو چوتھا خلیفہ قرار دیا ہے۔ اور ان میں علی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

جب بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو ظلم وستم میں وہ بھی بنی امیہ کے جانشین نکلے۔ علی وآل علی کے آثار مٹانے میں ان کی ساری کوششیں صرف ہوگئیں۔ متوکل وغیرہ کے مظالم سے تاریخ کا ہر طالب العلم واقف ہے۔ جب متوکل بن منتصر ۲۴۷ء میں خلیفہ ہوا تو اس نے مصری گورنر کو لکھا کہ علوی کے پاس کوئی جائداد نہ ہو۔ علوی گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ مصر میں انھیں آمد و رفت کی آزادی نہ ہو۔ صرف ایک نوکر کی اجازت ہے۔ (تاریخ التمدن الاسلامی ج ۴ جرجی زیدان مصری عیسائی)

کیا علیؑ کا نام تاریخ سے بحیثیت خلیفہ محو ہوگیا؟ اور کیا حضرت کے اثرات کے مٹانے کی مسلسل کوششیں انھیں ان کے مقام سے ہٹا سکیں۔ دشمنوں نے امیرالمومنینؑ اور اہلبیت کو نقصان پہنچانے کی جتنی کوششیں کیں اس سے خود اُن کی بدنامی میں اضافہ ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ سورج پر خاک ڈالنے سے اس کی روشنی میں کمی نہیں ہوئی۔

بگڑنے پر بھی زلف اس کی بناکی

زبیر بن العوام کا پوتہ عبداللہ بن عروہ (حضرت علیؑ کی منقصت کرتا تھا اس کے باپ نے اس سے کہا۔ دنیا والوں نے کوئی بنا خلاف دین ایسی نہیں قائم کی جسے دین نے منہدم نہ کردیا ہو۔ اسی طرح

جسے دین بنا کرتا ہے اہل دنیا اسے مٹاتے ہیں:-

یا بنی - ایاک والعودة الی مثل ذلک - فان بنی مروان سبّوہ ستین سنة - فلم یزد الله بذلک الا رفعة

دیکھو تم اب علی کی مذمت نہ کرنا بنی مروان نے ۶۰ سال انھیں گالیاں دیں اس سے علی کا کچھ نہ بگڑا بلکہ اور درجہ بلند ہوا -

الم ترکیف یظهر بنو مروان عیبه وذمه - والله لکانما یاخذون بناصیته رفعا الی السماء وما تری مایندبون به موتاهم من التابین والمدیح - والله لکانما یکشفون به عن الجیف (۲/۱ البیان والتبین جاحظ - عقد الفرید ۲/۱۴ استیعاب بن عبدالبر ۲/۲۸۰ میں تقریبًا یہی مضمون ہے)

یہ مروانی جب ان کی مذمت کرتے ہیں تو وہ اور آسمان عزت پر بلند ہوتے ہیں اور اپنے اسلاف کی جب فضیلت بیان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے گرتے ہوئے گندے مردار کو اکھیڑ رہے ہیں -

تشیع ایک جرم تھا

جُز جرم عشق اور بھی ثابت کیا گناہ ناحق ہماری جان اُلجھتے ہو واہ وا (میر)

عرصہ دراز تک اسلامی دُنیا میں دشمن عناصر کا اس قدر غلبہ رہا کہ امیر المومنینؑ اور اہلبیت طاہرینؑ سے معمولی "تعلق خاطر" بھی ناقابل برداشت تھا - سوسائٹی میں اگر کسی کو بدنام کرنا ہوا تو اسے شیعہ کہہ دیا جاتا - کسی سے بدمزگی ہوگئی اُسے شیعہ کہہ کر گرانا شروع کیا - کسی نے حسن عقیدت سے اہلبیتؑ کا نام لیا اس پر تشیع کا الزام لگ گیا - وہ لوگ جو صرف خوش عقیدہ نہ تھے بلکہ امیر المومنینؑ کی پوری زندگی ان کے سامنے تھی اور وہ رسول خداؐ کے بعد انھیں کو شریعت کا مصدر وحید سمجھتے تھے ان کی دشواریاں ان سے کہیں زیادہ تھیں - ان کی بات کا اعتبار نہیں کیا جاتا انھیں علانیہ صرف جرم تشیع کی وجہ سے نامعتبر اور جھوٹا کہا جاتا -

حارث ہمدانی کو شعبی نے صرف اس لیے "کذاب" کہا کہ وہ علیؑ سے محبت کا اظہار کرتے تھے (۲۴۳ تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی عبدالوحید خاں - مطبوعہ لکھنؤ)

نام رکھنے پر قتل

قال عبد الرحمن المقری کانت بنو امیة اذا سمعوا المولود اسمه "علی" قتلوہ - (۲۴۳ تدریب الراوی سیوطی)

عبدالرحمن مقری کہتے ہیں - بنی امیہ کو معلوم ہوتا کہ کسی بچے کا نام علی رکھا گیا تو اسے قتل کر دیتے -

حسن بصری کا طرز عمل

حسن بصری نے درپردہ حضرت علی علیہ السلام کے ذخیرہ علمی سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ استاد حسن سندوبی مصری نے ابن جوزی کی کتاب "الحسن البصری" پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے۔

ماخذ کلام الحسن البصری فی حکمہ ومواعظہ وترغیبہ وترھیبہ فاکثرہ من معانی القران ومن احادیث الرسولؐ۔ ومن کلام الامام علی کرم اللہ وجھہ (۱۲ مطبوعہ ۱۹۳۱ء)

حسن بصری کے کلام کا ماخذ جو اکثر حکمت و مواعظ و ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے۔ قرآن و احادیث رسول اور امیر المومنین علی کے کلام سے ماخوذ ہے۔

حسن بصری زمانہ سازی سے واقف تھے اور برتتے بھی تھے۔ حکومت کی حمایت میں ان کا حصہ تھا مروانی حکومت کو ان سے کافی فائدہ پہنچا۔ ان کے ادارہ سے حکومت حاضرہ کی تائید میں یہ حدیث مشہور کی جاتی تھی۔

لا تسبوا الولاۃ۔ فانھم ان احسنوا کان لھم الاجر وعلیکم الشکر۔ وان اساؤا فعلیھم الوزر وعلیکم الصبر (۷ الحسن البصری مطبوعہ مصر)

حکام کو برا بھلا نہ کہو اگر یہ اچھی طرح پیش آئیں تو انھیں اجر ملے گا اور تم پر شکر لازم ہے اور اگر یہ برائی کریں تو ان پر گناہ ہوگا۔ تمھیں صبر کرنا چاہیے۔

حکومت کی طرفداری میں حصہ لینے کے باوجود یہ آزادی ان کو بھی نہ تھی کہ حضرت علی کے نام سے روایت کرسکیں۔ بلکہ حکومت کی خوشی کے لیے کبھی ایسے بیانات اظہار وفاداری کے لیے ضروری تھے جن سے امیر المومنین علیہ السلام کی منقصت کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

ابان بن عیاش نے ایک دن حسن بصری سے کہا۔ اے ابوسعید تمھاری طرف سے علی کے متعلق یہ کیا کہا جاتا ہے (یعنی تم انھیں اچھی طرح یاد نہیں کرتے) —— اس کے جواب میں حسن بصری نے کہا

یا ابن اخی احقن دمی من ھولاء الجبابرۃ لولا ذلک لسالت بی الخشب

اے بھتیجے۔ میں ان ظالموں سے اپنی جان بچاتا ہوں اگر ایسا نہ کرتا تو مجھے ہلاک کر دیا جاتا۔

حسن سندوبی مصری کتاب الحسن البصری تالیف ابن جوزی کے مقدمہ نگار اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واجب تقیہ

ولاشکّ ان ھذا من استعمال التقیہ الواجبۃ لمثلہ فی مثل عھدہ لیودی للدولۃ حقھا فی السیاسۃ ویحیط نفسہ باجلال الجمھور

ایسے زمانے میں یہ ان کا ایک واجبی تقیہ تھا۔ تاکہ حکومت کا سیاسی حق ادا کردیں اور جمہور کی عزت بھی حاصل کرسکیں اور خواص کی نظر میں معذور بھی رہیں۔

واحترامه وقيام العذر له لدى الخاصة منهم

(٦ الحسن البصری از ابن جوزی)

ابوزینب

حسن بصری پر حکومت کی اس قدر دہشت تھی کہ وہ حضرت علی سے ان کے نام سے روایت نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ جب مجبوراً انھیں کبھی کوئی روایت حضرت کی بیان کرنی پڑتی تھی تو قال ابوزینب کہتے تھے۔

قد رووا انه كان اذا احدث عن علی فی زمن بنی امیة قال۔ قال ابوزینب۔ (الحسن البصری از ابن جوزی)

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حسن بصری جب حضرت علی کی کوئی روایت عہد بنی امیہ میں بیان کرتے تھے تو بجائے علی کے ابوزینب کہہ کر روایت کرتے تھے۔

طنز و تعریض

ابوکریبہ ازدی اور محمد بن مسلم ثقفی نے شریک قاضی کی عدالت میں گواہی دی۔ اس نے انھیں دیکھ کر کہا جعفریان، فاطمیان، یہ دونوں جعفری و فاطمی ہیں۔ یہ دونوں اس خطاب پر رو پڑے۔ قاضی نے پوچھا کیوں روئے۔ انھوں نے کہا۔ آپ نے ہمیں ایسی قوم کی طرف منسوب کیا جو ہمارے ایسوں کو اپنوں میں شامل کرنے پر راضی نہیں۔ اگر وہ ہمیں قبول کرلیں تو یہ اُن کا احسان۔ اور ہمارے لیے یہ شرف ہو۔ شریک ہنس پڑا۔ (۱۰۸ رجال کشی)

حکومت اور اس کے اطاعت گزاروں میں کوئی بھی نہ تھا جس کے دل میں "تشیع" کے لیے رواداری اور گنجایش ہو۔ جو لوگ حقیقۃً شیعہ نہ تھے اور وہ ذرا سا بھی اہلبیت کے ساتھ انصاف سے کام لیتے یا ذرا بھی ان کی طرف رجحان ظاہر کرتے تو اسے شیعہ یا رافضی کہہ دیا جاتا۔ گویا یہ اس کے نامعتبر اور جھوٹے ہونے کی سند ہوتی۔

امام شافعی

ایسے بااثر بزرگ جن کی فقہ پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا مدار زندگی ہے۔ اور جن کا اُن کی فقہ پر عمل نہیں ان کی بھی انھیں تائید حاصل ہے لیکن صرف اہلبیت سے اظہار اخلاص کی بنا پر ان پر "تشیع" کا الزام لگ گیا۔ امام شافعی کے متعلق "ربیع بن سلیمان" کا بیان ہے کہ سات سو اونٹ اُن کے دروازے پر بندھے ہوتے تھے اس پر لوگ دور دراز سے ان کی کتابوں کو سننے کے لیے جمع ہوتے۔

امام احمد حنبل کی حسن عقیدت ان سے اس درجہ پر تھی کہ وہ کہتے تھے۔

حدیث رسولؐ ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا۔ پہلی صدی کے مجدد عمر بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری صدی کے مجدد شافعی ہیں (۲۱۴ مختصر صفوۃ الصفوۃ)

اہلبیتؑ کی محبت و عقیدت سے ان پر الزامات لگائے اس کی انھوں نے کئی بار اپنے اشعار میں شکایت کی۔ ان کا ایک شعر ہے۔

اذا نحن فضلنا علیاً فاننا روافض بالتفضیل عند ذوی الجهل

(اتحاف علامہ شبراوی مصری ؒ)

جب ہم علیؑ کو دوسروں پر فضیلت دیتے ہیں تو جاہل ہمیں "رافضی" کہتے ہیں۔

یحییٰ بن معین م ۲۳۳ھ نے امام شافعی کو غیر ثقہ قرار دیا۔ (مختصر جامع العلم ۲۰۱)

دار قطنی (۳۰۶ – ۳۸۵ھ ۹۱۹ – ۹۹۵ء) یہ وہ بزرگ ہیں جن کو حدیث میں اپنے عہد کا امام کہا جاتا ہے۔ جن کی تصانیف ہیں "السنن" اور "الحلل الواردة فی الاحادیث النبویه" اور المجتبیٰ من السنن الماثورة "اور" المختلف والموتلف" وغیرہ ہے۔ (۸۳/۲ اعلام زرکلی)

جن کے متعلق کہا گیا "لم یخلق علی ادیم الارض مثله" زمین پر ویسا آدمی نہیں پیدا کیا گیا۔ (الفتوحات الوہبیہ ۳۶ علامہ ابراہیم بن مرعی شبرختی مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ)

"خطیب" نے جن کے متعلق کہا۔ کان فرید عصره وامام وقته وانتهی الیه علم الاثر والمعرفة بالعلل واسماء الرجال مع الصدق والثقة وصحة الاعتقاد۔

قاضی ابو الطیب نے کہا:۔

الدار قطنی امیر المومنین فی الحدیث۔ (الفتوحات الوہبیہ شرح الاربعین حدیثا النوویہ ۳۶ ابراہیم شبرختی)	دار قطنی علم حدیث میں مومنین کے امیر ہیں۔

ایسا مشہور و با اثر شخص بھی الزام تشیع سے نہ بچ سکا۔

خود دار قطنی کے مخالف رجحانات تشیع اور اس کے مسائل کے متعلق کس حد پر تھا اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے ہوگا:۔

قال الدار قطنی من قدم علیاً علی عثمان فقد ازری بالمهاجرین والانصار (۸/۱۲ ابن کثیر)	جس نے علی کو عثمان پر فضیلت دی اس نے مہاجرین و انصار پر الزام لگایا (کیونکہ انھیں نے علی کے مقابل میں عثمان کو منتخب کیا۔)

دار قطنی ایسے سخت گیر بھی جرم تشیع سے آلودہ سمجھے گئے۔

قیل انه کان یحفظ دواوین جماعة من الشعراء وسمعت حمزة بن محمد بن طاهر الدقاق۔ یقول یحفظ دار قطنی دیوان السید الحمیری فی جملة ما یحفظ من الشعر۔ فنسب الی التشیع لذلک۔ (التعلیق المغنی للمولوی شمس الحق علی سنن الدار قطنی ۳ مطبوعہ فاروقی دہلی)	کہا گیا ہے کہ کچھ شعراء کے دیوان انھوں نے یاد کر لیے تھے۔ حمزہ بن محمد کہتے تھے سید اسمٰعیل حمیری (شیعی) کا دیوان بھی دار قطنی نے یاد کیا اس بنا پر انھیں تشیع کی طرف منسوب کیا گیا۔

ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری

سواد اعظم میں حاکم بڑے مرتبہ کے محدث گزرے ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (ابن ربیع) کافی مشہور بزرگ ہیں۔
انھوں نے سماعت حدیث کے لیے دُور دراز مقامات کے سفر کیے۔ چار ہزار شیوخ سے حدیثیں سُنیں۔
عبدالرحمٰن سلمی نے دارقطنی سے پوچھا "ابن مندہ" اور "حاکم" میں کون احفظ ہے۔ تو انھوں نے حاکم کا نام لیا۔ (الفتوحات الوہبیہ علامہ ابراہیم شبر خیتی)

زرکلی لکھتے ہیں۔

ھو اعلم الناس بصحیح الحدیث وتمیزہ عن سقیمہ۔ (اعلام ۹۲۸/۳)	یہ حدیث صحیح کو غیر صحیح سے پرکھنے میں سب سے بڑے ماہر تھے۔

لیکن یہ بھی الزام تشیع سے نہ بچ سکے۔

ڈاکٹر معظم حسین صاحب — لکھتے ہیں:۔

قد رمی ھذا الامام الجلیل بالتشیع قیل انہ یذھب الی تقدیم علی من غیر ان یطعن فی احد من الصحابہ۔	ان امام جلیل پر "تشیع" کا الزام لگایا گیا۔ کہا گیا ہے کہ وہ علیؓ کو خلفاء ثلاثہ پر فضیلت دیتے تھے بغیر اس کے کہ کسی صحابی پر طعن کریں۔

اسمٰعیل بن عبداللہ بن محمد انصاری نے "حاکم" "ثقہ فی الحدیث" "رافضی خبیث" کہا۔
حدیث طیر اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو اپنے مستدرک میں درج کرنے کی وجہ سے ان پر تشیع کا الزام لگ گیا۔ خطیب نے کہہ دیا۔ یمیل الی التشیع یہ تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے۔ (مقدمہ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم النیشاپوری از ڈاکٹر معظم حسین ڈھاکہ یونیورسٹی مطبوعہ ۱۹۳۷ء)

ابن جریر طبری (۲۲۴ھ — ۳۱۰ھ / ۸۳۹ء — ۹۲۳ء) جمہور کا تاریخ کبیر طبری پر تمام تر اعتماد ہے۔ تمام محدثین ان کے فضائل و مناقب کے قائل ہیں۔ ان کی تفسیر کو "احسن التفاسیر" کہتے ہیں۔ تاریخ ابن اثیر و تاریخ ابن خلدون و تاریخ ابوالفدا وغیرہ طبری ہی کا خلاصہ و اقتباس ہے۔
ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق) کہتے تھے۔ تاریخ میں ان سے بڑھ کر میں کسی کو عالم نہیں جانتا۔

زرکلی لکھتے ہیں ھو من ثقات المورخین (اعلام ۸۴۶/۳ وفیات)

ابو جعفر طبری نے اپنے عقائد پر خود ایک کتاب لکھی ۱۳۶۱ھ میں یہ بمبئی میں چھپی ہے اس میں ان کے تمام وہی عقائد مذکور ہیں جو سواد اعظم کے ہیں۔ قیامت میں رویت خدا، قرآن غیر مخلوق ہے فضیلت خلفا باعتبار ترتیب حکومت ہے (۴)

لیکن "سلیمان بن وارث" ان کے متعلق کہتے تھے۔ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے
ذہبی کو میزان الاعتدال میں "طبری" کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی ضرورت پڑی۔ ذہبی نے کہا

هذا رجم بالظن الكاذب۔ بل ان ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين۔

یہ بے اصل بدگمانی ہے۔ بلکہ ابن جریر اسلام کے اُن بڑے ائمہ میں ہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ذہبی نے یہ بھی کہا۔ ان میں "فی الجملہ" تشیع تھا۔ مگر مضر نہ تھا۔

گیرو دار، سخت گیری، پاسبانی، لعن وطعن، ملامت اور اظہار حق میں جھجک اور ضمیر کی ہمنوائی میں قوت سے جو نتائج پیدا ہو سکتے تھے وہ ظاہر ہیں۔

نسائی (۲۲۵ - ۳۰۳ھ ۸۳۹ - ۹۱۵ء) احمد بن شعیب بن علی بن سنان قاضی حافظ شیخ الاسلام بڑے مشہور محدث ہیں ان کی السنن الکبری اور السنن الصغری کتب ستہ میں شمار ہوتی ہے ان کی ایک کتاب "خصائص علی اور ایک مسند علی بھی ہے (اعلام $\frac{۴۲}{۱}$)

ابوسعید عبدالرحمن بن احمد بن یونس صاحب تاریخ مصر لکھتے ہیں کان اماما فی الحدیث ثقة ثبتا حافظا کتاب خصائص علی لکھنے کے صلہ میں ان کی موت واقع ہوئی۔ تاریخ کا بیان سُنیے

خرج الى دمشق فسئل عن معاوية وما روى من فضائله فقال اما يرضى معاوية حتى يفضل وفى رواية اخرى۔ ما اعرف له فضيلة۔ لا اشبع الله بطنك وكان يتشيع فمازالوا يدفعونه فى حضنته حتى اخرجوه من المسجد وفى رواية اخرى يدفعون خصيته وداسوه ثم حمل الى الرملة فمات بها۔ قال الحافظ ابونعيم الاصبهانى لما داسوه بدمشق مات بسبب ذلك الدوس۔ وكان صنف كتاب الخصائص فى فضل على واهل البيت واكثر رواياته فيه عن احمد بن حنبل فقيل له الا تصنف كتابا فى فضل الصحابه فقال دخلت دمشق والمنحرف عن على كثير فاردت ان يهديهم بهذا الكتاب قال الدارقطنى امتحن بدمشق فادرك الشهادة رد - (دائرة المعارف القرن العشرين

از علامہ فرید وجدی مصری مطبوعہ ۱۹۲۵ء)

نسائی دمشق گئے ان سے معاویہ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا مجھ کو ان کی کوئی فضیلت نہیں معلوم سوا اس کے کہ رسول خدا نے انھیں کئی بار بلایا کہا گیا کھانا کھا رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا تمھارا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ ان میں تشیع تھا۔ لوگوں نے ان کو لات مارنی شروع کی، خصیہ کچل ڈالا اس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ ابونعیم نے کہا کہ انھوں نے حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے فضائل میں احمد بن حنبل کے روایات سے کتاب لکھی۔ ان سے کہا گیا صحابہ کے متعلق کتاب کیوں نہیں لکھتے؟ کہا اہل دمشق حضرت علیؑ کے مخالف تھے ان کی ہدایت کے لیے یہ کتاب لکھی۔ دارقطنی نے کہا نسائی کا دمشق میں امتحان ہوا اور انھیں مرتبہ شہادت نصیب ہوا۔

جن کو جرأت اظہار کبھی کبھی بیچین کرتی تھی۔ اور وہ کوئی ایک بات عوام کے نقطۂ نظر کے خلاف کہنا چاہتے تھے تو انھیں دل کی بڑی قوت کی ضرورت پڑتی تھی اور اُن پر تشیع کی فرد جرم لگ جاتی تھی۔ مجرمین تشیع کی صف میں علامہ تفتازانی بھی نظر آتے ہیں۔

علامہ تفتازانی نے مسئلہ تفضیل خلفاء پر لکھا:۔

الانصاف انہ ان ارید بالافضلیۃ کثرۃ الثواب فللتوقف جھۃ۔ وان ارید کثرۃ ما یعدّہ ذووا العقول من الفضائل فلا (۱۰۱ شرح عقائد نسفی للتفتازانی)

انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو اس میں توقف کے لیے ایک جہت ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں اہل عقل فضائل کہتے ہیں تو نہیں۔

علامہ تفتازانی (۷۱۲ - ۷۹۱ھ / ۱۳۱۲ - ۱۳۸۹ء) کی اس عبارت کی شرح میں محشی نے لکھا ہے:۔

فلا۔ بل۔ یجب ان یجزم بافضلیۃ علیؑ اذ قد تواتر فی حقہ بالکمالات واختصاصہ بالکرامات۔ ھذا ھو المفھوم من سوق الکلام۔ و لھذا قیل فیہ رائحۃ من الرفض لکنہ فریۃ بلامریۃ۔ (۱۰۱ شرح عقائد نسفی از ملا سعد الدین تفتازانی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۵ء)

محشی علامہ تفتازانی کے کلام کی توضیح میں لکھتے ہیں بلکہ واجب ہے کہ علی کی افضلیت کا یقین کیا جائے اس لیے کہ آپ کے کمالات اور مخصوص بزرگیاں بطور متواتر پہنچی ہیں۔ محشی لکھتے ہیں تفتازانی کے کلام کا یہی منشا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اُن میں "رفض" کی کچھ بُو تھی۔ لیکن بے شک یہ تہمت ہے۔

شارح کا لفظ "انصاف" استعمال کرنا عجیب نفسیاتی کرب کا پتہ دیتا ہے۔

احادیثِ فضائل پر دلتنگی و تعصب کا اثر

یہ دعویٰ مبالغہ آمیز ہوگا کہ حضرت علیؑ اور ائمہ اہلبیتؑ کے متعلق جتنے فضائل مذکور ہیں اُن میں کہیں بھی اور کبھی بھی دستِ تصرف نے کام نہیں کیا۔ دنیا کی کوئی قوم کسی عہد میں ایسی نہیں ملے گی جس کی ایک ایک فرد دیانتدار رہی ہو۔ یا اُن میں سب مردہ ضمیر رہے ہوں۔ تاریکی میں روشنی کی کرن نظر آتی ہے۔ اور جب سورج کی شعاعیں بر و بحر کو روشن کرتی ہیں اُس وقت بھی بہت سے مقامات انتہائی تاریکی میں پڑے رہتے ہیں۔

اہلبیتؑ کے سچے مخلص بھی تھے۔ اور ان کی صف میں ایسے بھی شریک تھے جن سے ائمہ نے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ بہت سے غیر مخلص اور سیاسی دشمن بھی دوست کی قطار میں کھڑے ہو جاتے تھے تاکہ ائمہ کے خلاف پروپگنڈا کریں اور ان کے راز فاش کریں۔ یہ لوگ ائمہؑ پر تہمت تراشی بھی کرتے تھے

ـــــ لیکن متمسکین اہلبیت کی پوری جماعت کو جس نے اسلام کے زریں خدمات انجام دیے معتوب قرار دینا اور ان سے بالکل بیگانہ ہوجانا بڑی زیادتی ہے۔

خود خاتم الانبیا حضرت رسول خداؐ کی سیرت کے متعلق "سواد اعظم" کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس کا ایک ایک حرف درست و حق ہے۔

حافظ زین الدین عراقی (استاد ابن حجر عسقلانی) سیرت نبوی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

ولیعلم الطالب ان السیرا   تجمع ما صح وما قد انکرا

سیرت رسالت پر مشتمل کتابوں میں صحیح باتیں بھی ہیں اور منکر بھی ہیں۔

افسوس ہے کہ سیرت کی تدوین میں وہ اہتمام نہیں برتا جاسکا احادیث حلال و حرام ہیں جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

قد ثبت عن الامام احمد وغیرہ من الائمة انهم قالوا اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوها تساهلنا (القول المسدد فی الذب عن المسند الامام احمد لابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۱۹ھ)

امام احمد وغیرہ سے ثابت ہے۔ وہ کہتے تھے جب ہم حلال و حرام کی روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں (یعنی صحت کا خیال زیادہ کرتے ہیں) اور اگر فضائل وغیرہ کی روایتیں کرتے ہیں تو "تساہل" سے کام لیتے ہیں۔

پھر یہ دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی اور اہلبیت طاہرین کے فضائل کے سلسلہ میں صحت و اعتبار و دیانت کا جس قدر اہتمام رہا ہے وہ بیحد قابل عزت و احترام ہے۔

صحیح حدیثیں اور بہترین اسناد

شیخ الاسلام علامہ شبراوی اپنی مشہور کتاب (اتحاف ۳۷) میں اپنی ایک طویل نظم میں لکھتے ہیں۔

نطق الکتاب بمجدکم وبفضلکم   واتت احادیث بذاک صحاح

اے اہل بیت رسولؐ قرآن مجید آپ کی بزرگی و فضیلت کو بیان کرتا ہے اور آپ کی فضیلت کے متعلق صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیثمی مکی شافعی (۹۰۹ - ۹۷۴ھ ۱۵۰۶ - ۱۵۶۰ء) لکھتے ہیں:۔

قال احمد۔ ماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی وقد قال اسمعیل القاضی والنسائی وابو علی النیشاپوری لم یرو فی احد من الصحابہ بالاسانید الحسان اکثر مما ورد فی حق علی ۲۲۱
شرح الامام احمد بن حجر الہیتمی علی متن الہمزیہ للبوصیری مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ

کسی کے اتنے فضائل مروی نہیں ہیں جتنے علیؑ کے۔ اسمٰعیل قاضی و نسائی و ابو علی نیشاپوری نے کہا ہے بہترین اسناد سے جس کثرت سے علیؑ کے فضائل میں حدیثیں ہیں کسی صحابی کے متعلق نہیں ہیں۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم

امیر المومنینؑ کی ذات اہل معرفت کے لیے چراغ ہدایت تھی۔ ابتدا ہی سے آپ کے کارنامۂ حیات کی تدوین و حفاظت میں مخلصین نے توجہ خاص سے کام لیا۔ شارح قانونِ اسلامی سمجھ کر پوری دیانت سے آپ کے افادات کو مرتب کیا۔ اور آپ کے متعلق قرآن وحدیث رسول کو جمع کیا اور اس کی صحت میں پوری کوشش کی جس کا اعتراف دوسرے حلقہ کے اکابر علماء محدثین کو بھی ہے کہ نہ اصحاب رسولؐ میں کسی کے اتنے فضائل ہیں جتنے امیر المومنین علیؑ کے فضائل ہیں۔ اور نہ ایسے بہترین اسناد سے امیر المومنینؑ کے سوا کسی دوسرے کے فضائل مروی ہیں لیکن تعصب وکم نظری مہر نیمروز کی جگمگاہٹ سے انکار کر سکتی ہے۔ اور سورج کی درخشانی کے تذکروں کو شاعروں کی مبالغہ آرائی اور آفتاب پرستوں کی صرف خوش عقیدگی کہا جا سکتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے فضائل کی اس قدر کثرت اور اسناد کی صحت و وثاقت کے باوجود آج بھی اموی و عباسی تعصب کا شکار ہیں جبکہ نہ اموی دہشت و رغبت ہے نہ عباسی جبر و تشدد و صلہ و مکافات۔

رسالہ ترجمان القرآن لاہور اگست ۱۹۵۳ء میں شیخ مصطفےٰ سباعی کا ایک نہایت افسوسناک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "سنت رسول"۔ اس میں احادیث فضائل امیر المومنینؑ کے متعلق موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ موضوع ہیں۔ اور شیعوں نے وضعِ احادیث کی ابتدا کی اور اس سلسلہ میں وہ سب سے آگے بڑھ گئے (۸۸ ترجمان القرآن)

عراق شیعوں کا مرکز تھا یہی وہ پہلا مقام تھا جہاں حدیثیں وضع کی گئیں (۹۲ ترجمان القرآن) حالانکہ عراق میں صحابہ و تابعین کی طویل فہرست ملتی ہے۔

صرف کوفہ میں سعد بن ابی وقاص۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل۔ عبداللہ بن مسعود۔ خباب بن ارت۔ سہل بن حنیف۔ ابو قتادہ بن ربعی۔ سلمان فارسی۔ حذیفہ بن یمان۔ عمار یاسر۔ ابو موسیٰ اشعری ابو مسعود انصاری۔ براء بن عازب۔ عبداللہ بن یزید خطمی۔ نعمان بن مقرن۔ معقل بن مقرن۔ نعمان بن بشیر۔ مغیرہ بن شعبہ۔ جریر بن عبداللہ بجلی۔ عدی بن حاتم۔ عروہ بن مفرس طائی۔ عبداللہ بن ابی اشعث بن قیس۔ جابر بن سمرہ۔ حذیفہ بن رسید غفاری۔ عمر بن حمق۔ سلیمان بن صرد۔ وائل بن حجر۔ صفوان بن عسّال۔ اسامہ بن شریک۔ عامر بن شہر۔ عرفجہ بن شریح۔ نافع بن عتبہ بن ابی وقاص۔ ثعلبہ بن حکیم۔ عروہ بارقی۔ جندب بن عبداللہ بجلی۔ سمرہ بن جندب۔ قطبہ بن مالک۔ حبشی بن جنادہ یعلی بن مرہ ثقفی، عمار بن رُدیبہ۔ طارق بن عبداللہ محاربی۔ خزیمہ بن ثابت۔ بشیر بن حضا یہ۔ خمیس بن ابی عزہ۔ حنظلہ کاتب مستورد بن شداد۔ ابو الطفیل۔ ابو جحیفہ۔ ان میں سے اکثر و بیشتر صحابہ کی قبریں بھی کوفہ میں ہیں (۱۹۱ معرفۃ علوم الحدیث ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم محدث مشہور) ایسے مقدس مقام کو جہاں اتنے کثیر التعداد صحابہ نے اپنے رُشد و ہدایت کی شمع جلائی

وضعِ احادیث کا مرکز کہنا بڑی جرأت ہے۔

حضرت علیؑ کے معتقدین میں جیسے پاکباز و صالح افراد کا شمار ہوتا ہے اُس کی نظیر جناب رسالتمآبؐ کے بعد کہیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ حضرت علیؑ کے مخلصین و مخلصین خاص میں حضرت ابوذر غفاری صحابی بھی تھے۔ جن کے متعلق ابن عمر کے ذریعہ سے جناب رسول خداؐ کی یہ حدیث تذکرۃ الصحابہ کی ہر مشہور کتاب میں موجود ہے۔

ما اقلت الغبراء ولا اظلت الخضراء علی اصدق من ابی ذر ۱۰۳/۱ (مختصر صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی م ۵۹۷ھ مطبوعہ مصر ۱۳۳۹ء)

ابوذر سے کسی زیادہ سچے کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ اُس پر آسمان نے سایہ کیا ———— (یعنی ابوذر بیحد سچے تھے)

زرکلی کہتے ہیں:-

کان یضرب بہ المثل فی الصدق۔ (۱۹۴/۱ اعلام)

سچائی میں ابوذر (۳۲ھ ۶۵۲ء) ضرب المثل تھے۔

کبھی کبھی یہ بھی سنا جاتا ہے کہ عجمیوں نے فضائل اہلبیت میں حدیثیں گھڑیں اس لیے کہ عجمی دشمنِ اسلام تھے۔ عربی فتوحات سے وہ بددل تھے۔ حالانکہ خود سوادِ اعظم کے نقطۂ نظر کو پیش کرنے میں جس قدر عجمیوں نے حصہ لیا ہے اسے سب ہی جانتے ہیں۔ حدیث کی تدوین انھیں کے ذریعہ سے ہوئی۔ فقہ کا ڈھانچہ انھیں نے بنایا۔ عقائد کی تشکیل میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا۔

اہلبیتؑ کی مساوات پسندی۔ رسول خداؐ سے قرابت۔ روحانیت و جامعیت صفات نے ذہین عجمیوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنا عقیدتمند بنا لیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی کو اہلبیت نے اُن کے اعلیٰ صفات کی بنا پر جو اعزاز بخشا اسے مساوات پسندوں نے محسوس کیا۔ ایران سے امام حسینؑ کی قرابت نے ایرانیوں کو سوچنے کا موقع دیا کہ اہلبیت عرب و عجم کے نسلی امتیازات سے بلند ہیں وہ عجمیوں کو حقیر نہیں سمجھتے۔ ایک طرف اسلام قبول کرنے کے بعد بھی عجمیوں کو نفرت و ذلت کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا۔ انھیں شریفانہ زندگی کے حقوق سے محروم کیا جارہا تھا ان کے ساتھ ہندوستان کے اچھوت کا سا برتاؤ کیا جارہا تھا عرب مسلمان بلکہ صحابہ سلمان ایسے حکیم و دانشمند و عارف و پرہیزگار سے رشتہ ازدواج کو عار سمجھتے تھے۔ اور اگر کوئی عجمی مسلمان کسی عربی عورت سے عقد کرلیتا تھا تو اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

تزوج رجل من الموالی امرءۃ من العرب ففوق الحارث بن عبد اللہ ربیعۃ المخزومی بینھما وھدم دار الزوج۔ (۴۲۹/۳ تہذیب ابن عساکر)

ایک ایرانی نے ایک عربی عورت سے عقد کیا حارث بن عبد اللہ ربیعہ مخزومی نے عقد کو منسوخ کردیا اور ایرانی شوہر کا گھر منہدم کرا دیا۔

ایسی حالت میں بعض عقلائے ایران کا ائمۂ اہلبیتؑ کے ساتھ تعاون ائمۂ اہلبیتؑ کے انسانی خدمات کے

اعتراف کے مرادف تھا۔ اور ائمۂ اہلبیت کے حکیمانہ دماغ سے مناسبت کا نتیجہ تھا۔ ایران ہی پر کیا ہے ہندوستان اور دوسرے ممالک کے دانشمند بھی ائمۂ اہلبیتؑ سے متاثر ہوتے رہے۔ لیکن جو دل تنگ ہیں یا نفرت رکھتے ہیں وہ اعلیٰ انسانوں کی خوبیوں کے اعتراف کے لیے دلوں میں جگہ نہیں پاتے۔ فضائل میں تحریف کرتے ہیں۔ معانی میں تحریف کرتے ہیں۔ مطلقاً فضائل کے منکر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض کور باطن ان کی مذمت میں جھوٹے واقعات اور غلط روایات تصنیف کرتے ہیں۔

روایت میں تصرّف

امیر المومنینؑ اور اہلبیت طاہرین کے احادیثِ فضائل میں تصرف کی مثالیں بکثرت ہیں دو ایک مثال پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حدیثِ انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا کس قدر مشہور ہے لیکن اس میں تصرف، تحریف معنی اور انکار و وضع کی ایک جگہ مثالیں مل جاتی ہیں۔

معنی میں یہ تحریف کی کہ "علی" کو بجائے "نام" کے وصف ظاہر کیا۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور اس شہر کا دروازہ بلند ہے۔

تصرف یہ کیا کہ اسے ذیل کے اضافہ کے ساتھ گھڑ لیا۔

اسمٰعیل بن علی بن مثنی استر آبادی واعظ نے حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابہا کے متعلق کہا یہ مختصر ہے پوری حدیث یہ ہے:-

انا مدینۃ العلم وابوبکر اساسہا وعمر
حیطانہا وعثمان سقفہا وعلی بابہا۔

جب اس کے اسناد پوچھے گئے تو حضرت واعظ بغلیں جھانکنے لگے۔

سمعانی ابو سعد عبد الکریم بن محمد تمیمی مروزی (۵۰۶ - ۵۶۲ھ ۱۱۱۳ - ۱۱۶۶ء) نے اسے کذاب ابن کذاب لکھا ہے۔ (فتح الملک ۹۵)

اسی طرح جناب رسول خدا کی مشہور ترین حدیث میں تصرف کیا گیا حضرت نے فرمایا "الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ" اس میں یہ اضافہ کر دیا۔ الا ابنی الخالۃ عیسی بن مریم ویحیی بن زکریا۔ یہ اضافہ احمد بن محمد بن صلت تغلس ہمانی نے کیا۔ ابو احمد بن عدی کہتے ہیں۔ ما رایت فی الکذابین اقل حیاء منہ (۱۵۱/۴ تاریخ ابن عساکر) میں نے ایسا بے غیرت جھوٹا نہیں دیکھا۔

حدیث کا اقرار مفہوم سے انکار

حسن بن حسن بن احمد ابو الفضائل کلابی مودب نے حسن بن حسن سے پوچھا:-

کیا رسول اللہ نے نہیں فرمایا۔ میں جس کا مولا ہوں	الم یقل رسول اللّٰہ۔ من کنت مولاہ

فعلی مولاہ - فقال بلی - ولکن واللہ لم یعن رسول اللہ بذلک الامارۃ والسُّلطان (۱۹۶ تاریخ ابن عساکر)	علی اس کے مولیٰ ہیں - کہا - ہاں - فرمایا لیکن اس سے حضرت نے حکومت وسلطنت مراد نہیں لی -

جملہ فضائل سے انکار

کچھ لوگوں پر تعصب کا جنون ایسا سوار تھا کہ انھوں نے حضرت امیر المومنینؑ کی صلاحیتوں سے انکار کیا - حضرت کے اسلامی خدمات کا انکار کیا - حضرت کے ادب وخطابت کے منکر ہو گئے - کہہ دیا کہ علیؑ نے ساری زندگی میں صرف دو شعر کہے - کسی نے آپ کے خطبوں سے انکار کیا - کسی نے کہہ دیا علیؑ رسول خداؐ کے صاحب اسرار نہ تھے - علیؑ کے پاس رسول خداؐ کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو دوسروں کے پاس نہ ہو - حضرت علیؑ کی طرف سے اس مضمون کا ایک بیان بھی تصنیف کر لیا - کسی نے کہہ دیا کہ قرآن مجید میں علی کے متعلق خاص طور پر کوئی آیت نہیں ہے -

ابن کثیر (۷۰۱ - ۷۷۴ھ) مورخ مشہور نے تعصب وتنگدلی وانکار فضائل کی حد کردی ہے انھیں اہلبیتؑ کے دشمنوں سے ربط خاص ہے اور اہلبیتؑ اور اُن کے تابعین سے پرخاش رکھتے ہیں - ابن کثیر نے بڑی دیدہ دلیری وجرات سے لکھ دیا -

لم ینزل فی علی شئ من القرآن بخصوصیۃ - (تاریخ ابن کثیر ۳۵۷)	مخصوص طور پر علی کی شان میں کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے -

حالانکہ ابن کثیر کے مخالف سیکڑوں تفاسیر وکتب احادیث اُن آیات کا پتہ دیتی ہیں جو امیر المومنینؑ سے مخصوص ہیں ——— ابن حجر ہیثمی نے صواعق محرقہ میں ابن عباس کی روایت نقل کی ہے -

ما نزل فی احد علی قدر ما نزل فی علی بن ابی طالب	اتنی آیتیں کسی کی شان میں نہیں نازل ہوئیں جس قدر حضرت علیؑ کے متعلق نازل ہوئیں -
قال ابن عباس نزلت فی علی ثلثمائۃ ایۃ فی القرآن - (شرح شہاب ۲۲۲)	تین سو آیتیں قرآن میں حضرت علیؑ کے متعلق نازل ہوئیں -

حسان بن ثابت (۵۴ھ - ۶۷۴ء) نے اپنے ایک قصیدہ مدحیہ میں امیر المومنینؑ علیہ السلام کے متعلق کہا -

من کان فی القرآن سمی مومنا ——— فی تسع ایات تلین غزارا

(زاد السبیل الی الجنۃ والسلسبیل از مولانا غلام یحیٰی صاحب مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

مذمت اہلبیتؑ میں حدیثیں وضع ہوئیں مخالفین اہلبیتؑ کی خوبیاں تصنیف ہوئیں

بہت سی حدیثیں امیر المومنینؑ اور اہلبیت رسولؐ کی مذمت میں وضع کی گئیں - کسی حدیث کا ایک حصہ فضیلت پر مشتمل رکھا گیا - اور دوسرا حصہ

مذمت پر۔ اور کسی نے نہایت بے باکی سے مذمت میں پوری حدیث وضع کر لی۔

یہ حدیث وضع کی گئی کہ جناب رسول خداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ کو نماز تہجد کے لیے جگایا حضرت علی نے کہا ہم نماز نہ پڑھیں گے۔ ہماری جان خدا کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہتا تو ہم ضرور نماز پڑھتے۔ یہ سن کر رسول خدا زانو پیٹتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے (معاذ اللہ) پلٹ آئے۔ انسان بڑا جھگڑالو ہے (بخاری کتاب التوحید ۱۹۷/۴)

کیا ذراسی واقفیت کا انسان یہ مان سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ رسول خدا سے ایسی بے ادبی سے پیش آئے ہوں گے۔ نماز میں سستی پر تمرد اور عقیدہ جبر کا اظہار اگر حضرت علیؑ کے کسی خادم کی طرف منسوب کیا جائے تو یقین نہ آئے۔

لقد جئتم شيئا ادا تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا

علماء نے ان اکثر حدیثوں کو بے نقاب کر دیا ہے جو امیر المومنین اور اہلبیتؑ کی منقصت میں وضع ہوئی ہیں۔

حدیث "طیر" کے مقابلے میں یہ حدیث وضع کی گئی۔

جناب رسول خداؐ نے انس سے فرمایا کسی کو آنے نہ دینا۔ لوگ آئے اور واپس چلے گئے۔ لیکن علی اندر چلے گئے۔ تو رسول خداؐ نے فرمایا (معاذ اللہ)

يا على لعلك مكنت الشيطان على رقبتك۔ (۵۱/۲ ابن عساکر)	اے علی۔ شاید تم نے ...... کو اپنے اوپر قابو دے رکھا ہے۔

مورخ ابن عساکر نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے:۔

هذا حديث منكر جدا وفيه غير واحد من المجاهيل فی اسناده۔ بل هو موضوع۔ (۵۲/۲ ابن عساکر)	یہ حدیث بہت منکر ہے۔ اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔ بلکہ یہ موضوع ہے۔

عبدالوحید خاں صاحب وکیل لکھنؤ۔ تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی (۲۲۹) میں لکھتے ہیں:۔

"خلفاء بنو امیہ نے حضرت علی کے مثالب اور امیر معویہ وغیرہ کے مناقب میں سیکڑوں حدیثیں وضع کرائیں بنی امیہ کے بعد جب بنی عباس کا عہد آیا تو ان کی سیاسی ضرورتیں بھی بنی امیہ سے ملتی جلتی تھیں انھوں نے بھی اہلبیتؑ کی مخالفت میں حصہ لیا۔ زبیر بن بکار قرشی (۱۷۲ - ۲۵۶ھ) وغیرہ اسی عہد کی پیداوار ہیں اہلبیتؑ کی مخالفت میں جن کے قلم نے کافی کاغذ سیاہ کیے۔

گر رود اینجا بسے دعوائے باطل باک نیست ۔ در قیامت قاضی روز جزا پیداست کیست

ابن کثیر اور ان کے تنگ نظر و متعصب امثال نے اموی و عباسی حکومت کے خاتمہ کے بعد ان کے عناد اور اہلبیت دشمنی اور نواصب نوازی کو اپنا مسلک بنایا۔ اگر اس ذہنیت کے محدثین و مورخین کا جائزہ لیا جائے تو ایک تصنیف وجود میں آسکتی ہے۔

صرف مورخ ابن کثیر کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو عناد و تنگدلی کی بہ کثرت مثالیں سامنے آسکتی ہیں امیرالمومنینؑ علیہ السلام کے مشہور ترین فضائل کو ابن کثیر "اسانیدہا کلہا ضعیفۃ" کبھی لا یصح من ای وجہ کان" "کبھی" ھذا حدیث غریب" کہہ کر رد کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے جابر بن سمرہ کی روایت نقل کی کہ صحابہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا قیامت میں آپ کا علمبردار کون ہوگا۔ حضرت نے فرمایا۔ دنیا میں میرے علمبردار علی ہیں۔ قیامت میں بھی وہی علمبردار ہوں گے۔ ابن کثیر نے لکھ دیا۔ ھذا اسنادہ ضعیف، و رواہ ابن عساکر عن انس بن مالک۔ ولا یصح ایضا۔

جب ابن عساکر کے قلم سے کوئی ایسی بات نکلتی ہے جس سے اہلبیتؑ کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے تو انھیں ابن عساکر اس وقت ابن کثیر حجت قرار دیتے ہیں اور اُن کی دلیل کو "متین" کہتے ہیں اور اس موقع پر وہی عساکر جب ایک ایسی روایت نقل کرتے ہیں جس سے امیرالمومنینؑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو کہہ دیا کہ ان کی سند سے جو روایت ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ ابن اثیر کی دلتنگی و تعصب و عناد کے رجحانات چھپائے نہیں چھپتے۔

ابن عمر کی ایک روایت نقل کی:۔

ببنی ھاشم فتح اللہ ھذا الامر و ببنی ھاشم یختم

خداوند عالم نے ہدایت انسان کا دروازہ بنی ہاشم (محمدؐ) سے کھولا ہے اور یہ دروازہ بنی ہاشم (مہدی آخرالزماں) پر بند ہو جائے گا (یعنی امام مہدیؑ کے بعد کوئی رہنما ہوگا اور قیامت آجائے گی)۔

اس روایت سے ابن عمر نے ایک ایسا نتیجہ نکالا جس کی روایت متحمل نہ تھی۔ اور نہ کسی دوسری روایت سے اُن کے خیال کی تائید ہوتی تھی اور نہ مسلمانوں میں کسی اور نے اس خیال کو تسلیم کیا اور واقعات نے بھی اس رائے کی سو فیصدی مخالفت کی۔ اس لیے کہ بنی عباس بھی ہاشمی تھے اور کئی سو سال تک انھوں نے حکومت کی اور دنیا باقی رہی — اور بھی کئی ہاشمی خاندان نے حکومت کی جن کی صحت نسب سے کسی نے انکار نہیں کیا لیکن اُن کی حکومت کا دور آیا اور ختم ہو گیا اور قیامت نہ آئی۔

جناب رسول خداؐ کی حدیث اور ابن عمر کی رائے نقل کرنے کے بعد ابن کثیر کی رگ تعصب کو جنبش ہوئی اس پر مورخ موصوف نے یہ اضافہ کیا:۔

قلت وهذا اصح حديث ابن عمر يدل على ان الفاطميين ادعياء كذبة لم يكونوا من سلالة فاطمة ۔ (۱۸۱/۱ تاریخ ابن کثیر)	میں کہتا ہوں ۔ ابن عمرؓ یہ حدیث بتاتی ہے کہ فاطمین (مصر) بدنسب اور جھوٹے تھے جناب فاطمہ بنت رسولؐ کی نسل سے نہ تھے ۔

قاتل امیرالمومنینؑ ابن ملجم کی تعریف کی جاتی ہے بڑا عبادت گذار تھا۔ جب امیرالمومنینؑ کے قصاص میں قتل کیا جارہا تھا تو ذکر الٰہی میں مصروف تھا۔

ابن ملجم قاتل امیرالمومنینؑ کی تعریف میں عمران بن حطان خارجی (۸۴ھ ۷۰۳ء) کو راوی حدیث اور "من رجال العلم والحدیث" کہا جاتا ہے۔ (اصابہ ۱۷۸/۳) ابن کثیر نے اس کا وہ قصیدہ مدحیہ جو اس نے ابن ملجم کی تعریف میں امیرالمومنینؑ کی قتل کی خدمت انجام دینے کے صلے میں کہا تھا نقل کیا (۳۲۹/۷ ابن کثیر) نیک دل و خوش عقیدہ مورخوں نے جب عمران بن حطان کی اس نظم کا ذکر کیا تو ان نظموں کو بھی نقل کیا جو مختلف اوقات میں اس کی رد میں شعرا نے اخلاص و عقیدت سے پیش کیں۔ اور خود بھی بعض مورخوں نے اس کی رد میں اپنے شعر درج کیے۔ (تہذیب التہذیب ۱۲۸/۸ میں تو یہ انکشاف بھی کر دیا گیا کان عمران بن حطان من اهل السنة)

وہی ابن کثیر جو فضائل امیرالمومنینؑ کی قطع و برید کے لیے تنقید حدیث اور جرح کی ساری قوت صرف کرتے ہیں جب امیر معویہ کا ذکر آتا ہے تو اُن کا جوش و خروش و خلوص دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

وقد اعتنى ابن عساكر بهذا الحديث واطنب فيه واطيب واطرب وافاد واجاد واحسن الانتقاد فرحمه الله ۔ كم له من موطن قد تبرز فيه على غيره من الحفاظ والنقاد ۔ (۱۲۲/۸ ابن کثیر)	ابن عساکر نے اس حدیث پر توجہ کی ہے اور طول سے کام لیا ہے اور خوب لکھا ہے مفید باتیں لکھی خوب تنقید کی ۔ رحمہ اللہ ۔ ابن عساکر کے لیے بہت سے ایسے مقامات ہیں جن میں ان کو حفاظ و ناقدین پر فضیلت حاصل ہوئی ۔

یزید سے ابن کثیر کی دلچسپی کی یہ حد ہے کہ اس کی تعریف و ثنا میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ اُسے راوی حدیث لکھا۔ اس کی ماں کا خواب نقل کیا۔ خرج قمر من قبلها۔ اس کی مغفرت کی حدیثیں لکھیں (۲۳۸/۸ ابن کثیر) اس کی تعریف میں لکھا:-

كان فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والسخا وحسن الرائ في الملك ۔	اس میں کرم و حلم و فصاحت و شعر گوئی و سخاوت سیاست رانی کے اچھے صفات تھے ۔

جو حدیثیں اشارۃً یا صراحۃً یزید کی مذمت میں تھیں انھیں "منقطع" و "معضل" لکھدیا۔

ابن عساکر جن کی تعریف و تحسین ابھی امیر معویہ کے ذکر کے موقع پر ابن کثیر کے قلم سے پڑھ چکے ہیں وہی

ابن عساکر اب جبکہ وہ یزید کی مذمت میں حدیثیں نقل کرتے ہیں تو غیر ذمہ دار ہوجاتے ہیں۔

وقد اورد ابن عساکر فی لوم یزید بن معویۃ کلھا موضوعۃ لا یصح شیٔ منھا واحد۔ (۲۳۱/۸ ابن کثیر)

ابن عساکر نے یزید کی مذمت میں حدیثیں نقل کی ہیں وہ سب موضوع ہیں۔

یزید کی صفائی میں لکھا۔ جب اہل مدینہ نے یزید پر خروج کیا تو صرف اُس کی شراب خواری اور بعض گندگیوں پر اکتفا کی۔

لم یتھموہ بزندقۃ کما یقذفہ بعض الروافض بل کان فاسقاً۔ وان الفاسق لا یجوز خلعہ لاجل ما یثور بسبب ذلک من الفتنۃ ووقوع الھرج۔ (۲۳۲/۸ ابن کثیر)

اس پر زندقہ کی تہمت نہیں لگائی جیسا کہ بعض رافضی اس پر تہمت لگاتے ہیں۔ بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کو حکومت سے معزول کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

"بلکہ ایک ایسا بیان نقل کیا جس کا اشارہ بھی کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتا۔ یعنی یزید نماز اور آداب شریعت کا پابند تھا۔ (۲۳۳/۸ تاریخ ابن کثیر)

احتیاط و احترام و اخلاص

سب مورخ و محدث و ادیب اموی و عباسی ذہنیت کے غلام نہ تھے بلکہ محدثین و مورخین و علماء کی صف میں ایسے مخلص و عقیدتمند و نیک طبیعت حضرات بھی تھے جو اہلبیت خصوصاً امیر المومنینؑ اور پنجتن پاک کی محبت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے۔ اور ان حضرات کے احترام میں نہایت اہتمام کرتے تھے۔ اشارۃً و کنایۃً بھی سوء ادب سے بچتے تھے۔ ان کی بزرگی و شرافت کا اعتراف اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔

ایک مخزومی عورت نے چوری کی۔ رسول خدا نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری فرمایا۔ قریش میں بے چینی ہوئی اسامہ بن زید سفارش کے لیے حضرت کے پاس بھیجے گئے۔ حضرتؐ نے اسامہ سے فرمایا۔ لا اراك تکلمنی فی حد من حدود اللہ۔ مجھ سے کبھی شرعی سزا کے بارے میں گفتگو نہ کرنا۔ جناب رسول خدا نے حاضرین کے سامنے خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا کہ اگلی قومیں اس لے ہلاک ہوئیں کہ اگر کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور چوری کرتا تو اسے سزا دیتے۔

والذی نفسی بیدہ لو کانت فاطمۃ ابنۃ محمد لقطعت یدھا۔ (۱۴۶ تقریب الاسانید در ترتیب المسانید مجدد قرن هشتم اہلسنت حافظ امین الدین ابو الطفیل عبد الرحیم بن حسین عراقی م ۸۰۶ھ)

اس خدا کی قسم جس کی قدرت میں میری زندگی ہے اگر اس موقع پر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتیں تو میں اُن کا ہاتھ کاٹتا۔

اس کتاب کی تصحیح جامعہ ازہر مصر کے ایک عالم استاد محمود حسین بن ربیع نے کی ہے۔ حضرت مصحح

روایت بالا کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :-

فیہ مبالغۃ للذھبی عن المحاباۃ فی حدود اللہ وان فرض فی ابعد الناس عنھا۔ وقد قال اللیث بن سعد (بن عبد الرحمن الفہمی امام اہل مصر فی عصرہ حدیثا و فقھا - ۹۴ - ۱۷۵ ھ ۷۱۳ - ۷۹۱ء) بعد روایتہ لھذا الحدیث -

وقد اعاذھا اللہ من ذلک - ای حماھا منہ - اذھی بضعۃ من النبی وھو - کقولہ تع ولو تقول علینا بعض الاقاویل الخ وھو معصوم عن ذلک، قال الشارح وقد سمعنا اشیاخنا عند قراءۃ ھذا الحدیث یقولون اعاذھا اللہ عن ذلک - وبلغنا عن الشافعی (۱۵۰ - ۲۰۴ھ ۷۶۷ - ۸۲۰ء) انہ لم ینطق بھذا اللفظ اجلالا لفاطمۃ وانما قال عضوا شریفا من امرءۃ شریفۃ والظاھر ان تخصیص ذکر فاطمۃ لانھا افضل نساء زمانھا - وانضم الیھا انھا عضو منہ - وفیھا شی اخر وھی انھا مشارکۃ للمخزومیۃ فی الاسم اذ کان اسمھا فاطمۃ - فینقل الذھن من احداھا الی الاخری - (۱۴۶ تقریب الاسانید)

اس حدیث میں کسی کے ساتھ جانبداری کرنے کی سخت مخالفت ہے شدت تاکید کے بیان کے لیے تمثیل میں ایسی ذات کو فرض کیا جاسکتا ہے جو اس صفت سے بالکل دور ہو - لیث بن سعد (فقیہ) نے کہا کہ خدا نے جناب فاطمہ محفوظ رکھا اس لیے کہ وہ حضرت رسول خدا کا جز ہیں - اور یہ تمثیل ایسی ہی تھی جیسی خود قرآن میں رسول خدا کے متعلق ہے - حالانکہ حضرت ہر خطا سے معصوم تھے - شارح نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ جب وہ یہ حدیث پڑھتے تھے تو کہتے تھے خدا نے سیدہ کو اس عیب سے محفوظ رکھا تھا - امام شافعی جناب سیدہ کے احترام کے لحاظ سے یہ الفاظ ہی اپنی زبان سے جاری نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے - ایک شریف عورت کے جسم کا ایک شریف حصہ، خصوصیت کے ساتھ حدیث میں سیدہ کا نام اس لیے آیا کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل تھیں - اور رسول کی بیٹی بھی تھیں - اور مخزومی عورت کا نام بھی فاطمہ تھا اس کے نام سے جناب سیدہ کے نام کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا اس لیے ضمن کلام میں رسول نے سیدہ کی تمثیل اختیار فرمائی -

ایک یہ احترام و اعزاز و خلوص و عقیدت ہے جس کا اظہار ازہری عالم اور فقیہ مصر حضرت لیث اور امام شافعی اور شیوخ حدیث کے حفظ مرتبہ سے ہوا - کتنا فرق ہے ابن کثیر اور حضرت لیث اور امام شافعی کے رجحانات میں -

صحیح حدیثوں کے متعلق دعوائے وضع

تنگدلی اور ناصبیت کے جذبات کی نمود طرح طرح سے ہوئی

صحیح ترین حدیثوں کی صحت سے انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ موضوع حدیثیں ہیں - جامع ازہر مصر کے زمانہ قیام میں میری ملاقات محدث کبیر احمد بن محمد بن صدیق مغربی سے ہوئی - موصوف مالکی ہیں - اور نہایت فاضل نیک طینت بزرگ ہیں - آپ نے کئی قابل قدر کتابیں لکھیں جن میں ارباب تعصب و عناد کا علمی جائزہ لیا - ابن خلدون نے حدیث مہدی کی صحت سے انکار کیا اور اسے احادیث موضوعہ میں شامل کیا - علامہ مغربی نے نہایت عالمانہ و محدثانہ رنگ میں ابن خلدون کی تنقید کی ہے - حدیث انا مدینۃ العلم پر لکھنؤ میں جو کام ہوا ہے اس کا علم بہت محدود طبقہ میں ہے - محدث موصوف نے جب اپنی معرکہ آرا کتاب فتح الملک العلی بصحت حدیث باب مدینۃ العلم علی لکھی اور مطبع اسلامیہ مصر میں شایع کی تو میں نے موصوف سے عبقات الانوار کی جلد مدینۃ العلم کا تعارف کرایا اور بعض دوسرے اہل علم سے اُس پر تقریظیں حاصل کیں اور حضرت ناصر الملۃ طاب ثراہ کو بھیجیں جو کہ عبقات کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں ــــ علامہ مغربی نے کتاب فتح الملک العلی کی ابتدا میں جو عبارت لکھی ہے اُس سے احادیث فضائل امیر المومنینؑ کی صحت پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاندین و مخالفین امیر المومنینؑ عرصۂ دراز سے انہدام فضائل امیر المومنینؑ میں اپنی سعی ناکام صرف کر رہے ہیں اور عشاقِ حقیقت اُن کی تنگ دلی و تعصب کا پردہ فاش کر رہے ہیں۔ علامۂ مغربی لکھتے ہیں :-

علامۂ مغربی کا بیان

ان الاحادیث الصحیحۃ الواردۃ بفضل امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام عدیدۃ متکاثرۃ وشہیرۃ متواترۃ حتی قال جمع من الحفاظ انہ لم یرو من الفضائل لاحد من الصحابۃ بالاسانید الصحیحۃ الجیاد ما ورد لعلی بن ابی طالب علیہ السلام - الا ان ہناک احادیث اختلف فیہا انظار الحفاظ فصححہا بعضہم وتکلم فیہا آخرون - منہا حدیث "الطیر" و حدیث "الموالاۃ" وحدیث "رد الشمس" وحدیث باب العلم - اما حدیث الطیر فقد افردہ بالتالیف الحافظان ابو طاہر محمد بن احمد بن حمدان - ا حمد

امیر المومنینؑ کی فضیلت میں احادیث بکثرت اور مشہور و متواتر ہیں - ایک گروہ حفاظ نے یہ کہا ہے کہ کسی صحابی کے اتنے بہترین اسناد سے فضائل ادا نہیں ہوئے جتنے علی علیہ السلام کے فضائل بہترین اسناد سے ہیں لیکن بعض حدیثوں کے متعلق اختلاف نظر واقع ہو گیا ہے - کچھ لوگ اس کی صحت کے قائل ہیں اور بعض نے اس میں گفتگو کی ہے - ان احادیث میں سے حدیث طیر و حدیث موالاۃ و حدیث ردشمس و حدیث باب العلم ہے - حدیث طیر پر مستقل کتابیں حافظ (۱) ابو طاہر محمد بن احمد بن حمدان شاگرد حاکم اور ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی نے لکھی ہیں - حدیث موالاۃ پر حافظ (۱) ابو العباس بن عقدہ (۲) اور ابو عبد اللہ ذہبی نے لکھی حدیث ردشمس پر

تلامذۃ الحاکم۔ وابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی۔ واما حدیث الموالاۃ فافردہ ایضا الحافظان ابو العباس بن عقدۃ وابو عبد اللہ الذھبی۔ واما حدیث ردالشمس فافردہ ایضا الحافظ ابو الحسن ابن شاذان والمحدث النسابۃ الشریف ابو علی محمد بن اسعد الجوانی احد الائمۃ المفیض فی القرن السادس۔ (۱) حدیث باب العلم فلم ار من افردہ بالتالیف ولاوجہ العنایۃ الیہ بالتصنیف فافردت لہ ھذا الجزء لجمع طرقہ وترجیح قول من حکم بصحتہ۔ (۲ فتح الملک العلی مغربی)

حافظ ابو الحسن بن شاذان اور محدث وماہر نسب علی محمد بن اسعد جوانی نے کتابیں لکھیں حدیث مدینۃ العلم پر کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی تھی میں نے اس پر کتاب لکھ دی تاکہ اس کے طرق کو جمع کردوں اور جو اس کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اُن کے قول کی ترجیح بیان کروں۔

اس بیان سے دونوں رخ سامنے آجاتے ہیں یعنی کچھ متعصب فضائل امیر المومنینؑ کا انہدام چاہتے تھے اور احادیث فضائل کی صحت کا انکار کرتے تھے۔ اور بعض علما ان کی صحت وتوثیق کے لیے اپنی زندگی کا عزیز حصہ نذر کرتے تھے۔

تنقید بے جا کی ایک مثال
حدیث سدباب پر علامہ ابن حجر عسقلانی کا تحقیقانہ فیصلہ

علامہ حجر لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے صرف اس وہم میں مبتلا ہو کر کہ حدیث سد والا بواب الا باب علی (مسجد کی طرف جس کے دروازے ہیں سب بند کرلیں۔ صرف علی کا دروازہ کھلا رہے) کو موضوع لکھا ہے کہ اُن کے خیال میں یہ حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول خداؐ نے ابوبکر کے لیے ایک کھڑکی کی اجازت دی تھی۔ ابن حجر لکھتے ہیں بغیر کافی تلاش ونظر کے وضع وتصنیف کا الزام نہ لگانا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر کے متعلق حدیث میں کھڑکی کی اجازت کا ذکر ہے وہ بھی حضرت رسول خداؐ کی وفات کے آخری ایام میں یہ اجازت ملی اور حضرت علیؑ کے دروازے کی دوسری روایت ہے۔ علامہ موصوف نے حدیث سد الابواب کو لکھا ہے۔

ھو حدیث مشھور لہ طرق متعددۃ کل طریق منھا علی انفرادھا لاتقصر عن رتبۃ الحسن ومجموعھا مما یقطع بصحتہ علی طریقہ کثیر من اھل الحدیث (قول مسدد) القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۱۹ھ

یہ مشہور حدیث ہے اس کے متعدد طریقے ہیں۔ انفرادی طور پر ہر ایک کی سند حسن کے مرتبہ سے کم نہیں ہے اور ان سب حدیثوں کے مجموعہ سے اکثر اہل حدیث کے طریقے پر صحت کا قطع ہوجاتا ہے۔

ناقدین حدیث کا جائزہ
حدیث کے متعدد طریقے
رسولِ خداؐ کو قسم کھانا پڑی

ہم نے چاہا تھا کہ ان کل حدیثوں کے متعلق دعوائے وضع کا جائزہ لیتے جن کو صرف تعصب و تنگ نظری یا ناواقفیت نے صحت کے شرف سے محروم کرنا چاہا ہے اور منصف و حق پرست علماء نے صدیوں میں اس کے متواتر و صحیح ثابت کرنے میں اپنی زندگی عزیز صرف کی ہے اور عظیم الشان علمی ذخیرہ چھوڑا۔ مشغولیت نے موقع نہیں دیا کہ یہ گراں قدر خدمت انجام دی جاتی۔ صرف علامہ ابن حجر کے تحقیقات پر اکتفا کی جاتی ہے جسے موصوف نے حدیث سدّ الابواب کی تصحیح کے موقع پر قلمبند کیا ہے موصوف کہتے ہیں:۔

فمن طرقه مارواه الامام احمد فی مسنده۔ ایضا فی مسند زید بن ارقم۔ قال حدثنا محمد بن جعفر ثنا عن میمون عن زید بن ارقم۔ کان لنفر من اصحاب رسول الله ابواب شارعة فی المسجد۔ قال فقال یوما سدّوا هذه الابواب الا باب علی۔ قال فتکلم فی ذلك اناس۔ قال فقام رسول الله فحمد الله واثنی علیه۔ ثم قال۔ اما بعد۔ فانی امرت بسد هذه الابواب غیر باب علی۔ فقال فیه قائلكم۔ وانی والله ماسددتُ شیئا۔ ولا فتحته۔ ولکن امرت بشی فاتبعته" ورواه النسائی فی السنن الکبری عن محمد بن بشّار۔ بندار۔ عن محمد بن جعفر وهو غندر بهذا الاسناد، ورواه الحاکم فی المستدرك عن ابی بکر احمد بن جعفر القطیعی عن عبدالله بن احمد بن حنبل عن ابیه وقال صحیح الاسناد۔ واخرجه الحافظ ضیاء الدین المقدسی فی الاحادیث المختارة مما لیس فی الصحیحین من طریق المسند ایضا

اس حدیث کے طرق میں ایک وہ بھی ہے جس کی روایت امام احمد نے بھی اپنے مسند میں مسند زید ابن ارقم کے ذیل میں لکھی ہے۔ کہا۔ ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا ان سے میمون نے اور میمون سے زید بن ارقم نے بیان کیا کہ بعض اصحاب رسولؐ کے دروازے مسجد میں تھے۔ ایک روز رسولؐ نے فرمایا علی کے سوا سب اپنے دروازے بند کریں اس پر کچھ لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں۔ رسول خداؐ نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا مجھے خدا کا حکم ہوا کہ میں علی کے سوا تم سب کے دروازے بند کرادوں۔ اس پر تم لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں۔ بخدا نہ تو میں نے کسی کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور نہ کسی کا بند کرایا ہے مجھے حکم خدا ہوا میں نے اس کی پیروی کی۔ نسائی نے اسے سنن کبری میں روایت کیا محمد بن بشار (بندار) سے انھوں نے محمد بن جعفر (غندر) سے اسی سند سے بیان کیا۔ حاکم نے اس کی روایت مستدرک میں ابوبکر بن احمد بن جعفر قطیعی سے کی انھوں نے عبداللہ بن احمد بن حنبل سے انھوں نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے روایت کی اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے بھی الاحادیث المختارہ مما لیس فی الصحیحین" میں مسند احمد حنبل کے طریق سے اس روایت کو وارد کیا۔

واورده ابن الجوزي في الموضوعات من طريق النسائي واعلّه بميمون، فاخطأ في ذلك خطأ ظاهرا۔ وميمون وثقه غير واحد، وتكلم بعضهم في حفظه، وقد صحح له ترمذي حديثا غير هذا۔ تفرد به عن زيد بن ارقم۔ ولم يذكر شيخنا هذه الطريقة وهي على شرطه وكانه اغفلها۔ لان ابن الجوزي لم يوردها من طريق المسند ومن طرقه ايضا ما رواه النسائي في السنن الكبرى عن محمد بن وهب عن مكيل بن بكير۔ واخرجه الكلاباذي في معاني الاخبار من وجه آخر عن مسكين، ورواه الترمذي عن محمد بن حميد عن ابراهيم بن المختار كلاهما عن شعبه عن ابي بلج عن عمرو بن ميمون عن ابن عباس قال امر رسول الله بابواب المسجد فسدت الا باب عليٍّ

وروى الامام احمد والنسائي ايضا من طريق ابي عوانه الوضاح عن ابي بلج يحيى عن عمرو بن ميمون، قال قال ابن عباس في اثناء حديث و سدّ ابواب المسجد غير باب علي۔ فكان يدخل المسجد وهو جنب۔ وهو طريقه۔ ليس له طريق غيره

واخرجه الكلاباذي في معاني الاخبار عن حاتم بن عقيل عن يحيى بن اسمٰعيل۔ واخرجه ابن الجوزي في الموضوعات من طريق ابي نعيم في الحليه۔

قال حدثنا محمد بن احمد بن حسن

نسائی کے طریق کو ابن جوزی نے موضوعات میں نقل کیا "میمون" کی وجہ سے۔ اور اس میں انھوں نے واضح غلطی کی۔ میمون کی کئی آدمیوں نے توثیق کی۔ بعض نے ان کے حفظ میں گفتگو کی۔ ترمذی نے میمون کی ایک حدیث کی اس کے علاوہ تصحیح کی ہے۔ جسے صرف زید بن ارقم سے انھوں نے روایت کیا تھا۔ اور ہمارے شیخ نے اس طریقہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ ان کی شرط کے مطابق تھا۔ گویا ان سے غفلت کی وجہ سے یہ رہ گیا۔ اس لیے کہ ابن جوزی نے اس روایت کو مسند کے طریق سے نہیں لکھا ہے۔ ایک طریقہ اس روایت کا وہ ہے جسے نسائی نے سنن کبریٰ میں محمد بن وہب سے انھوں نے مسکین بن بکر سے روایت کی ہے ترمذی نے اس کی روایت محمد بن حمید سے انھوں نے ابراہیم بن مختار سے دونوں نے شعبہ سے انھوں نے ابو بلج سے انھوں نے عمرو بن میمون سے انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے حکم دیا کہ علی کے سوا سب کے دروازے بند کردیے جائیں۔

امام احمد اور نسائی نے بھی ابو عوانہ وضاح کے طریقہ سے روایت کی ہے انھوں نے ابو بلج سے انھوں نے عمرو بن میمون سے کہا کہ ابن عباس نے حدیث کے ضمن میں کہا رسول نے حکم دیا سب اپنے دروازے مسجد میں علی کے سوا بند کر لیں۔ علی کا یہی راستہ تھا وہ بحالت جنب مسجد میں آتے۔

کلاباذی نے معانی الاخبار میں حاتم ابن عقیل سے انھوں نے یحییٰ بن اسمٰعیل سے روایت کی۔ ابو نعیم نے جو طریقہ حلیہ میں درج کیا ہے اسے ابن جوزی نے موضوعات میں درج کیا۔

کہا ہم سے بیان کیا محمد بن احمد بن حسن نے ہم سے

ابو شعیب کلاھما عن یحیی بن عبد الحمید بن ابو عوانۃ و اعلہ بابی بلج ۔ و بیحیی بن عبد الحمید فلم یصب کان یحیی لم ینفرد بہ ۔

بیان کیا ابو شعیب نے دونوں سے یحیی بن عبد الحمید نے کہا ہم سے بیان کیا ابو عوانہ نے ۔ ابن جوزی نے ابو بلج اور یحیی بن عبد الحمید کی وجہ سے روایت کو معلول قرار دیا ۔ حالانکہ انھوں نے ایسا ٹھیک نہیں کیا کیونکہ یحیی اس روایت میں منفرد نہیں ہیں ۔

واخرج النسائی حدیث سعد بن ابی وقاص من طریق اخر بمعناہ و رواہ الطبرانی فی الاوسط فی ترجمۃ علی بن سعید من طریق الحکم بن عتبہ عن مصعب بن سعد عن ابیہ ۔ قال امر رسول اللہ بسد الابواب الا باب علی ۔ فقالوا یا رسول اللہ سددت ابوابنا کلھا الا باب علی ۔ فقال ما انا سددت ابوابکم ولکن اللہ سدھا ۔ لم یروہ عن الحکم الا معویۃ بن میسرہ بن شریح ۔ قلت ھو حفید القاضی شریح الکندی قال البخاری فی تاریخہ ۔ سمع الحکم بن عتبہ ولم یذکر فیہ جرحا ۔ و ذکرہ ابن حبان فی الثقات ۔

دوسرے طریق سے اس کے ہم معنی سعد بن وقاص سے نسائی نے روایت کی طبرانی نے اس کی روایت معجم اوسط میں اس کی روایت علی بن سعید کے ذکر میں حکم بن عتبہ کے طریق سے کی انھوں نے مصعب بن سعد سے سعد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول خدا نے سب کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا سوا علی کے دروازے کے ۔ لوگوں نے اس پر گفتگو کی تو فرمایا میں نے تمھارے در بند نہیں کیے بلکہ خدا نے بند کیے ہیں ۔ حکم سے اس کی روایت صرف معاویہ بن میسرہ بن شریح کندی نے کی ۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا انھوں نے حدیث سنی ۔ اور کوئی جرح نہیں کی ۔ ابن حبان نے انھیں ثقات کے ذیل میں ذکر کیا ۔

عباس عم رسول کو بھی اجازت نہ تھی

وقال الطبرانی فی الکبیر بن ابراھیم بن نائلہ الاصبھانی بن اسمعیل بن عمرو البجلی بن ناصح عن سماک بن حرب عن جابر بن سمرہ قال ۔ امر رسول اللہ بسد الابواب کلھا غیر باب علی ۔ فقال العباس یا رسول اللہ قدر ما ادخل وحدی واخرج ۔ قال امرت شی من ذلک ۔ فسدھا کلھا غیر باب علی ربما مر و ھو جنب (القول المسدد ابن حجر)

طبرانی نے معجم کبیر میں لکھا ہے کہ جابر بن سمرہ نے بیان کیا رسول خدا نے حکم دیا کہ علی کے دروازے کے سوا سب دروازے بند کر دیے جائیں عباس نے کہا صرف میرے آنے جانے کی جگہ چھوڑ دیجیے ۔ فرمایا مجھے اس کی اجازت نہیں ہے علی کے دروازے کے سوا سب بند کر دیے ۔ علی اکثر علی بحالت جنب ادھر سے گزرتے ۔

علیؑ و عثمان کا مقام

وروی النسائی ایضا حدیث ابن عمر بسند اخر صحیح اورده من طریق ابی اسحاق السبیعی عن العلاء بن عزار - لما قال - قلت لعبد الله بن عمر اخبرنی عن علی وعثمان - فقال اما علی - فلا تسال عنه احدا - وانظر الی منزله من رسول الله فانه سد ابوابنا فی المسجد واقر بابه -

علاء بن عزار نے عبد اللہ بن عمر سے کہا علی و عثمان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے - ابن عمر نے کہا علی کے متعلق کسی سے نہ پوچھو رسول خدا کے قریب بس ان کا گھر دیکھ لو ہمارے در مسجد میں بند کر دیے گئے اور علی کا باقی رکھا -

ورجاله رجال الصحیح الا العلاء وھو ثقة وثقه یحیی بن معین وغیرہ واخرجه الکلاباذی فی معانی الاخبار من طریق عبد الله بن سلمة الافطس احد الضعفاء عن الزھری عن سالم بن عبد الله بن عمر عن ابیه نحوہ وفیه ھذا بیت رسول الله - واشار الی بیت علی الی جنبه - الحدیث (۱۱)

اس روایت کے رجال وہی ہیں جو صحیح کے ہیں - سوا "علا" کے وہ ثقہ ہیں یحیی بن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے - اور کلاباذی نے جو اس کی تخریج عبد اللہ بن افطس (ضعیف) کے طریقے سے زہری سے کی ہے انھوں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی انھوں نے اپنے باپ سے - اس میں ہے یہ رسول اللہ کا گھر ہے اور اس کے پہلو کی طرف اشارہ کیا یہ علی کا گھر ہے -

محدث کی انتہائی نظر

فھذہ الطرق المتظاھرۃ من روایات الثقات - تدل علی ان الحدیث صحیح دلالة قویة - وھذہ غایة نظر المحدث -

یہ طریقے روایات ثقات کے بتاتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے اور یہ محدث کی انتہائی نظر ہے -

اگر یہ دروازہ کھولا جائے

فکیف یدعی الوضع علی الاحادیث الصحیحه بمجرد ھذا التوھم - ولو فتح ھذا الباب لرد الاحادیث لادعی فی کثیر من الاحادیث الصحیحة البطلان - ولکن یابی الله ذلك والمومنون - (القول المسدد ابن حجر عسقلانی)[۲۰]

صرف وہم کی وجہ سے احادیث صحیحہ کو موضوع کیسے کہا جا سکتا ہے اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو بہت سی صحیح حدیثیں رد ہو جائیں - لیکن یہ نہ اللہ کو منظور ہے اور نہ مومنین اسے پسند کرتے ہیں -

علامہ ابن حجر عسقلانی کی اس تحقیق سے بعد میں اکثر محدثین متاثر ہوئے ہیں - ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۱۲) میں ابن حجر کی کتاب "القول المسدد" سے حدیث سد باب کے سلسلہ میں ابن حجر کی تحقیقات اپنی رائے کی تائید میں نقل کی ہے -

یہ ایک مشہور و مقدم عالم و محدث و فقیہ و نقاد کی رائے تھی اب ہم آخر میں محدث معاصر علامہ احمد بن محمد بن صدیق مغربی مالکی کے چند اقتباسات ان کی کتاب "فتح الملک العلی" سے نقل کریں گے جس سے معلوم ہو گا

کہ احادیث صحیحہ کو موضوع کہتے ہیں جس میں جلد بازی اور بے احتیاطی و تنگدلی سے کام لیا گیا ہے ہر زمانے کے علما اس سے شاکی تھے اور اس اقدام کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔

علامہ مغربی نے لکھا ہے کہ احادیث فضائل امیرالمومنین کے بیان و تصحیح میں بیجد تعصب و تکدر سے کام لیا گیا ہے بیجا طور پر صحیح و متواتر حدیثوں کو موضوع کہہ دیا گیا ہے اور امیرالمومنینؑ کے مخلصین کی ناحق تجریح کی گئی ہے اور دشمنوں کو نوازا گیا ہے۔

دشمن علیؑ کو اوثق الثقات کا خطاب

موصوف لکھتے ہیں کہ حریز بن عثمان، حضرت علی پر ستر بار صبح کو اور ستر بار شام کو (معاذ اللہ) لعنت کرتا تھا سب اس کے اس طرز عمل سے واقف ہیں لیکن اسے اوثق الثقات کہا جاتا ہے۔ (فتح الملک العلی ۹۳)

اوثق الثقات علیؑ کی دوستی کی وجہ سے مجروح

علامہ مغربی لکھتے ہیں:۔

الامر الخامس کون الحدیث فی فضل علی و روایۃ متھم بالتشیع بل مجرد کون الحدیث فی الفضائل من اکبر اسباب الطعن عندھم فی الرواۃ۔ ولو لم یتھموہ بتشیع فان من روی ذلک لا یتوقفون فی طعنہ ولا یتورعون فی جرحہ۔ ولو کان اوثق الثقات واعدل العدائل قال ابوزرعہ (۲۰۰-۲۶۴ھ-۸۱۵-۸۷۸ء) کم من خلق افتضحوا بھذا الحدیث۔ یعنی کل من حدث بہ یحکمون علیہ بالاضعف۔ لو کان معروفا عندھم انہ ثقۃ۔ فدلیل الضعف ھو الحدیث لفضل علی علیہ السلام۔ حتی انھم ضعفوا بہ جماعۃ من الحفاظ المشاھیر ورموھم بالرفض والتشیع۔ کمحمد بن جریر الطبری تکلموا فیہ لتصحیحہ حدیث الموالاۃ۔ والحاکم صاحب المستدرک لتصحیحہ فیہ حدیث الطیر، وحدیث الموالاۃ، والحافظ ابن السقا لاملائہ حدیث الطیر، ووثبوا علیہ ساعۃ الاملا واقاموہ وغسلوا موضعہ۔ والحافظ

احادیث فضائل کو موضوع کہتے میں لوگوں نے جو اصول بنا رکھے ہیں اُن میں پانچواں اصول یہ ہے کہ روایت فضیلت علی میں ہے اور راوی پر تشیع کا اتہام ہے بلکہ راویوں میں طعن کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوجاتی ہے کہ فضیلت علی میں روایت بیان کرتے ہیں۔ معتبر سے معتبر تر راوی بھی حدیث فضیلت علی بیان کرتا ہے تو اسے طعن و جرح سے نہیں چھوڑتے ابوزرعہ نے کہا فضائل علی کی وجہ سے بہت لوگ بدنام ہوئے یعنی جس نے حدیث فضیلت علی بیان کی اُسے ضعیف کہہ دیا گیا۔ خواہ اُن میں ثقہ بھی مشہور ہو دلیل ضعف بیان فضیلت علی ہے۔ بڑے بڑے مشہور حفاظ اس حملہ سے نہ بچ سکے۔ ان پر تشیع و رفض کا الزام لگ گیا۔ جیسے محمد بن جریر طبری پر الزام لگ گیا۔ ابراہیم بن عبدالعزیز بن ضحاک پر فرد جرم لگ گئی اس لیے کہ ابوبکر و عمر کی فضیلت بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا۔ اب علی و عثمان کے فضائل لکھوائیں گے۔ لوگ اُٹھ گئے۔ اور ان کو ضعیف کہا۔

الحسکانی لتصحیحه حدیث رد الشمس ... وابراهیم بن عبد العزیز ابن الضحاک لکونه املی مجالس فی فضل ابی بکر وعمر فلما فرغ قال ابتدء بعلی وعثمان۔ فتفرقوا عنه وضعفوه الخ (۹۴ فتح الملک العلی)

صرف شیعہ نہیں بلکہ اہلبیت پر حملہ

علامہ مغربی لکھتے ہیں:۔

ومن قلة حیاء ابن حبان وابن طاهر المقدسی، وعدم تعظیمهما لحرمة رسول الله انهما تکلما فی علی بن موسی الرضا علیه السلام وعلی من لا یحترم العترة الطاهرة من الله ما یستحقه۔ (۶۶ فتح الملک العلی)

ابن حبان اور ابن طاہر مقدسی کی بے حیائی اور حرمت رسول کا ان کے دل میں نہ ہونا اس درجہ پر ہے کہ ان دونوں نے امام رضا کے خلاف بھی لب کشائی کی۔ جو عترت طاہرہ کا احترام نہیں کرتا خدا اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جس کا وہ مستحق ہے۔

تضعیف حدیث فضائل کے اصول

الذین طعنوا فی الحدیث فانهم بنوه علی اصول باطلة، منها ابطال کل ما ورد فی فضل علی علیه السلام او اکثره۔ والحکم علی من روی شیئا منه بالتشیع والضعف والنکارة۔ ولو بلغ الحدیث مبلغ التواتر بحیث من تتبع صنیعهم فی ذلک رای العجب العجاب۔ (فتح الملک العلی ۹۳)

جن لوگوں نے حدیث میں طعن کیا ہے انھوں نے اس کی بنیاد باطل اصول پر رکھی ہے۔ وہ یہ کہ کل یا اکثر احادیث فضائل علی کو باطل کہہ دیں۔ اور جس نے کوئی بھی فضائل کی روایت کی اسے شیعہ اور ضعیف و منکر کہا خواہ حدیث متواتر ہی کیوں نہ ہو۔ جو ان لوگوں کے طرز عمل کا اس سلسلہ میں مطالعہ کرے گا اسے عجیب حیرت کا سامنا ہوگا۔

ابن قتیبہ کا بیان فیض سے محرومی کی توجیہ

والسبب فیه ما ذکره ابن قتیبه فی کتابه فی الرد علی الجهمیة۔ فقال وقد رایت هولاء ایضا حین راوا اغلوا الرافضة فی حق علی وتقدیمه وادعائهم له شرکة النبی فی نبوته وعلم الغیب للائمة من ولده وتلک الاقاویل والامور السریة التی جمعت الی الکذب والکفر افراط الجهل والغباوة۔

علیؑ کے فضائل سے اعراض کی توجیہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الرد علی الجہمیۃ" میں بیان کی ہے۔ کہا میں نے محدثین کو بھی دیکھا کہ جب انھوں نے علی کے حق میں رافضہ کا غلو دیکھا اور خلفاء پر ان کی تقدیم دیکھی اور ان کا دعوی سنا کہ وہ علی کو نبوت میں رسول کا شریک بتاتے ہیں۔ اور ائمہ علویین کے لیے علم غیب کے قائل ہوئے ان کے علاوہ اور مخفی امور کے قائل ہوئے جن میں جو جھوٹ اور کفر وجہالت وغباوت پر مبنی تھا

وراوا شتمهم خيار السلف وبغضهم وتبراهم
منهم قابلوا ذلك ايضا بالغلو فى تاخير على
كرم الله وجهه - وبخسه حقه - ولحنوا فى
القول وان لم يصرحوا الى ظلمه واعتدوا
عليه بسفك الدماء بغير حق - ونسبوه
الى الممالاة على قتل عثمان واخرجوه
بجهلهم من ائمة الهدى الى جملة ائمة
الفتن ولم يوجبوا له رسم الخلافة لاختلاف
الناس عليه - واوجبوها ليزيد بن معوية
لاجماع الناس عليه واتهموا من ذكره
بغير خير - وتحامى كثير من المحدثين ان
يحدثوا بفضائله كرم الله وجهه - او يظهروا
ما يجب له - وكل تلك الاحاديث لها
مخارج صحاح - وجعلوا ابنه الحسين عليه السلام
خارجيا شاقا لعصا المسلمين حلال الدم -
وسووا بينه فى الفضل وبين اهل الشورى -
لان عمر لو تبين له فضله لقدمه عليهم
ولم يجعل الامر شورى بينهم - واهملوا
من ذكره - اوروى حديثا فى فضله حتى
تحامى كثير من المحدثين ان يتحدثوا بها و
عنوا بجمع فضائل عمرو بن العاص ومعوية
يعنى الموضوعة - كانهم لا يريدونهما بذلك
وانما يريدونه - فان قال قائل اخو
رسول الله وابو سبطيه الحسن والحسين
واصحاب الكساء على وفاطمة والحسن
والحسين تمعرت الوجوه وتنكرت العيون
وطرت حسائك الصدور وان ذكر

اور دیکھا شیعہ خیار سلف کو برا کہتے ہیں اور ان سے
اظہار بیزاری کرتے ہیں - تو اس کا مقابلہ ان لوگوں نے
بھی غلو سے کیا - علی کو ان کی جگہ سے پیچھے ہٹایا،
اور ان کی حق تلفی کی اور اشارۃً علی کے ظلم کے
قائل ہوئے اور کہا کہ انھوں نے بغیر حق خون بہایا -
اور کہا کہ انھوں نے قتل عثمان میں حصہ لیا - اور
اپنی جہالت سے بجائے "امام ہدایت" کے انھیں
ائمہ فتن میں شمار کیا - انھیں خلیفہ کہنے سے گریز کیا
اس لیے کہ لوگوں نے ان کی خلافت میں اختلاف
کیا تھا یزید کے لیے خلافت کے قائل ہوئے
اس لیے کہ سب کا اس پر اتفاق ہو گیا تھا اور جس نے
یزید کو اچھا نہیں کہا اسے متہم کیا - بہت سے محدثین نے
فضائل علی سے گریز کیا حالانکہ تمام احادیث فضائل
کے صحیح ماخذ ہیں - حسین بن علی کو خارجی (معاذ اللہ)
قرار دیا - جنھوں نے مسلمانوں میں تفریق پیدا کی -
ان کا خون حلال قرار دیا - علی اور اہل شوریٰ کو
باعتبار فضائل ایک درجہ میں رکھا - اس دلیل سے
کہ اگر عمر نے علی میں کوئی فضیلت پائی ہوتی تو اہل شوریٰ
پر ان کو مقدم کیا ہوتا جس نے علی کا ذکر کیا یا کوئی
روایت ان کی فضیلت میں بیان کی اسے چھوڑ دیے
یہاں تک کہ اکثر محدثین نے بیان فضائل علی سے
گریز کیا اور عمرو عاص و معویہ کے جھوٹے فضائل
گھڑے گویا کہ وہ ان دونوں کو مراد نہیں لیتے بلکہ
علی کو مراد لیتے ہیں (یعنی علی کے فضائل ان دونوں
سے منسوب کرتے ہیں) اگر کسی نے کہا علی برادر رسول
اور رسول کے نواسوں (حسنؑ و حسینؑ) کے باپ ہیں
اور اصحاب کسا علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں تو

ذاکر قول النبی من کنت مولاہ فعلی مولاہ وانت منی بمنزلة هارون من موسی و اشباہ هذا التمسوا لتلك الاحادیث المخارج لینتقصوہ و یبخسوہ حقه بُغضاً منهم للرافضة ۔ والزاما لعلی علیه السلام بسببهم مالا یلزمه ۔ و هذا هو الجهل بعینه الخ

چہروں کے رنگ بگڑ جاتے ہیں۔ آنکھیں بدل جاتی ہیں اور دل میں کانٹے چبھنے لگتے ہیں۔ اگر کسی نے قولِ رسول نقل کیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور انت منی بمنزلة هارون من موسی وغیرہ تو ان احادیث پر نقد کرتے ہیں اور حق علی کو ضائع کرتے ہیں یہ سب رافضہ کی دشمنی میں کرتے ہیں اور رافضہ کی وجہ سے علی پر الزام عائد کرتے ہیں اور یہ اُن کی جہالت ہے

علامہ مغربی لکھتے ہیں:۔

فهذہ اهم الاسباب الحاملة للمتقدمین الذین کانوا فی عصر ابن قتیبه (۲۱۳-۲۷۶ھ ۸۲۸ - ۸۸۹ء) وقبیله علی الطعن فی فضائل علی علیه السلام ۔ وقد اشار الامام احمد الی نحو هذا ۔ اذ ساله ابنه عبداللہ عن علی و معویة ۔ فقال اعلم ان علیا کان کثیر الاعداء ففتش له اعداؤہ شیئا ۔ فلم یجدوہ ۔ فجاؤا الی رجل قد حاربه وقاتله فاطروہ کیدا منهم له ۔ رواہ السلفی (صدر الدین احمد بن محمد اصبهانی حافظ ۔ ۴۷۲ - ۵۷۶ھ ۱۰۷۹ - ۱۱۸۰ء) فی الطیوریات ۔

ابن قتیبہ کے زمانے میں اور اس کے پہلے متقدمین کے سامنے یہی اسباب تھے جن کی بناء پر وہ فضائل علی میں طعن کرتے تھے۔ امام احمد نے بھی اسی طرح کی وجہ بیان کی ہے۔ جبکہ ان کے فرزند عبداللہ نے علی و معویہ کے متعلق سوال کیا تو کہا۔ علی کے دشمن بہت تھے دشمنوں نے ان کی بُرائیاں ڈھونڈھیں نہ ملیں تو ان کے ایک دشمن کی تعریفیں کرنے لگے جس نے ان سے جنگ کی تھی تاکہ علی کو نیچا کریں۔ سلفی نے "طیوریات" میں یہ بیان نقل کیا ہے ۔

فمن کان بهذہ الصفة کیف یقبل فضائل علی او یصححها وقد انطوت بواطن کثیر من الحفاظ خصوصا البصریین والشامیین علی البغض لعلی و ذویه ۔

جس کا یہ حال ہو وہ فضائل علی کیسے قبول کرے گا یا احادیث فضائل کی تصحیح کیسے کرے گا۔ اکثر حفاظ کے دل خصوصا بصری حفاظ کے دل اور شامیوں کے دل علی اور اولاد علی کی دشمنی سے لبریز تھے ۔

وقد اشار ابن القیم فی اعلام الموقعین الی قریب من هذا ایضا ۔ لما تکلم علی المفتین من الصحابة ۔ فقال واما علی بن ابی طالب علیه السلام فانتشرت احکامه وفتاواہ

ابن قیم نے کتاب اعلام الموقعین میں تقریباً ایسا ہی اشارہ کیا ہے۔ اہل فتوی صحابہ کے ذکر میں کہا کہ علی کے احکام و فتاوی پھیلے لیکن خدا شیعوں کا بُرا کرے انھوں نے ان کے علم کو جھوٹ کی

ولکن قاتل اللہ الشیعة فانہم افسدوا کثیرا من علمہ بالکذب علیہ ۔ ولھذا تجد اصحاب الحدیث من اھل الصحیح لایعتمدون من حدیثہ وفتواہ ۔ الا ما کان من طریق اھلبیتہ واصحاب عبداللہ بن مسعود ۔ وکان رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجھہ یشکوعدم حملة العلم الذی اودعہ کما قال ان ھاھنا علما لو اصبت لہ حملة الخ ۔ فھذا یشیر الی انھم ترکوا من علمہ کما ترکوا من فضلہ معارضة للشیعة و اخمادالھم ۔ (۹۵ فتح الملک العلی علامہ مغربی)

آمیزش سے خراب کر دیا اسی لیے اصحاب حدیث ان کے حدیث و فتوی پر بھروسہ نہیں کرتے ۔ سوا اس کے جو ان کے اہلبیت اور ابن مسعود کے اصحاب کے ذریعہ سے وارد ہے ۔ حضرت علی کسی کو اپنے علم کا حامل نہیں پاتے اس کی شکایت کرتے تھے فرمایا میرے سینے میں بہت علم ہے ۔ کاش اس کے لیے حامل پاتا ۔ (علامہ مغربی ابن قیم کے بیان کے بعد لکھتے ہیں)

اس بیان میں اشارہ ہے کہ محدثین اہل سنت نے حضرت علی کے علم کو چھوڑ دیا جس طرح ان کے فضیلت کو چھوڑا شیعوں کے معارضہ کے خیال سے ۔

ناقدین حدیث میں سے دو پر تبصرہ

جن لوگوں نے احادیث صحیحہ متواترہ کو موضوع کہنے کی جرأت کی ہے اُن کے اصول نقد و تجریح اور قوت نقد پر بصیرت افروز و مفصل بحث و نظر کی ضرورت تھی کہ اُن کے حکم وضع کی حقیقت کھل جائے لیکن اس سرسری توجہ میں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں ہے صرف دو ناقدین پر علامہ مغربی کا تبصرہ نقل کیا جاتا ہے ۔ موصوف لکھتے ہیں :-

ابن جوزی

اما ابن الجوزی فھو مقلد لمن سبقہ ، فلا ینبغی ان بعد فی الحاکمین علی الحدیث بالوضع ۔ لانہ لم یقل ذلک عن اجتھاد ، فھو بمنزلة العدم کحال کل مقلد ولو فرضنا انہ حکم بذلک اجتھادا ۔ فتساھلہ و تھورہ معلوم ۔ حتی قال الحافظ فیہ انہ حاطب لیل لا یدری ما یخرج من راسہ وقد کثر اعتراض الناس علیہ ۔ و تعقبہ فیما حکم علیہ من الاحادیث بالوضع والتخدیر

ابن جوزی اگلوں کے مقلد ہیں ۔ یہ اس کے اہل نہیں ہیں کہ انھیں ان لوگوں میں شمار کیا جائے جو حدیث کے موضوع ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں ۔ انھوں نے اپنے ذاتی اجتہاد سے یہ رائے نہیں قائم کی اگر یہ مان بھی لیں کہ انھوں نے یہ رائے ذاتی اجتہاد سے قائم کی تب بھی ان کا تساہل و تہور سب کو معلوم ہے ۔ خطیب نے ان کے متعلق لکھ دیا کہ یہ شب کی لکڑی چننے والے ہیں (یعنی بغیر کافی بصیرت کے کام کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ ان کے سر سے کیا نکلتا ہے ۔ لوگوں نے ان پر بہت اعتراض کیے ۔ جن حدیثوں کو انھوں نے موضوع کہا لوگوں نے

من الاغتراء بکلامه -

(ص ۹۸ فتح الملک العلی)

ذہبی: واما الذہبی فلا ینبغی ان یقبل قوله فی الاحادیث الواردة بفضل علی علیه السلام فانه سامحه الله کان اذا وقع نظره علیها اغترته حدة اتلفت شعوره وغضب اذهب وجدانه حتی لا یدری ما یقول - وربما سب ولعن من روی فضائل علی علیه السلام - کما وقع منه فی غیر موضع من المیزان - وطبقات الحفاظ - تحت ستارة ان الحدیث موضوع ولکنه لا یفعل ذلك فیمن یروی الاحادیث الموضوعة فی مناقب اعدائه -

(۹۹ فتح الملک العلی)

اس کی تغلیط کی اور کہا کہ ان باتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے -

ان حدیثوں کے تعلق جو فضائل علی علیہ السلام میں ہیں ذہبی کی بات نہ ماننی چاہیے - جب حضرت علی کی کوئی فضیلت ان کی نظر سے گزرتی ہے تو ان کے مزاج میں ایسی حدت پیدا ہوتی ہے کہ ان کا شعور جاتا رہتا ہے - اکثر وہ ان لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں فضائل علی بیان کرتے ہیں ان پر لعنت کرتے ہیں -

جیسا کہ کئی جگہ میزان الاعتدال اور طبقات الحفاظ میں ان سے یہ عمل ظاہر ہوا ہے - اکثر یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے - لیکن یہ طرز عمل ان کا ان احادیث موضوعہ میں نہیں ہوتا جو علی کے دشمنوں کی فضیلت میں ہیں -

فضائل امیر المومنینؑ کی صحت و عظمت و اعتبار پر ایک سرسری نظر مطلوب تھی لیکن یہ حکایت ہی ایسی تھی کہ ایک سانس میں یہ قصہ نہیں دُہرایا جا سکتا تھا - مختلف مسائل سامنے آتے رہے اور بحث بڑھتی رہی اب بھی اندیشۂ طول سے گفتگو کو یہیں ختم کیا جاتا ہے ورنہ بہت کچھ کہنے کی ضرورت تھی -

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا (میر)

بحث کے خاتمہ پر ہم فضائل امیر المومنینؑ کے متعلق امام احمد حنبل کا قول پھر یاد دلاتے ہیں جس سے احادیث فضائل کو موضوع کہنے والوں کی کور باطنی آشکارا ہو جاتی ہے -

امام احمد حنبل کا بیان ہے :-

ما لاحد من الصحابة من الفضائل بالاسانید الصحاح مثل ما لعلی - (ص ۱۶۳ مناقب امام احمد حنبل از علامہ ابن جوزی مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ)

جیسی صحیح سندوں کے ساتھ فضائل علی میں کسی ایک صحابی کے بھی ویسے فضائل نہیں -

حضرت علی کی حیثیت ایک ایسے رہنما کی نہیں ہے جس کے بغیر کام چل سکتا - ان کا منصب کوئی اعزازی نہ تھا بلکہ آپ کی امامت کا اقرار اسی طرح ضروری ہے جس طرح جناب رسول خدا کی رسالت کا اقرار اسلام کی صحت کے لیے لازم ہے - شریعت - اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم میں آپ کی ہستی

اس طرح جذب ہے کہ اسے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ آیات قرآنی۔ احادیث پیغمبر۔ معاصرین کے اعتراف اور تاریخی کارناموں سے ہم نے حضرت علی کو پہنچانا اور ان کی بزرگی و جلالت سے واقف ہوئے اور یہ جستجو ہماری اس مقدس خواہش پر مبنی تھی کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اپنی دوسری لامتناہی زندگی کی فلاح کے لیے ایسا رہبر ڈھونڈھیں جس کی پیروی و اتباع سے ہمیں اپنی نجات کا کامل یقین ہو جائے۔

حضرت علیؑ کے زمانے ہی میں آپ کے مخلصین نے آپ کے آثار حیات کی پوری پوری حفاظت کی اور آپ کے کارناموں کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھا اور اس تحفظ میں اپنی زندگی قربان کردی۔ اور ہر زمانے میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت کے حالات و غزوات و اشعار و خطبات و قضایا وغیرہ پر کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ابراہیم بن محمد بن سعید ثقفی کوفی نے کتاب معرفۃ فضل الافضل کتاب بیعت علی۔ کتاب الجمل۔ کتاب صفین۔ کتاب الحکمین۔ کتاب فضل امیر المومنین لکھی (نجاشی ۱۳) اسمعیل بن مہران سکونی نے کتاب خطب امیر المومنینؑ لکھی۔ احمد بن محمد بن حسن قمی مصنف کتب کثیرہ نے کتاب شواہد امیر المومنین و فضائلہ (نجاشی ۶۶) لکھی۔ کتاب الال در امامت امیر المومنینؑ و ولادت و وفیات ائمہ اثنا عشر از ابو عبداللہ الحسین بن احمد بن حسین ابن خالویہ لغوی و نحوی (۳۷۰ھ ۹۸۰ء) ابو عبداللہ محمد بن عمران مرزبانی خراسانی بغدادی م ۳۸۴ھ نے ما نزل فی القرآن فی علی لکھی۔

حضرات علماء اہلسنت نے بھی ہر زمانے میں اپنے خلوص و عقیدت کا ثبوت دیا اور معاندین و منکرین فضائل امیر المومنینؑ و اہلبیت رسولؐ کی رد کرتے رہے اور حضرت کی فضیلت و سیرت پر کتابیں لکھتے رہے مصنفات علماء اہلسنت کی فہرست مختصر نہیں ہے ان حضرات کے بھی اس سلسلہ میں کافی خدمات ہیں۔ ہم ذیل میں چند کتابوں کے ذکر پر مقالہ کو ختم کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کے متعلق حضرات علماء اہلسنت کی تصانیف

(۱) کتاب المناقب ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل احد الائمۃ الاربعۃ (۱۶۴ - ۲۴۱ھ — ۷۸۰ - ۸۵۵ء)۔ (۲) خصائص شیخ الاسلام حافظ نسائیؒ (۲۲۵ - ۳۰۳ھ — ۸۳۹ - ۹۱۵ء) حافظ ابو نعیم کی (۳۳۶ - ۴۳۰ھ — ۹۴۷ - ۱۰۳۹ء) منقبۃ المطہرین اور ما نزل فی القرآن فی علی۔ ہیں۔ (۳) مسند فاطمہ دارقطنی (۲۰۶ - ۲۸۵ھ — ۹۱۹ - ۹۹۵ء)۔ (۴) مناقب ابن مردویہ اصفہانی حافظ و مورخ و مفسر مشہور (۳۲۳ - ۴۰۱ھ — ۹۳۵ - ۱۰۱۱ء)۔ (۵) جواہر العقدین فی فضل الشرفین شرف العلم والنسب از نور الدین علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی شافعی مصری۔ (۶) الشاہد المقبول بفضل ابناء الرسول ابوبکر بن شہاب الدین شافعی حضرمی مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ۔ (۷) معالم العترۃ للحافظ ابی الحسن جنابذی (۸) ذخائر العقبیٰ

فی مناقب ذوی القربیٰ للعلامہ المحب الطبری صاحب ریاض نضرہ (   )۔(۹) فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین للعلامہ ابراہیم بن محمد الحموینی (۷۲۲ھ)۔(۱۰) مناقب اخطب الخطبا خوارزم شاہی (۵۶۸)۔(۱۱) مطالب السؤل فی مناقب آل الرسول لمحمد بن طلحہ الشافعی (   )۔(۱۲) فصول المہمہ فی احوال الائمہ لابن صباغ مالکی (   )۔(۱۳) مودۃ القربیٰ للسید علی الہمدانی (۷۸۶ھ)۔(۱۴) مفتاح النجاد نزل الابرار لمیرزا محمد معتمد خاں بدخشانی (۱۱۳۰ھ)۔(۱۵) المناقب لابن مغازلی المالکی (   )۔(۱۶) ینابیع المودۃ سلیمان بن خواجہ گیلانی قندوزی بلخی (۱۲۲۰۔۱۲۷۰ھ ۱۸۰۵ – ۱۸۵۳ء)۔(۱۷) جزو فضائل اہل البیت للحافظ البزاز (   )۔(۱۸) مناقب السادات للقاضی شہاب الدین دولت آبادی (   )۔(۱۹) شرف النبوۃ للعلامہ ابو سعید (   )۔(۱۹) اتحاف اہل الاسلام بما یتعلق بالمصطفیٰ واہلبیتہ الکرام و اسعاف الراغبین از محمد بن علی الصبان المصری (۱۲۰۶ھ ۱۷۹۱ء)

(۲۰) تذکرۃ خواص الامہ بذکر خصائص الائمہ از سبط ابن جوزی یوسف بن قزاد غلی (۵۸۱-۶۵۴ھ ۱۱۸۵ - ۱۲۵۶ء)۔(۲۱) الروضہ الندیہ شرح التحفۃ العلویہ لمحمد بن اسمعیل صلاح الامیر یمانی صنعانی مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۲۲ھ (   )۔(۲۲) مناقب ائمہ اثنا عشر للشیخ عبد الحق الدہلوی (

(۲۳) اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب شمس الدین محمد جزری صاحب حصن حصین (۸۳۳ھ

(۲۴) فضائل فاطمہ للحافظ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشا پوری (۳۲۱ - ۴۰۵ھ ۹۳۳ - ۱۰۱۴ء) صاحب المستدرک۔ (۲۵) نور العین فی مشہد الحسین لابی اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی (۴۱۸ھ ۱۰۲۷ء)۔ (۲۶) نور الابصار للشیخ شبلنجی شافعی (   )۔(۲۷) القول الجلی فی فضائل علی۔ الثغور الباسمہ فی مناقب فاطمہ۔ احیاء المیت فی فضائل اہل البیت۔ العرف الوردی فی المہدی لجلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱ھ ۱۴۴۵ - ۱۵۰۵ء) میں نے تاریخ الخلفا سے ان کا مقتل الحسین شایع کیا ہے۔ (۲۸) کفایۃ الطالب لمحمد بن یوسف الشافعی (   )۔ (۲۹) معارج الوصول الی معرفۃ آل الرسول علامہ محمد بن یوسف زرندی مدنی (   )

(۳۰) صراط السوی فی مناقب آل النبی محمود بن محمد شیخانی قادری (   )(۳۱) معارج العلی فی فضائل المرتضیٰ محمد صدر عالم (   )(۳۲) توضیح الدلائل محمد شہاب الدین احمد (   )

(۳۳) الخصائص العلویۃ ابو الفتح محمد بن علی نطنزی (   )۔(۳۴) سر الشہادتین شاہ عبد العزیز دہلوی۔ (۳۵) مراۃ المومنین مولانا ولی اللہ فرنگی محلی۔ (۳۶) وسیلۃ النجاۃ مولانا محمد مبین فرنگی محلی مطبع گلشن فیض لکھنؤ۔ (۳۷) درر السمطین، جمال الدین محمد یوسف زرندی۔ (۳۸) مناقب حیدریہ للشیخ احمد بن علی انصاری یمنی (۳۹) عقد اللآل فی فضائل الآل للشیخ عبد اللہ العیدروس۔

(۴۰) مناقب از محمد بن احمد عجمی۔ (۴۱) فضائل اہلبیت للسید عبدالرحمٰن اجہوری شافعی۔ (۴۲) الشرف المؤید لال محمد للشیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (۴۳) عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ (۴۴) ریاض الفضائل للشیخ واعظ الہروی۔ (۴۵) وسیلۃ المال فی عد مناقب الال للفضل باکثر مکی شافعی۔ (۴۶) کتاب الصفوۃ بمناقب آل بیت النبوۃ لعبدالرؤف المناوی۔ (۴۷) فتح المبین فی فضائل اہلبیت سید المرسلین للعلامہ رشید الدین خاں دہلوی۔ (۴۸) دعاۃ الہداۃ الی اداء حق المعالات لعبیداللہ بن عبداللہ حسکانی۔ (۴۹) اسنی المطالب للشیخ ابراہیم بن عبداللہ وصابی یمنی شافعی (۵۰) المشرع الروی فی مناقب آل ابی علوی لمحمد بن ابی بکر بن احمد شلی حضرمی مورخ فلکی ریاضی (۱۰۳۰-۱۰۹۳ھ ۱۶۲۱-۱۶۸۲ء)۔ (۵۱) حیات علی بن ابی طالب از علامہ شقیطی مدرس جامع ازہر (۵۲) عبقریۃ علی عقاد مصری۔ (۵۳) کتاب علی از محمد صبیح مصری دو جلد۔ (۵۴) علی بن ابی طالب از علائلی (۵۵) علی بن ابی طالب فاطمہ بنت محمد۔ الحسین بن علی از ابوالنصر بیروتی۔ (۵۶) اتحاف بحب الاشراف للعلامہ شبراوی۔ (۵۷) فتح الملک العلی بصحت حدیث انا مدینۃ العلم وعلی علامہ محمد صدیق مغربی اسرار المکنون للعلامہ المغربی۔ (۵۹) علی مرتضیٰ از منظور علی ہیڈ ماسٹر۔ ارجح المطالب عبداللہ امرتسری ابوالحسین سٹر لکھنوی وغیرہ

علامہ حسن صدر رحمہ اللہ نے دو رسالے فضائل امیرالمومنینؑ میں بطریقہ جمہور بخاری و مسلم و مسند احمد حنبل و جامع صغیر سیوطی سے تیار کیے۔

ان کتابوں کے علاوہ فضائل میں سیکڑوں کتابیں ہیں جن کی تالیف و تدوین کا شرف شیعہ و سنی علماء نے حاصل کیا ہے۔

ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب "مصادر فضائل اہلبیت" میں شائع کی جاتی۔ جس میں ابتدا سے اس وقت تک فضائل اہلبیتؑ میں کتابوں کا علمی طور پر جائزہ لیا جاتا۔

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر
اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

مجتبیٰ حسن کاموں پوری
۴ نذیر احمد روڈ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

وَاَذَانٌ مِّنَ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ

S. Muzaffar Husain Zaidi

تاریخ الاذان

مصنفہ

حضرت ظہیر الملۃ والدین
مولانا السید علی اظہر طاب ثراہ
وجعل الجنۃ مثواہ

مطبوعہ اصلاح پریس کھجوا ضلع سارن (بہار)

طبع ثالث

قیمت۔ ایک روپیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و

آلہ الطاہرین۔ درحقیقت اذان خدا کی ایک رحمت ہے جو ٹھیک دوپہر کے وقت شدت تمازت آفتاب میں یاد خدا کے لئے چونکاتی اور شام کو دن بھر کے تھکے ماندوں کو یاد خدا کی ترغیب دلاتی ہے کہ دن تو تمہارا اتمام ہو اب بھی تو خدا کو یاد کر لو۔ صبح کے وقت بستر راحت کے سونے والوں کو بھی یہ آواز بیدار کرتی ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر جس کا نام شارع مقدس نے اذان رکھا ہے۔

یہ آوازیں ہمارے بغل کے ان دونوں مسجدوں سے بلند ہوتی ہیں جنہیں اہل اسلام نے اپنی قومی تفریق کے ثبوت کے لئے تعمیر کیا ہے اور اس ذریعہ سے وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم دو علیحدہ بستیاں ہیں اس لئے ایک مسجد کا نمازی دوسری مسجد سے یہ کہہ کر نکالا جاتا ہے کہ "سگ را با مسجد چہ کار" اور اب یہ تثنیہ بصورت تثلیث دکھائی دیتا ہے۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ شیعہ۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں فرقوں کی آوازیں بھی مختلف انداز سے نکلتی ہیں جس سے اجنبی شخص بھی سمجھ جائے کہ یہ دو فرقوں کی آوازیں ہیں مگر نہیں اسی اختلاف پر قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ بعض جملوں کے گھٹاؤ بڑھاؤ نے ایسا نمایاں فرق پیدا کر دیا ہے کہ پھر کسی طرح سے اشتباہ نہیں رہتا کیونکہ چار مرتبہ اللہ اکبر اور دو مرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اور دو مرتبہ اشھد ان محمد رسول اللہ سے مخالفت کرنے کی تو کسی کو گنجائش ہی نہ تھی مگر اس جملہ کے بعد اشھد ان امیر المومنین وامام المتقین علیاً ولی اللہ ووصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل ہی وہ عقیدہ ہے جس کے محو و اثبات نے ہم کو دو فریق بنایا۔

جو لوگ اس عقیدہ کے قائل نہیں ہیں وہ اہل سنت کہلاتے ہیں اُن کی اذان بھی اس جملہ سے خالی رہتی ہے اور برخلاف اس کے شیعوں کی اذان میں یہ جملہ کچھ اس جوش و خروش سے ادا ہوتا ہے کہ ہر سننے والا یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ اس فرقہ کو اس مبارک نام سے کچھ ایسی شیفتگی ہے کہ گویا اس نام کے سنتے ہی ان کے ہر رگ و پے میں خون کو جوش ہوتا ہے اور ایسا جوش کہ پھر دنیا و مافیہا کی ان کو خبر نہیں رہتی۔

ان جملوں کے بعد حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح اسی اتفاق سے ادا ہوتے ہیں جس کی ہر خیر خواہ اسلام کو تمنا رہتی ہے مگر اس کے بعد شیعوں کی اذان میں پانچوں وقت حی علی خیر العمل کی دو مرتبہ پکار ہوتی ہے اور اہل سنت کے یہاں یہ جملہ کسی وقت داخل اذان نہیں ہوتا جس سے ایک گونہ

اذان کا وزن ہلکا معلوم ہوتا ہے مگر صبح کے وقت الصلوٰۃ خیر من النوم سے یہ کمی پوری کر دی جاتی ہے پھر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ کے ادا میں البتہ صورت اتفاق نظر آتی ہے مگر بعض دفعہ اس میں بھی کچھ کمی سی ہو جاتی ہے۔ یہی اذان ہے جو عام مسلمانوں میں جاری ہے اور ہر نماز کے پہلے اس کی پکار ہوتی ہے۔ جس سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بھی ایک جزو عبادت ہے جس میں اختلاف ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی یہی سبب ہے کہ ہزارہا مختلف حدیثوں میں اس کی فضیلتیں بتائی گئی ہیں اور بے حد و حساب اس کے فضائل دکھائے گئے ہیں۔ مگر ناظرین فن تاریخ جانتے ہیں کہ گذشتہ اسلاف نے اس حیلہ کو بھی ملکی اور پولیٹیکل مقاصد میں داخل کر دیا تھا جس سے وقتاً فوقتاً انواع و اقسام کے تغیرات و تبدلات اس میں ہوا کئے اور بہت سی خوں ریزیوں کی اس کی وجہ سے نوبت آئی جس کی تفصیلی اطلاع سے موجودہ اہل اسلام کی بہت کچھ تشفی ہو سکتی ہے اور حال کے اختلافات کو مٹا سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی کوشش کریں۔

تحقیق لفظی

اذان بہ فتحہ ہمزہ یا تو مثل امان ہے بہ معنی ایمان یا مصدر ہے باب تفعیل کا بروزن سلام و کلام جس کے معنی اعلام و اجازت کے ہیں یعنی لوگوں کو خبر دینا اور مطلع کرنا یا اجازت دینا۔ اگر اذان بمعنی اعلام لیا جائے تو اس کا مجرد اذن ہوگا بہ معنی علم جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ اٰذنتکم علی سواءٍ جس کے معنی اعلمتکم کے ہے یعنی میں نے خبردار کیا تم کو اور ہم اور تم علم میں برابر ہوئے اور یہی معنی فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ کے بھی بعض مفسروں نے بیان کیا ہے کہ فاذنوا کے معنی فاعلموا کے ہیں کہ سود خواروں کو خبردار کرو و حاب خدا و رسولؐ سے اذن گوش یعنی کان کو بھی کہتے ہیں اور سننے کو بھی ان باتوں کے جن کا سننا یا اتباع کرنا مناسب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے و اذنت لربھا و حقت یعنی استمعت و اطاعت و انقادت۔ اور باب تفعیل میں لے جانے سے معنی ندا پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اذّن موذن ای نادی منادٍ یعنی پکارا پکارنے والے نے کیونکہ اذن کے معنی خبر دینے کے ہیں اور اذن بالتشدید کے معنی زیادہ خبر دینے کے ہیں اسی سے ہے وہ اذان جس کی یہاں بحث ہے۔ اذان دینے والے کو موذن کہتے ہیں جیسا کہ جس مینار پر کھڑے ہو کر اذان دینے والے اذان دیتے ہیں اس کو مئذنہ کہتے ہیں۔

اذان قبل اسلام

اگرچہ اذان کے لغوی معنی ندا کے ہیں مگر اہل اسلام کی اصطلاح میں اب یہ نام ان چند کلمات

کا قرار پایا ہے جو نماز کے وقت پکارے جاتے ہیں اور دیگر انبیا کے زمانہ میں یہ کام ناقوس وغیرہ سے لیا جاتا تھا اور عرب کے لوگ کبھی آگ سلگا کر کبھی کسی کلمہ کو بہ آواز بلند پکار کر یہ کام نکالتے مگر کسی خاص ندا یا صدا پر اذان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ ہاں قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ندا دینے کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جہاں ملت ابراہیمی کی بہت سی باتوں کی تجدید کی ہے اس سنت اذان کو بھی جاری کیا چنانچہ خداوند عالم قصۂ بنائے خانۂ کعبہ میں ان لفظوں میں حکم دیتا ہے واذّن فی الناس بالحج یعنی ابراہیم تم لوگوں کو حج کے لئے پکارو جس کی تعمیل حضرت ابراہیم نے یوں کی کہ کوہ ابو قبیس پر جو مکہ کا مشہور پہاڑ ہے چڑھ کر ہر چہار سمت پھر پھر کر یہ ندا دی یا ایھا الناس کتب علیکم الحج الی البیت فاجیبوا ربکم یعنی تم لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج واجب کیا گیا ہے خدا کے پکار پر لبیک کہو۔ جب خدا کا یہ حکم نازل ہوا تو حضرت ابراہیم کو بہ مقتضائے بشریت یہ تردد ہوا کہ ہماری آواز سب تک کیونکر پہونچے گی جس پر خداوند عالم نے اُن کی تسکین فرمائی اذّن وعلی البلاغ تم پکارو تمھاری پکار کو لوگوں تک پہونچانا ہمارے ذمہ ہے۔

دوسری اذان قرآن میں یہ ذیل ذکر انبیاء علیہم السلام حضرت یوسف کے قصہ میں مذکور ہے ثم اذّن موذّن ایّتھا العیر انّکم لسارقون یعنی پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلہ والو تم لوگ چور ہو۔ یہ ندا اس وقت دی گئی تھی جب برادران حضرت یوسفؑ رخصت ہو کر مصر سے کنعان کو واپس جا رہے تھے غرض یہ تھی کہ وہ ٹھہر جائیں اور اُن کی تلاشی لی جائے۔

قرآن کی ایک اور اذان

اب قبل اس کے کہ ہم اسلام کی اذان کو اور اُس کی ابتدائی حالت اور اس کے تغیرات کو بیان کریں ایک اور اذان کا تذکرہ ضروری ہے جو اذان اصطلاحی سے خارج ہے مگر قرآن پاک نے اس کو بہ لفظ اذان یاد کیا ہے۔

یہ اذان سورۂ برأت کی تیسری آیۃ میں مذکور ہے۔ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم۔ یہ سورہ اگرچہ سورہ برات کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا نام سورۂ توبہ ہے مگر حدیث کی کتابوں میں اس کا نام فاضحہ ہے جس نے اُن منافقوں کو اچھی طرح فضیحت کیا تھا جو حضرتؐ کے زمانہ میں مرتکب نفاق رہے کیونکہ نام بنام اُن منافقوں کو یاد کیا گیا تھا اسی وجہ سے وہ نام بعد کو نکال دیئے گئے یا از خود نکل گئے۔

شان نزول اس کا یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے کفار و مشرکین سے جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا اکثر کفار

اس میں خیانت کرتے اور مرتکب بدعہدی ہوتے لہذا یہ حکم نازل ہوا کہ اُن کو خبردار کر دو کہ ہمارے تمہارے
درمیان جو عہد و پیمان تھے اس کی ذمہ داری سے اب ہم دستبردار ہوتے ہیں اور چار مہینہ کی مہلت دیتے
ہیں مگر جو کفار پابند عہد و پیمان رہے ہیں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اُن کا عہد و پیمان اس زمانہ تک باقی رہے گا
جو زمانہ مقرر کیا گیا تھا۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ جس چار مہینہ کی مہلت دی گئی تھی اس کی ابتدا کب سے ہے خاندان رسالتؑ
کی اکثر حدیثوں میں تو نہم ذی الحجہ سے دہم ربیع الثانی تک کی مہلت تھی مگر اور روایتوں میں اول شوال سے ابتدا
قرار پائی اور بعض روایتوں میں دہم ذی قعدہ سے اس کی ابتدا تھی کیونکہ اس سال کفار کا حج اسی تاریخ کو ہوا تھا
بہ قاعدہ نسئی۔

پھر حج اکبر میں بھی اختلاف ہے مگر خاندان رسالتؑ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حج حج اکبر ہے
کیونکہ اس کے مقابلہ میں حج اصغر عمرہ ہے جس کے ارکان بہ نسبت ارکان حج خفیف ہیں اسی لئے عمرہ کو حج اصغر
اور حج کو حج اکبر کہتے ہیں۔

لیکن دوسرے مفسرین نے روز عرفہ کو حج اکبر کہا ہے اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ مخصوص اُسی سال کے
حج کو حج اکبر کہتے ہیں جس میں کفار و اہل اسلام نے بالاتفاق حج کیا تھا اور اس کے بعد کفار کی ممانعت نازل
ہوئی مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت رسولِ خدا نے خلیفہ اول کو اور
بہ روایت شاہ ولی اللہ صاحب خلیفہ اول و دوم دونوں کو یہ سورہ عنایت فرمایا کہ جا کر مکہ میں بہ زمانۂ حج اس
حکم کی تبلیغ کریں۔ شیخین کچھ دور گئے تھے کہ حکم خدا نازل ہوا کہ اس کام کو یا تم انجام دو یا علی ابن ابی طالبؑ
تب پیغمبرؐ نے اپنے ناقہ عضباء پر سوار کر کے بہ سرعت تمام علیؑ مرتضیٰ کو روانہ کیا کہ ابو بکر سے اس سورہ
کو لے لو اور جا کر مکہ میں اس کی تبلیغ کرو۔ خلیفہ اول منزل ذی الخلیفہ تک پہونچے تھے یا بہ روایت دیگر منزل
روحا تک کہ علیؑ مرتضیٰ ناقہ رسول پر سوار پہونچے اور خلیفہ اول سے سورۂ برات کی آیتیں لے لیں شیخین روتے
ہوئے حضرتؐ کی خدمت میں واپس آئے اور معزولی کی وجہ دریافت کی کہ کیا کوئی آیت میرے بارے میں نازل
ہوئی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا جبریل امین یہ حکم لائے کہ اس کام کو یا تم انجام دو یا وہ شخص جو تم سے ہو علیؑ چونکہ مجھ
سے تھے جن کے سوا دوسرا کوئی تبلیغ رسالتؐ نہیں کر سکتا تھا اس لئے علیؑ کو روانہ کیا۔

جناب امیرؑ نے ان آیات کی تبلیغ اس طرح فرمائی کہ بہ روز عرفہ عرفات میں اور شب عید کو مشعر الحرام میں اور
روز عید ممبروں کے پاس اور بقیہ ایام تشریق یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ ماہ ذی الحجہ ان دس آیتوں کو بہ آواز بلند ہر جگہ گھوم
گھوم کر سنایا اور اس وقت حضرتؐ کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ خود حضرت علیؑ مرتضیٰ سے روایت ہے کہ حضرتؐ
نے چار حکم کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا تھا ایک یہ کہ خانہ کعبہ میں اب کفار نہ داخل ہوں دوسرے یہ کہ طواف
خانہ کعبہ کوئی برہنہ نہ کرے تیسرے یہ کہ مومن و کافر مسجد الحرام میں مجتمع نہ ہوں چوتھے یہ کہ جس کسی سے مقررہ

مدت تک رسول اللہ کا معاہدہ ہے وہ عہد و پیمان اس مدت تک اپنی جگہ قائم رہے گا۔ یہی سبب ہے کہ جناب امیرؑ کا نام قرآن میں اذان قرار پایا ہے۔ کیونکہ حضرتؑ ہی اس حکم کی تعمیل کرنے والے تھے اور فریقین کی روایت سے دوسرا نام حضرت امیر المومنینؑ کا قرآن میں اذن داعیہ بھی ہے جو آیہ تعیھا اذن واعیہ میں مذکور ہے۔

ابتدائے اذان اسلام

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں :۔

"مدینہ میں پہونچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ زکوٰۃ نماز جمعہ نماز عید صدقہ فطرہ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آں حضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں تمام کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آں حضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہرحال مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔" (الفاروق ص ۳۷)

مگر محدثین کے سب سے زیادہ معتبر بزرگ امام بخاری نے چند روایتیں لکھی ہیں :۔

(۱) عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیہود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے نماز کا اعلان کرنے کے لئے آگ اور ناقوس کی رائے دی پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان میں دو دو مرتبہ اور اقامۃ میں ایک دفعہ کہیں (صحیح بخاری پ ۳ ص ۳۳۴ کتاب الاذان) اس روایت میں حضرت عمر کا نام نہیں اور خود حضرت رسول صلعم کا ذکر ہے کہ حضور ہی نے اذان کا طریقہ مقرر کیا۔

(۲) دوسری وہی جیسے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔

(۳) تیسری روایت یہ ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذن وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو

مرتبہ اور اقامۃ میں ایک ایک بار کہیں سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے۔

(۴) چوتھی روایت یہ ہے۔ عن انس قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰۃ بشئی یعرفونہ فذکروا ان یوروا نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ جناب انس بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں کی تعداد بڑھی گئی تو لوگوں نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ نماز کا وقت ایسی چیز سے واضح کیا جائے جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جایا کرے کچھ نے کہا ناقوس بجایا جائے مگر حضرت رسول خدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کہیں اذان میں دو دو بار کلمے کہیں اور اقامۃ میں ایک ایک بار (صحیح بخاری ۱/ ص ۳۳۶ کتاب الاذان)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں ہیں جن میں سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود حضرت رسول خدا صلعم نے اذان دینے کا حکم دیا اور ان تینوں روایتوں میں حضرت عمر کا نام تک نہیں ہے صرف ایک روایت میں آپ کا ذکر ہے مگر مولوی شبلی صاحب کو حضرت عمر کے مفاخر بیان کرنے کی اتنی فکر تھی کہ جن تین روایتوں میں حضرت رسول خدا کے حکم دینے کا ذکر تھا ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جس ایک اور صرف ایک روایت میں حضرت عمر کا بیان تھا اس کو اس زور و شور سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں روایتیں صرف اسی مضمون کی ہیں۔ اس امر میں مولوی صاحب نے اس قدر اہتمام کیا کہ الفاروق لکھنے کے مدت بعد سیرۃ النبی لکھی اس میں بھی اس بات پر زور دیا کہ اذان حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔ ممدوح کی عبارت پڑھیے

"نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں لیکن اس میں زحمت تھی صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا لوگوں نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمر کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زید نے پیش کی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۰۳)

مولوی شبلی صاحب سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ اسی صحیح بخاری میں اگر ایک جگہ تین روایتیں بتائیں کہ اذان کی تجویز حضرت رسول خدا نے خود کی اور صرف ایک روایت بتائے کہ حضرت عمر نے اس کی رائے دی تو اجماع کس طرف سمجھا جائے گا اور کس قول کو اختیار کرنا مناسب ہے اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کی رائے دینے کی روایت صرف آپ کے فرزند عبداللہ کی ہے کسی اور صحابی نے اس کو نہیں بیان کیا (دیکھو صحیح بخاری) برخلاف اس کے حضرت رسول خدا کے اپنی تجویز سے بلالؓ کو حکم دینے کی روایت جناب انس سے ہے جو حضرتؐ رسولِ خدا کے بیٹے نہیں تھے اور جن کو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر کی فضیلت کو چھپائیں۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ اذان کی ایجاد واقعاً حضرت عمر کی رائے سے ہوئی یا حضرت رسولؐ خدا کی تجویز سے اگر اب بھی وقت ہو تو اسی صحیح بخاری کی شرح سے اس مشکل کو حل کر دو اول من اذن بالصلوٰۃ جبریل فی السماء الدنیا سب سے پہلے نماز کی اذان دنیا کے آسمان میں جناب جبریل نے دی۔ عن طریق سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ قال لما اسری بالنبی اوحی اللہ الیہ الاذان فنزل بہ فعلمہ بلالا۔ حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ کے فرزند سالم کے طریق سے یہ روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرتؐ کو وحی کے ذریعہ سے اذان کا طریقہ بتایا۔ حضرتؐ یہ یہ حکم لے کر معراج سے واپس تشریف لائے تو بلالؓ کو اذان سکھائی۔ من حدیث انس ان جبریل امر النبی بالاذان حین فرضت الصلوٰۃ جناب انس کی حدیث میں ہے کہ جناب جبریل نے حضرت رسولؐ خدا کو اذان کا حکم دیا جب نماز فرض ہوئی۔ من حدیث علی قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لھا البراق فرکبھا فذکر الحدیث حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے کہ جب خدا نے ارادہ کیا کہ اپنے رسولؐ کو اذان کی تعلیم کرے تو حضرتؐ کے پاس جبریل براق لائے حضرت اس پر سوار ہو کر معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں خدا نے آپ کو اذان کی تعلیم دی صحیح بخاری مع شرح فتح الباری مطبوعہ دہلی پ ۳ ص ۳۳۴ کتاب الاذان)

اور علامہ احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اس کی تحقیقات بڑی فراخ حوصلگی سے کی ہے اس وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ بھی درج کر دینا مناسب ہے لکھتے ہیں۔ "ابتداء اذان کے بارے میں علماء نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے بعضوں کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے پہلے سال میں اذان کا حکم جاری ہوا تھا اور بعض اس کے مدعی ہیں کہ ۲ھ میں اس کی ابتدا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ چونکہ اوقات نماز معین تھے اس لئے نماز پڑھنے والے اپنے وقت پر خود ہی بغیر کسی طرح بلائے پہونچ جاتے تھے۔ مگر ابن سعد یہ روایت کرتے ہیں کہ جناب بلال الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا بلند کرتے کہ یہی اس وقت کی اذان تھی جناب رسول خدا نے ۲ھ میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ نماز میں لوگوں کے یکجا کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے اس پر تین تجویزیں پیش ہوئیں (۱) مثل نصاریٰ ناقوس پھونکی جائے (۲) یہود کی طرح بوق بنائے جائیں۔

(۳) ہر نماز کے لئے آگ روشن کی جائے جس کو دیکھ کر مجمع فراہم ہو جایا کرے مگر ابھی تک کوئی رائے نہیں قائم ہوئی تھی کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ نے جو صحابی تھے خواب میں دیکھا کہ کسی نے یہ طریقہ اذان کا تعلیم کیا اور انھیں نے خدمت رسولؐ میں آکر عرض کیا۔

امام احمد بن حنبل نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے معاذ بن جبل ہیں اُن کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا اور اگر کہوں کہ وہ خواب نہیں تھا تو صحیح ہوگا کہ ایک شخص جس پر دو سبز کپڑے پڑے ہیں قبلہ رُخ ہوا اور کھڑے ہو کر اس نے دو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جس طرح اذان کہی جاتی ہے اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے جاؤ بلالؓ کو تعلیم کرو کہ اذان کہیں کیونکہ اُن کی آواز تمھاری آواز سے زیادہ پاٹ دار ہے۔ معاذ بن جبل کہتے تھے کہ میں بلالؓ کو اذان سکھا رہا تھا اور وہ بہ آواز بلند کہتے جاتے تھے کہ حضرت عمر نے اس کو اپنے گھر میں سن لیا وہ وہاں سے ردا کھینچتے ہوئے نکلے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔

امام طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی بیان کیا کہ میں نے یہی خواب دیکھا ہے اور امام غزالی وسیط میں لکھتے ہیں کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے اس کا دعویٰ کیا کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے اور عبارت جیلی شرح تنبیہ میں یہ ہے کہ چودہ آدمی اس کے مدعی ہوئے تھے مگر ابن صلاح اور امام نووی اس کے منکر ہیں اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعویٰ کیا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق سے صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور قصہ حضرت عمر بعض طرق میں آیا ہے۔

علامہ سہیلی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں کون سی مصلحت تھی جو اذان کی صورت بعض مسلمانوں کو دکھائی گئی اور بہ طور وحی یہ حکم نہ آیا جیسا دوسرے شرعی احکام میں وحی نازل ہوا کرتی تھی پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرتؐ نے اس خواب کو رویائے حق قرار دیا اور اسی پر اذان کی بنا ہوئی۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اذان کا اجرا بذریعہ وحی ہوا یا اور کسی طرح۔ پھر ان اعتراضات کے خود ہی جوابات دیے ہیں کہ حضرتؐ نے شب معراج اذان کی ابتداء اس طرح پر ملاحظہ فرمائی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰؑ سے روایت ہے کہ جب براق پر سوار ہو کر حضرتؐ تشریف لے گئے اور قریب حجاب پہونچے تو ایک فرشتہ حجاب قدرت سے نکلا اس نے پوچھا اے جبریل یہ کون شخص ہے جناب جبریل نے بہ قسم بیان کیا کہ ہم نے اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی فرشتہ نے حضرت رسولؐ کو دیکھ کر کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تب حجاب قدرت سے آواز آئی سچ کہا میرے بندے نے میں اکبر ہوں اور بقیہ اذان بھی اسی طرح سنائی دی۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں یہ اقویٰ ہے وحی سے اور جب حکم اذان میں مدینہ پہونچنے تک تاخیر ہوئی اور

یہ منظور ہوا کہ لوگوں کو اوقات نماز سے اطلاع دے دی جایا کرے تو وحی اس وقت تک رک گئی کہ عبداللہ نے وہ خواب دیکھا یہ خواب اس کے موافق ہوا جس کو حضرتؐ رسولؐ خدا دیکھ چکے تھے اسی سبب سے آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ رویائے صادقہ ہے اور اسی وقت معلوم ہوا کہ خدا نے آسمان پر جو کچھ دکھایا تھا اس سے یہی منظور تھا کہ زمین میں بھی یہ سنت جاری ہو۔

مگر فتح الباری میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حکم اذان کا اثبات عبداللہ بن زید کے خواب سے درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پیغمبروں کے خواب کے سوائے اور کسی شخص کے خواب سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس خواب کے ساتھ وحی بھی نازل ہوئی چنانچہ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب اذان کو خواب میں دیکھا تو آکر حضرت صلعم کو خبر دینی چاہی مگر یہاں آکر انھیں معلوم ہوا کہ وحی اس کے قبل ہی آچکی ہے کیونکہ آپؐ نے بلالؓ کو اذان کہتے سنا اور حضرتؐ نے فرمایا بھی دیا کہ تمھارے خواب کے پہلے ہی مجھ پر اس کی وحی نازل ہو چکی ہے یہی زیادہ صحیح ہے اس سے جو داؤدی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے خواب سے آٹھ روز پہلے جناب جبریل وحی کا حکم اس اذان کے بارے میں آنحضرتؐ پر لا چکے تھے عبداللہ بن ربہ کا خواب بہ روایت ابن اسحاق یوں ہے کہ انھوں نے دیکھا کوئی شخص ناقوس لئے جاتا ہے انھوں نے پوچھا کیا اس کو بیچو گے؟ اس نے جواب دیا تم ناقوس کیا کرو گے؟ عبداللہ نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس شخص نے جواب دیا میں اس سے بہتر چیز تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو آخر جملہ اقامت تک۔ اس کو ابوداؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

مسند حارث میں ہے کہ آسمان دنیا میں اول اذان دینے والے جبریل ہیں جس کو حضرت عمرؓ اور بلالؓ نے سنا جب بلالؓ نے جا کر اس کی خبر دی تو حضرتؐ نے فرمایا تم سے پہلے عمر خبر دے گئے ہیں۔ اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کی ابتداء مکہ ہی میں ہو چکی تھی کہ حضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اور بلالؓ کو اس کی تعلیم فرمائی۔ اور دار قطنی کی یہ روایت ہے کہ جبریل نے اس کا حکم دیا تھا جس وقت نماز کی تعلیم کی تھی۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ صـ۷۲ مطبوعہ مصر)

ایک اور قوی دلیل اس امر کی کہ اذان کی ایجاد میں حضرت عمر کی رائے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوا یہ بھی ہے کہ مورخین نے حضرت عمر کی اولیات میں (ان باتوں میں جن کے وہی بانی ہوئے) اور امور کو لکھا مگر اذان کی رائے و مشورہ کو نہیں ذکر کیا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے حضرت عمر کے فضائل میں بہ کثرت چیزیں بھر دی ہیں اور آپ کے اولیات میں بہت سی باتیں لکھیں یہاں تک کہ پہلے پہل متعہ حرام کرنے کا فخر بھی تحریر کر دیا تراویح کو بھی ذکر کیا امیر المومنین کا نام اول دفعہ اختیار کرنے کو بھی لکھا لیکن اذان کے متعلق ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا (دیکھو تاریخ الخلفا صـ۹۳ فصل فی اولیات عمر) حالانکہ حضرت عمر کے حالات کتاب تاریخ الخلفا

میں خاص اہتمام سے جمع کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی وغیرہ نے بھی اس روایت کو کہ حضرت عمر کی رائے سے اذان کی ایجاد کی گئی بالکل غلط اور ناقابل التفات سمجھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی بہت بڑے مصنف گذرے ہیں انھوں نے صحابہ کے حالات میں سب سے زیادہ جامع کتاب اصابہ لکھی ہے اس میں حضرت عمر کے حالات بھی لکھے ہیں مگر اذان کے متعلق کوئی جملہ نہیں لکھا اسی طرح دوسرے علماء فن تاریخ وسیرۃ و رجال وغیرہ نے بھی اس سے سکوت ہی کیا ہے ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی رح نے کافی میں ابتدائے اذان کے متعلق دو روایتیں لکھی ہیں۔

(۱) عن ابی جعفر قال لما اسری برسول اللہ الی السماء فبلغ البیت المعمور وحضرت الصلوٰۃ فاذن جبرئیل واقام فتقدم رسول اللہ وصف الملائکۃ والنبیون خلف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جب رسول شب معراج کو بیت المعمور تک پہنچے تو وقت نماز آچکا تھا وہاں حضرت جبرئیل نے اذان و اقامہ کہی اور رسولؐ نے نماز جماعت پڑھائی جس کی اقتدا ملائکہ اور انبیاء نے کی کہ حضرت کے پیچھے صف باندھے کھڑے تھے۔

(۲) عن ابی عبد اللہ قال لما هبط جبرئیل بالاذان علی رسول اللہ کان راسہ فی حجر علی فاذن جبرئیل فلما انتبہ رسول اللہ قال سمعت قال نعم قال حفظت قال نعم قال ادع بلالا فعلمہ فدعا علیٌ بلالاً فعلمہ (فروع کافی جلد ۲ ص ۱۷۵)

حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل حکم اذان لے کر رسولؐ اللہ پر نازل ہوئے تو اس وقت حضرتؐ کا سر مبارک آغوش جناب امیرؑ میں تھا حضرت جبرئیل نے اذان و اقامت کہی جب رسولؐ اللہ بیدار ہوئے تو پوچھا یا علیؑ تم نے بھی سُنا۔ عرض کیا ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا ہے۔ عرض کیا ہاں۔ تو فرمایا اچھا بلالؓ کو بلاؤ اور اس کی تعلیم دو۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے بلالؓ کو بلا کر تعلیم فرمایا۔

اگرچہ عام مسلمانوں نے ہمیشہ اس قسم کی روایتوں سے چشم پوشی کی ہے مگر اس سبب سے نہیں کہ اس میں کوئی راوی ضعیف ہے یا مجہول یا کذاب ہے یا مفتری۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ہمارے حلقہ یا ہماری سوسائٹی کی یہ روایت نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ یہ روایتیں ان ذوات مقدسہ سے لی گئی ہیں جن کا استیصال کرنا سواد اعظم نے اپنا نصب العین بنا رکھا تھا جن کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے ہمیشہ درپے رہے پھر ان کے ذریعہ کیونکر کوئی روایت قبول کی جا سکتی ہے جس سے خواہی نخواہی اُن کا نام لینا پڑے اور لوگوں کے دماغ و قلب ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ہم یہاں اُن خصوصیتوں کو بیان کرتے ہیں جن سے عام نگاہیں ان روایتوں کی تصدیق و قبول پر مجبور ہو جائیں اور وہی درجہ ان روایتوں کو حاصل ہو جس کی وہ مستحق ہیں۔

(۱) یہ دونوں روایتیں مع اسناد ایک ہی جگہ پر مرقوم ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دو واقعہ کو بہ ترتیب تقدم و تاخر بیان کیا ہے کہ پہلی اطلاع اس کی حضرتؐ کو شب معراج ہوئی تھی اور دوسری اطلاع زمین پر جس کے بعد سے اس کا نفاذ شروع ہوا نہ یہ کہ دو مختلف روایتیں ہوں جیسا کہ روایات سابقہ کی شان تھی۔

(۲) ان دونوں روایتوں کے سوا اور کوئی روایت اس کتاب میں نہیں مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ مسئلہ بلا اختلاف ثابت تھا جو ہر صورت میں اختلافی حکایتوں سے افضل ہوگا۔

(۳) ان روایتوں میں بھی وہی بات دکھائی گئی ہے کہ نزول حکم اذان بذریعہ رویا یعنی خواب تھا مگر اس خواب کے دیکھنے والے خود رسول اللہؐ تھے نہ کہ کوئی اور خواہ وہ جناب امیرؑ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ جناب امیرؑ بھی اس اذان سے مطلع ہوئے مگر خواب وغیرہ کے ذریعہ نہیں بلکہ جبرئیل نے پیغمبرؐ خدا کے سامنے اذان کہی تھی جسے جناب امیرؑ نے بھی سنا اور یاد کر لیا۔ تو ان روایتوں کے ذریعہ علامہ سہیلی کے وہ تین اعتراضات بھی اٹھ گئے جو بعض صحابہ کے خواب سے اذان پر انھوں نے نہایت شد و مد سے وارد کیے تھے اور کوئی جواب معقول آج تک ان کا نہ ہو سکا۔

(۴) ان دونوں روایتوں سے وہ سب خرابیاں بھی دفع ہو گئیں جو مذکورہ بالا روایت سے پیدا ہوتی تھیں کہ حضرت عمر بلال کو اذان کہتے سن کر قسم کھا بیٹھے کہ واللہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے کیونکہ ان روایتوں سے اچھی طرح ان راویوں کی دروغ گوئی ثابت ہو جاتی ہے جنھوں نے حضرت عمر پر ایسا اتہام رکھا تھا۔ اس اتہام کی حقیقت یوں بھی کھل جاتی ہے کہ خود ان راویوں نے اس کے بارے میں چند طرح سے اختلاف کیا ہے۔

(۱) خواب دیکھنے والوں میں عمر انصاری کا نام بھی لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ محض لفظ عمر کے مشترک ہونے کی وجہ سے حضرت عمر کی طرف بھی نسبت دے دی گئی۔

(۲) بہ قول علامہ قسطلانی حضرت عمر کا خواب ہی نہ معلوم ہوا کیا تھا کیونکہ ان روایتوں میں صرف اسی قدر دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا ہم نے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔

(۳) یہ بھی تذبذب ہے کہ حضرت عمر نے خواب دیکھا تھا یا بیداری میں جو یقیناً لوازم نبوت سے ہے

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صرف عبداللہ بن زید کی روایت کو ثابت کیا ہے روایت حضرت عمر کے اثبات کا دعویٰ نہیں کیا۔

(۵) بروایت ابوداؤد جب حضرت عمر نے اس کا دعویٰ کیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آٹھ روز پہلے اس کی وحی آ چکی ہے۔

(۶) انھیں بیانات سے وہ اتہام بھی باطل ہو گیا جو اس اذان کی نسبت میں حضرت ابوبکر کی طرف

کی گئی کیونکہ علامہ ابن حجر نے صاف لکھ دیا ہے کہ روایت عبداللہ بن زید ثابت ہے اور روایت عمر بعض طرق میں آئی ہے۔

غرض ان مجموعی روایتوں کی حالت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ واضعین روایات نے چاہا کسی طرح اور لوگوں کو بھی شریک منصب رسالت بنائیں تاکہ عوام پر ان کی ایسی عظمت ثابت ہو جس سے اُن کے ساتھ حسن عقیدت میں اضافہ ہو مگر علمائے اسلام اُن کی اصلیت کو بخوبی سمجھ گئے اور اچھی طرح بتا دیا کہ سوائے نبیؐ کے اور کسی کا خواب کبھی معتبر نہیں ہو سکتا۔

یہ منصب شرکت فی الرسالت کا عطا کرنا کچھ اسی واقعہ سے مخصوص نہیں صدہا واقعات آپ کو ایسے ملیں گے جن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ پبلک کو رسولؐ اللہ کی غلطیاں دکھائی جائیں اور آپ کے مقابلہ میں دوسروں کا عمدہ رائے رکھنا بلکہ حضرت کی غلطیوں کی اصلاح کرنا اور قرآن کا اُن کی خواہش کے مطابق نازل ہونا دکھایا جائے جس سے ایک سچا مسلمان کانپ اٹھتا ہے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کے دشمن ان علانیہ دشمنوں سے بھی بدتر ہیں جو مخالف اسلام ہیں۔

الغرض فریقین کی جتنی روایتیں یہاں نقل کی گئی ہیں اُن سے اچھی طرح ثابت ہوا کہ اذان کا حکم رسولؐ اللہ پر نازل ہوا تھا اور حضرتؐ ہی کے حکم سے اُس نے اشاعت پائی نہ کہ کسی صحابی کے خواب یا بیداری میں دیکھنے سے خواہ وہ اذان سننے کا اسی روز یا اسی وقت مدعی ہوا ہو یا اس کے آٹھ روز بعد اور خواہ اس کے مدعی ایک صحابی ہوں یا سات انصاری یا دس صحابی یا ۱۴ اصحابی جو محض غلط ہے اور بجز تقسیم منصب رسالت اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں جو کسی طرح ممکن نہیں۔

اذان رسولؐ اللہ

مورخین و محدثین اسلام نے ایک یہ مسئلہ بھی اختلافی بنا دیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے کبھی خود اذان کہی یا نہیں۔ روایتیں دونوں قسم کی پیش کی گئی ہیں۔ مگر ہم کو کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جو قابل وثوق و اعتماد ہو۔ صحیح ترمذی میں جو حدیث کی مشہور کتاب ہے اس کی روایت ہے کہ حضرت نے سفر میں اذان و اقامت کہی بعدہ باشارہ نماز پڑھی مگر علماء نے اس حدیث کی رد کی ہے کیونکہ دار قطنی نے اس روایت کو بایں مضمون نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے بلالؓ کو حکم اذان دیا۔

جو لوگ اذان رسولؐ اللہ کے منکر ہیں وہ اس کی چار وجہیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) اگر حضرتؐ اذان دیتے تو آپ کے حی علی الصلوٰۃ فرمانے پر سب پر واجب ہو جاتا کہ نماز کے لئے آموجود ہوں اور یہ موجب حرج ہے۔

مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس ندا سے مقصود اعلان و اطلاع ہے نہ کہ حکم حضوری۔

(۲) حضرتؐ کا خود اپنی زبان سے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب بغرض افتخار ہو تب مذموم ہے اور اگر بغرض شکر نعمت باری ہو تو مستحسن ہے واما بنعمة ربك فحدث۔

(۳) اگر حضرت اذان دیتے تو اس سے گمان ہوتا وہ محمدؐ دوسرے ہیں جن کی رسالتؐ پر شہادت دی جاتی ہے لہذا آپؐ نے اذان نہ دی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس بنا پر چاہیئے تھا حضرت تشہد میں بھی اشھد ان محمد اعبدہٗ ورسولہ نہ فرماتے حالانکہ یہ کلمہ تشہد میں آپ کا زبان مبارک سے فرمانا یقینی طور پر ثابت ہے اسی طرح السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا بھی ثابت ہے۔

شاید اسی اعتراض کے دفعیہ کے لئے یہ حدیث بنائی گئی ہے کہ حضرت تشہد میں اشھد انی رسول اللہ فرماتے جس پر ابن حجر کہتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ کہنا بہ تواتر ثابت ہے۔

(۴) حضرتؐ کی عادت تھی جب کوئی عمل کرتے تو اس کی پابندی بھی کرتے پس اگر اذان پابندی سے دیتے ہوتے تو اُن اُمور میں خلل آتا جن کے لئے حضرت مبعوث ہوئے اور وہ اعمال جیسے جہاد وفیصلہ مقدمات وہدایت ناس وغیرہ اس سے بہ مدارج افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین نے بھی اذان کی پابندی اختیار نہ کی۔

مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر عمل کا التزام کرنا ضروری نہیں کیونکہ بہت سے اعمال ایسے بھی ہیں جن کا حضرتؐ نے التزام نہیں کیا اور دوسرے اعمال کا افضل ہونا کچھ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرتؐ نے اس کو نہ کیا ہو۔

مولوی عبد الحی صاحب رسالہ خیر الخبر فی اذان خیر البشر میں اس کا یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ حضرتؐ کا اذان کہنا مولود کے کان میں یقیناً ثابت ہے کیونکہ بہ روایت ابو داؤد و ترمذی و احمد بن حنبل حضرات حسنین علیہم السلام کے کان میں بہ وقت ولادت اذان فرمائی تھی باقی رہی نماز تو ہم کو اس میں توقف ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر خدا کے اذان کہنے یا نہ کہنے میں جو اختلاف کیا گیا ہے وہ صرف اس غرض سے تاکہ خلفاء راشدین کے اذان نہ دینے پر کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہے اُن کا یہ طریقہ پیغمبرؐ کے طرز عمل سے موید ہو جائے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ خود حضرت عمر فرماتے ہیں لولا الخلافتی[۱] لاذنت اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو اذان دیتا جس سے معلوم ہوا کہ خلفاء کا اذان نہ کہنا بہ خیال حفظ مراتب خلافت تھا نہ بہ تاسی فعل

---

[۱] دیکھو خیر الخبر ص ۴۳

رسول اللہؐ پھر صحیح ترمذی میں صاف روایت اس کی موجود ہے کہ حضرتؐ نے اذان فرمائی اور علامہ سیوطی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ہم کو ایک حدیث مرسل ملی ہے اخراج سعد بن منصور کہ حضرتؐ نے اذان دی اور حی علی الفلاح فرمایا جس میں دوسری کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ جو اس کا قائل نہ ہو کہ حضرتؐ نے خود اذان دی وہ غافل ہے جس سے بصراحت معلوم ہوا کہ حضرتؐ کا اذان دینا ان حضرات کے نزدیک ثابت ہے مگر صرف اسی خاص غرض سے انکار کیا جاتا ہے۔

جو لوگ پیغمبرؐ کے اخلاق کریمہ اور صفات حمیدیہ سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حضرتؐ نے کبھی وہ باتیں نہ کیں جن سے بوئے تکبر و ترفع آتی ہو اور نہ کبھی ان باتوں کو ترک کیا جن میں خاکساری و فروتنی کا شائبہ ہو خاصکر جب بیش خداوہ فعل کوئی خاص عظمت رکھتا ہو جیسا کہ اذان کے بارے میں بے حد حدیثیں وارد ہیں جس سے یہاں تک علماء نے ترقی کی ہے کہ بعض قائل ہوئے کہ اذان دینا افضل ہے امامت جماعت سے اور بعض قائل بہ تساوی ہیں۔

الغرض جب جناب رسالت مآبؐ کا اذان دینا کان میں حسنین علیہم السلام کے اور نماز کے وقت دو روایتوں سے ثابت ہو چکا تو صرف افعال خلفاء ثلاثہ کی تصحیح کے لئے کیا ضرور ہے کہ حضرت کے اذان دینے سے بھی انکار کیا جائے۔ حالانکہ خود خلیفہ دوئم نے تصریح کی ہے کہ ہم صرف بخیال خلافت اذان نہیں دیتے اور آئندہ بہت سے واقعات ملیں گے جن میں سنت رسولؐ کی نہ جانے کتنی مخالفتیں کی گئی ہیں اور اگر اس بیان سے تسکین نہ ہو تو سیرت جناب امیرؑ پر نظر کرنا چاہیئے کہ آپ اسی سنت نبوی کے احیا کی غرض سے آپ نے زمانہ خلافت میں اکثر خود صبح کی اذان دیتے جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؑ اس اذان دینے کو منافی شان خلافت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت رسالت مآبؐ اس کو منافی شان رسالت نہ جانتے تھے۔

عہد پیغمبرؐ کے موذنین

حضرتؐ کے زمانہ میں گو کوئی عہدہ خاص طور پر کسی سے نامزد نہیں تھا مگر جو کام کسی شخص سے زیادہ لیا جاتا وہی اس منصب میں زیادہ مشہور ہوتا یہی سبب ہے کہ حضرتؐ کے موذنوں میں پانچ صحابی کا نام بالخصوص مذکور ہے بلال[۱] ابن رباح۔ ابن مکتوم[۲]۔ سعد القرظ[۳]۔ ابو محذورہ زیاد بن حارث صدائی۔[۴]

مگر ابن عمر کی روایت میں دو ہی موذنوں کا ذکر ہے ایک بلال دوسرے عبد العزیز جس کی توجیہ ابن حجر نے یہ کی ہے کہ قرینہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز نام تھا ابن مکتوم کا جو نابینا تھے۔

ان پانچ موذنوں میں زیادہ مشہور نام بلال کا ہے جو اصل میں حبشی تھے اسی مناسبت سے یہ بھی مشہور ہے کہ شین کی جگہ یہ سین کہتے تھے جس کی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت بلالؓ

جناب رسالتمآبؐ کے مشہور صحابی ہیں کنیت اُن کی ابو عبد اللہ ہے بعض نے ابو عبد الکریم اور بعض نے ابو عبد الرحمان بھی لکھا ہے اور بعض کہتے ہیں ابو عمرو ہے۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں :-

"عطاء خراسانی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر تھا انھوں نے بلالؓ کا ذکر کیا کہا کہ وہ اپنے دین میں بہت سخت تھے...... پیغمبرؐ خدا ابو بکر سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بلالؓ کو خرید لیتے۔ ابو بکر عباس بن عبد المطلب کے پاس آئے اور کہا ہمارے لئے بلالؓ کو خرید لو۔ عباس بلالؓ کی مالکہ کے پاس پہونچے اور پوچھا تم اپنے اس غلام کو بیچنے پر تیار ہو قبل اس کے کہ اس کی بھلائیاں جاتی رہیں اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ اس عورت نے کہا اس غلام کو لے کر تم کیا کروگے وہ بہت خبیث ہے۔ پھر عباس دوبارہ اس عورت سے ملے اور وہی بات دہرائی اور بلالؓ کو خرید لیا خرید کر ابو بکر کے پاس بھیجا ابو بکر نے بلالؓ آزاد کر دیا بلالؓ رسول پیغمبرؐ کے لئے اذان دیا کئے جب پیغمبرؐ خدا کی رحلت ہو گئی تو بلالؓ نے چاہا کہ شام چلے جائیں ابو بکر نے کہا تم میرے ہی پاس رہو بلالؓ نے کہا اگر آپ نے مجھے اپنے نفس کے لئے آزاد کیا تھا تو آپ روک سکتے ہیں اور اگر خدا کے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے جانے دیجئے ابو بکر نے کہا تم جا سکتے ہو چنانچہ بلالؓ شام روانہ ہو گئے وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ (استیعاب جلد ۱ صـ۵۹)

محقق دہلوی شیخ عبد الحق مدارج النبوۃ جلد دوئم میں لکھتے ہیں :-

"روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبرؐ خدا ابو بکر سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بلالؓ کو خرید لئے ہوتے ابو بکر عباس بن عبد المطلب سے ملے اور کہا میرے واسطے بلالؓ کو خرید لیجئے عباس امیہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کہ وہی بلالؓ کی مالکہ تھی اور کہا تم اپنے اس غلام بلالؓ کو بیچنا چاہتی ہو قبل اس کے کہ وہ تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ۔ اس عورت نے کہا تم بلالؓ کو لے کر کیا کروگے وہ خبیث ہے کسی کام نہیں آئے گا۔ عباس دوبارہ اس عورت سے ملے اور یہی بات دہرائی۔ آخر عباس نے بلالؓ کو خرید لیا اور ابو بکر کے پاس بھیج دیا یعنی انھیں بخش دیا ابو بکر نے بلالؓ کو آزاد کر دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم۔ صـ۶۷۲)

ان دونوں روایتوں سے بصراحت تمام ظاہر ہے کہ عباس عم پیغمبرؐ نے اپنے مال سے خرید ا اور خرید کر ابو بکر کو بخش دیا پھر نہ معلوم اس میں حضرتؓ ابو بکر کی کیا فضیلت نکلتی ہے۔ ان دونوں روایتوں میں یہی مرقوم ہے کہ حضرت عباس نے خرید کر حضرت ابو بکر کو بخشا مگر ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عباس کو اپنے ہی مال سے خریدنا تھا

تو خود رسول اللہ کو کیوں نہ دیا جو ابو بکر کو بخش دیا لہذا معلوم ہوتا ہے یہاں بھی حرفت کی گئی ہے کہ اتنی ہی سہی حضرت ابو بکر کو فضیلت مل جائے ورنہ شیعوں کی کتب رجال میں ان کو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یعنی رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اس حرفت کا پتہ اس سے بخوبی مل سکتا ہے کہ راویوں نے اس کے متعلق کتنی روایتیں اور کس کس قسم کی بنائی ہیں پہلے تو قیمت میں تین قول ہے۔ (۱) پانچ اوقیہ کو خریدا (۲) سات اوقیہ کو خریدا (۳) نو اوقیہ کو خریدا (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ ایک غلام حبشی اس کے عوض میں دیا (۵) پانچواں قول یہ ہے کہ ابو بکر نے اُس وقت ان کو خریدا کہ کافروں نے ان کو پتھر کے نیچے دبا دیا تھا۔

یہ اختلاف بیان بجائے خود بڑی دلیل اس کی ہے کہ اصلیت کے خلاف باتیں بنائی گئی ہیں اور اصلی واقعہ چھپایا گیا ہے۔ حضرات اہل سنت نے صرف اسی بیان پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک ترقی کی کہ قبل از اظہار نبوت آنحضرت، ابو بکر کو بلال کا مالک بنایا اور اس مضمون کی روایت ڈھالی کہ جب حضرت نے اپنے عم معظم ابو طالب کے ساتھ سفر شام کیا ہے اور راہب نے حضرت ابو طالب کو خوف دلایا کہ یہود و نصاریٰ سے آپ کی حفاظت کرنی چاہیے تو حضرت ابو طالب نے راہ سے معاودت کی اور مال اپنا بصریٰ میں بیچ کر مکہ چلے آئے مگر بعض روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو طالب نے کچھ لوگوں کو ساتھ کر کے حضرت کو مکہ بھیج دیا اس کے ساتھ یہ بھی جوڑ دیا کہ اس وقت حضرت ابو بکر نے بھی بلال کو حضرت کے ساتھ کر دیا جس پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

”در بعض طرق وارد شدہ کہ فرستاد ابو بکر بلال را ہمراہ آنحضرت بمکہ وایں درست نمی آید زیرا کہ ابو بکر دریں سفر ہمراہ نہ بود و بلال را ہنوز نخریدہ بود و ابو بکر خورد تر از حضرت بود و آنحضرت دوازدہ سالہ بود۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۳۳)“

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بلال کو حضرت کے مکہ واپس جاتے وقت ساتھ کیا مگر یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ ابو بکر اس سفر میں آنحضرت کے ہمراہ نہ تھے اور نہ انھوں نے اب تک بلال کو خریدا تھا نیز ابو بکر پیغمبرؐ سے بہت چھوٹے تھے اور پیغمبرؐ کی عمر بارہ سال کی تھی۔

اس روایت کے گڑھنے والے نے دو تین فضیلتیں حضرت ابو بکر کی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی ایک یہ کہ ابو بکر اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھے جس کی رد شیخ صاحب نے یوں کی کہ

”ابو بکر دریں سفر ہمراہ نہ بود۔“ ابو بکر اس سفر میں پیغمبرؐ کے ہمراہ نہ تھے۔

یاروں نے ایک اور قصہ بھی یہاں بنایا ہے کہ بحیرا راہب نے ابو بکر ہی سے دریافت کیا تھا یہ کون مرد اس درخت کے نیچے بیٹھا ہے جس پر ابو بکر نے کہا۔ محمد بن عبد اللہ ہیں تو راہب نے کہا۔ یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ جب حضرت مبعوث بہ رسالت ہوئے تو ابو بکر اسی بنیاد پر اسلام لائے اس پر شیخ عبد الحق لکھتے ہیں

"شیخ ابن حجر گفتہ کہ اگر صحیح است ایں قصہ پس سفرے دیگر خواہد بود غیر سفر ابی طالب۔"

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۲)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح مان لیا جائے تو یہ کوئی اور سفر ہوگا۔ جناب ابوطالب کے سفر کے علاوہ۔ اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ خود ابن حجر کو اس کی صحت میں تردد ہے اور شروع روایت میں خود شیخ عبدالحق نے بھی کہا ہے۔

"از ابن عباس لبتہ ضعیف روایت کردہ است۔"

بہت ضعیف واسطوں سے ابن عباس سے روایت کی ہے۔

دوسری فضیلت یہ کہ ابوبکر بلال کے مالک تھے۔

اس کے متعلق شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔

"بلال راہنوز نہ خریدہ بود۔

ابوبکر نے بلال کو ابھی تک نہیں خرید کیا تھا۔

تیسری فضیلت کہ ابوبکر نے از راہ کمال شفقت جس طرح حضرت ابوطالب نے لوگوں کو ساتھ کیا تھا اسی طرح ابوبکر نے بلال کو ساتھ کیا۔ اس کے متعلق شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"ابوبکر خورد تر بود بدو سال۔"

ابوبکر پیغمبرؐ سے دو سال چھوٹے تھے۔

پس جب شروع سے اہل سنت نے اس طرح کی روایتیں وضع کرنی شروع کی ہیں تو اور بھی اس روایت کی عدم صحت نمایاں ہوئی کہ حضرت عباس نے بلال کو خرید کر کے حوالہ ابوبکر کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب چونکہ اثبات خلافت شیخین میں مجبور ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وضعی روایتوں کا سہارا لیں اس لئے بلال کے مذکورہ قصہ میں لکھتے ہیں:۔

"وآنچہ بعض اناس بہ سبب صغر سن صدیق دراں وقت وعدم اشتراء بلال الا بعد الاسلام استبعاد می کنند مجرد وہم است زیرا کہ ممکن آنست از اہل کیاست مثل ایں چیزہا کہ در صغر سن ظاہر شوند وجائز است کہ بلال را بطریق اجارہ یا عاریت ہمراہ گرفتہ باشند۔ واللہ اعلم۔"

(قرۃ العینین ص ۱۰۶)

اور یہ جو بعض لوگوں نے اس وقت حضرت ابوبکر کے کم سن ہونے کی وجہ سے اس واقعہ کو بعید از عقل سمجھا ہے اور کہا ہے کہ بلال کو انھوں نے اسلام لانے کے بعد ہی خرید ا ہوگا یہ محض وہم ہے اس لئے کہ دوربین ودور اندیش افراد سے ایسی باتیں کم سنی میں بھی ظاہر ہونا ممکن ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلال کو انھوں نے خریدا نہ ہو بلکہ کرایہ پر یا بطور عاریت اپنے ساتھ لے لیا ہو۔ واللہ اعلم

اس جگہ مولوی نور الحسن صاحب نے جن کی تصحیح سے قرۃ العینین شائع ہوئی ہے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بھی قابل دید ہے لکھتے ہیں:۔

"می گوید بندہ خاکسار کہ ہرگاہ وفات بلال در سال بست ہجری باشد واو شصت وسہ سالہ مردہ باشد پس لامحالہ او بدہ سال خورد از آنحضرت باشد و چوں سفر شام دوازدہم از سنین عمر شریف واقع شد ناگزیر بلال دریں ایام طفل دو سالہ باشد اجارہ و استعارہ او چہ معنی داشتہ باشد و اگر عمر بلال را ہفتاد سالہ فرض کردہ آید پس از آنجناب سہ سال کم باشد و در ایام سفر شام نہ سالہ باشد باز ہم اجارہ گرفتن یا استعارہ او خالی از بعد نیست فتامل۔"

(قرۃ العینین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۰۱)

یہ بندہ خاکسار کہتا ہے کہ جبکہ بلال کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور وہ ۶۳ سال کی عمر میں مرے لہذا وہ لامحالہ دس سال عمر میں پیغمبرؐ خدا سے چھوٹے تھے اور چونکہ سفر شام کے وقت آنحضرتؐ کی عمر بارہ سال کی تھی لہذا لازمی ہے کہ اس وقت بلال کی عمر دو سال کی رہی ہو اس صورت میں مزدوری یا بطور عاریت بلال کے ساتھ ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ بلال ۷۰ سال کی عمر میں مرے تو وہ پیغمبرؐ خدا سے عمر میں تین سال چھوٹے تھے اور سفر شام میں وہ نو سال کے رہے ہوں گے۔ اس صورت میں بھی مزدور کی حیثیت سے یا بطور عاریت اُن کو ساتھ لینا بعید از عقل ہے۔

اس عبارت سے شاہ صاحب کے کلام کی قلعی کھل گئی کہ حضرتؐ کے سفر شام کے وقت بلال کی عمر دو برس کی ہوتی ہے یا دوسرے قول کی بنا پر جو بے حد ضعیف قول ہے نو سال کی تو کس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ حضرت ابوبکر جو خود اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کے تھے وہ دو سالہ یا ۹ سالہ لڑکے کو حضرتؐ کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیں۔

عبدالرحمان بن غزوان جو راوی ہے اس حدیث کا کہ حضرت ابوبکر شام میں پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے اور انھوں نے بلال کو پیغمبرؐ کی حفاظت کے لئے ساتھ کیا کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

"یہ جو روایت اس نے قصہ سفر شام میں بیان کی ہے کہ ابوبکر نے بلال کو ساتھ کیا یہ باطل ہے کیونکہ بلال اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور خود ابوبکر اس وقت کم سن تھے۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۰۲)

اور علامہ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔

ووقع فی کتاب الترمذی وغیرہ انہ بعث معہ ابوبکر بلالا وھو من الغلط الواضح فان بلالا اذ ذاک لم یکن موجودا وان کان فلم یکن مع عمہ ولا مع ابی بکر۔

کتاب ترمذی وغیرہ میں جو یہ روایت آتی ہے کہ ابوبکر نے حضرت پیغمبرؐ کے ساتھ بلال کو بھیجا صریحی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ بلال تو اس وقت شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں گے اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو وہ نہ حضرت ابو طالب کے ساتھ تھے نہ ابوبکر کے ساتھ۔

اور تاریخ خمیس میں ہے۔

قال الحافظ الدمیاطی وفی الحدیث وھم فی قولہ وبعث معہ ابوبکر بلالا اذلم یکونا معہ ولم یکن بلالا اسلم ولا ملکہ ابوبکر بل کان ابوبکر حینئذٍ لم یبلغ عشر سنین ولم یملک ابوبکر بلالا الا بعد ذالک باکثر من ثلاثین وکذا ضعفہ الذھبی قال ابن حجر رجال ھذا الحدیث ثقاۃ ولیس فیہ منکر سوی قولہ وبعث معہ ابوبکر۔

حافظ دمیاطی کا بیان ہے کہ حدیث میں یہ فقرہ جو ہے کہ ابوبکر نے پیغمبرؐ کے ساتھ بلال کو بھیجا یہ وہم ہے اس لئے کہ اس سفر میں نہ ابوبکر پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے نہ بلال۔ نہ بلال مسلمان ہی ہوئے تھے نہ ابوبکر ان کے مالک بنے تھے۔ ابوبکر تو اس وقت دس برس کے بھی نہ ہو پائے تھے ابوبکر تیس برس سے زیادہ کی عمر کو پہونچ کر بلال کے مالک ہوئے اسی طرح ذہبی نے بھی اس حدیث کے راوی کو ضعیف لکھا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی ٹکڑا غلط نہیں سوا اس فقرہ کے کہ ابوبکر نے آپ کے ہمراہ بلال کو بھیجا۔

افسوس ہے کہ علمائے اہل سنت نے اپنے خلفاء کی محبت میں صحیح صحیح حدیثوں کو اس طرح غارت کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ پیغمبرؐ کے سفر شام، بحیرا راہب کی ملاقات اور اس راہب کے بشارت دینے کا واقعہ کتنا پاکیزہ اور حقانیت اسلام کی کتنی روشن دلیل ہے مگر جب مخالفین اسلام اہل سنت کی نظروں سے یہ من گڑھت حدیثیں گذریں گی اور وہ دیکھیں گے کہ خود صحیح ترمذی میں ایسی غلط روایت موجود ہے جو علمائے اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق غلط اور موضوع ہے تو اصل واقعہ ان کی نظروں میں کس قدر مشکوک ہو جائے گا۔ تنقید بخاری میں اس کی پوری وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت کے بعثت کا واقعہ بھی جو صحیح بخاری اور دیگر روایات فریقین میں بہ کثرت موجود ہے۔ اہل سنت کی کارروائیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہاں بھی حضرت ابوبکر پہونچائے گئے اور صحیح روایت غارت کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جس قدر اہل سنت کی کتابیں ملک میں شائع ہو رہی ہیں اسلام کی مخالفت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ کیونکہ عیسائی اور آریہ دونوں ان کتابوں کو دیکھتے ہیں اور انھیں وضعی روایتوں پر اعتراضات کی ایسی بوچھار کرتے ہیں کہ صحیح روایتیں بھی متزلزل ہو جاتی ہیں اور اہل سنت سے کچھ جواب نہیں بن پڑتا۔

بہرحال جب معلوم ہو چکا کہ حضرت بلال ابوبکر کے ہاں سے نہیں خریدے گئے بلکہ حضرت عباس نے خریدا تھا تو اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت عباس نے ابوبکر ہی کو ہبہ کیا نہ رسول اللہ کو تب بھی کوئی فضیلت حضرت ابوبکر کی نہیں نکلتی کیونکہ یہ جو کچھ ہے وہ حضرت عباس کی خیرات ہے۔

اب پھر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت بلال نے اور کسی خلیفہ کے لئے اذان دی یا نہیں اہل سنت

نے یہ روایت بھی بنائی ہے کہ بعد وفات پیغمبر وہ بہ زمانہ ابی بکر بھی اذان دیتے تھے عمر نے اپنی خلافت میں چاہا کہ بلال اذان دیں تو بلال نے جواب دیا۔

"من اذان گفتم برائے رسولؐ خدا می گفت واذان گفتم برائے ابوبکر کہ ولی نعمت من بود"

میں نے پیغمبر خدا کے لئے اذان کہی اور ابوبکر کے لئے جو میرے ولی نعمت تھے۔

شیخ عبد الحق اس روایت کو لکھ کر لکھتے ہیں:۔

"وایں روایت خلاف مشہور است"

یہ روایت مشہور کے خلاف ہے۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بلال نے عہد ابوبکر میں موذنی نہیں قبول کی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر درحقیقت ابوبکر ہی اُن کے مالک ہوتے اور بلال ان کو خلیفہ برحق سمجھتے تو کبھی ترک رفاقت نہ کرتے اور اُن کو چھوڑ کر ملک شام نہ چلے جاتے۔

یہ روایت محض اس لئے بنائی گئی ہے کہ کسی طرح ابوبکر کی کوئی حقیت مالکانہ حضرت بلال پر قائم کریں۔ لہذا اُن کے عہد میں اُن کے اذان دینے کا قصہ بنایا گیا حالانکہ باتفاق اہل سنت یہ غلط ہے۔

کتب رجال شیعہ سے اس واقعہ کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلال نے بعد پیغمبر اذان دینا ترک کر دیا تھا۔ یہ ابوبکر کی خلافت پر راضی نہ تھے حضرت عمر نے ان کو مجبور کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جس کو رسولؐ اللہ نے اپنا خلیفہ نہیں بنایا ہم اس کی بیعت نہ کریں گے۔ کیونکہ حضرتؐ نے جسے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اس کی بیعت ابھی ہماری گردنوں میں ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس پر عمر نے ان کو گالی دی اور کہا کہ تم ہمارے شہر سے چلے جاؤ لہذا حضرت بلال نے سفر شام اختیار کیا۔

یہ روایت کتب رجال شیعہ میں ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر تو یقینی ہے کہ بعد وفات پیغمبرؐ انھوں نے اذان کہنا چھوڑ دیا تھا اور شام چلے گئے تھے۔ ناظرین کتب تاریخ کو معلوم ہے کہ ملک شام اس وقت تک ملک کفر تھا کیونکہ وفات رسولؐ کے بہت دنوں بعد وہاں جنگ شروع ہوئی خالد بن ولید پھر ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ بھیجے گئے اور ایک عرصہ کے بعد شام کا علاقہ فتح ہوا تو قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا تسلط ہو حضرت بلال کا وہاں جانا ضرور کسی خاص وجہ سے تھا اور پھر وہیں مدة العمر رہنا اور مدینہ منورہ نہ آنا جو حضرت کا دار الہجرہ تھا اور تمام مسلمانوں کو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہاں جا کر قیام پذیر ہوں اس کی خبر دیتا ہے کہ یہ سفر حضرت بلال کا کسی خاص وجہ سے تھا کہ وہ مدینہ سے رنجیدہ ہو کر گئے تھے۔

اور تائید اس کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت بلال کے مدینہ آنے اور اذان کہنے کے بارے میں شیخ عبد الحق دہلوی لکھتے ہیں:۔

"چوں بلال رضی اللہ عنہ بہ شام رسید بعد از سشہاہ حضرت رسولؐ را بخواب دید کہ می فرمایند یا بلال ما هذه الجفا ولا تزورنا پس بلال ہماں ساعت متوجہ مدینہ شد وچوں نزدیک رسید از احوال فاطمہ وحسن وحسین

سلام اللہ علیہم اجمعین پرسید گفتند فاطمہ بجنت خرامید و حسن حسین باقی اند و چوں بہ مدینہ در آمد خواستند مردم کہ برائے ایشاں اذان گوید ہیچکس را مجال آں نہ شد کہ بہ بلال آں سخن بگوید گفتند از حسینؑ التماس باید کرد کہ بہ بلال امر فرمائید کہ اذاں بگوید کہ او را از فرمودہ ایشاں چارہ نخواہد بود پس امام حسینؑ امر فرمود وبلال بہ اذان گفتن در آں موضعے کہ در حضور شریف حضرت علیہ السلام میگفت بر آمد چوں گفت اللہ اکبر بہ تصور روزگار ایام حیات رسالتؐ شور رشے و گریہ بر مردم راہ یافت وچوں گفت اشہد ان لا الہ الا اللہ آں شورش و گریہ زیادہ شد وچوں گفت اشہد ان محمدا رسول اللہ زلزلہ در شہر افتاد و گریہ و نالہ در گرفت گویا امروز رحلت آنحضرتؐ است پس نہ بلال را مجال اذان گفتن شد و نہ مردم را طاقت شنیدن ماند" (ص۶۷۵)

"جب بلالؓ شام پہونچ گئے تو چھ مہینہ کے بعد پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے بلالؓ یہ بے مروتی کیسی تم ہماری زیارت کو نہیں آتے یہ خواب دیکھ کر بلالؓ اسی وقت مدینہ روانہ ہو گئے جب مدینہ سے قریب پہونچے تو لوگوں سے حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا حال دریافت کیا لوگوں نے بتایا کہ فاطمہؑ تو دنیا سے انتقال کر گئیں حسنؑ و حسینؑ زندہ ہیں جب مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے چاہا کہ بلالؓ اذان کہیں کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ بلالؓ سے یہ بات کہے ان لوگوں نے کہا کہ حسینؑ سے فرمائش کرنا چاہیئے کہ وہ بلال کو اذان دینے کے لئے کہیں حسینؑ کی بات بلال ٹال نہ سکیں گے امام حسینؑ نے بلالؓ سے اذان کی فرمائش کی بلالؓ اس جگہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے جس جگہ زمانۂ پیغمبرؐ میں اذان دیا کرتے تھے جیسے ہی انھوں نے اللہ اکبر کہا زمانۂ پیغمبر کی یاد اور تصور سے ایک شور برپا ہوا اور تمام لوگوں کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جب بلالؓ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو یہ شور و گریہ زیادہ ہوا جب انھوں نے اشہد ان محمد رسولؐ اللہ کہا تو شہر میں ایک زلزلہ سا آگیا اور شور گریہ و نالہ برپا ہوا جیسے آج ہی کے دن پیغمبرؐ خدا کی رحلت ہوئی پس بلالؓ کو نہ اذان کہنے کا یارا باقی رہا نہ لوگوں میں سننے کی طاقت باقی رہی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلالؓ کا مدینہ آنا ایک خواب کے سبب تھا انھوں نے شام جانے کے چھ مہینہ کے بعد پیغمبر کو خواب میں دیکھا پیغمبرؐ نے شکایت کی کہ تم مدینہ کیوں نہیں آتے یہ دلیل ہے کہ بلالؓ بعد رحلت جناب رسالتمآب اور قبل وفات جناب سیدہ شام چلے گئے تھے اور بنا بر روایات اہل سنت جناب سیدہ کی وفات پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی جس سے اور بھی اس کی تائید ہوئی کہ پیغمبرؐ کے انتقال کے فوراً ہی بعد بلال شام چلے گئے تھے تو اب یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ خلافت کی طرف سے یا معتوب تھے یا خلافت نے اس وفات جناب سیدہؑ کو اس قابل نہ سمجھا کہ ان اصحاب کو جو دور دراز مقامات پر مقیم تھے اطلاع دیں خواہ اس خیال سے کہ عام مسلمانوں کو نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ کا کوئی وارث بھی ہے خواہ اس خیال سے کہ یہ واقعہ کوئی شان نہیں رکھتا جس سے کسی کو اطلاع دی جائے

بہرحال حضرت بلالؓ کے استفسار احوال اہلبیتؑ طاہرین اور پھر کسی کی جرات نہ کرنا اس پر کہ اذان کی فرمائش کرے اور جناب سید الشہداؑ کی فرمائش پر اذان دینا ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ خصوصیت بھی اُن کو خاندانِ رسالتؐ سے تھی نہ ابوبکر کی خریداری سے تھی نہ ان کے مال سے وفات ان کی سنہ ۲۰ھ میں ہوئی یا سنہ ۱۸ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں اور بعض لوگ ۷۰ برس لکھتے ہیں اور باب صغیر دمشق میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۲) ابن ام مکتوم

بعض علماء نے ان کا نام عمرو لکھا ہے اور بعض عبداللہ اور بعض عبدالعزیز۔ یہ پیدائشی نابینا تھے ان کی اذان کے بارے میں بروایت صحیح بخاری ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ماہ مبارک میں بلال کی اذان صبح کے بعد کھا سکتے ہو مگر جب ابن مکتوم اذان دیں تو ترک کردو۔ مگر حضرت عائشہ اس روایت کو غلط بتاتی ہیں جیسا کہ سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا عبداللہ بن عمر نے اس روایت میں غلطی کی ہے کیونکہ حضرتؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابن مکتوم کی اذان تک اجازت کھانے کی ہے کیونکہ وہ نابینا ہیں جو وقت صبح نہیں پہچانتے بخلاف بلالؓ کے جو وقت کو پہچانتے ہیں پس اُن کی اذان کے بعد کھانا پینا چھوڑ دینا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ راویوں نے بلکہ خود صحابہ کبار نے کس کس طرح حدیثوں کو اُلٹا ہے حضرت عائشہ کی اس قسم کی نکتہ چینیوں کا عبداللہ بن عمر۔ ابوہریرہ ابو درداء وغیرہ خصوصیت کے ساتھ نشانہ تھے جن کی حدیثیں صحاح ستہ میں زیادہ ہی گئی ہیں علامہ سیوطی نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام عین الاصابۃ فیما ادرکتہ عائشۃ علی الصحابہ ہے جس میں بہت سے صحابہ کی غلط گوئیاں دکھائی گئی ہیں اور حضرت عمر کی روایتوں پر حضرت عائشہ نے جو اعتراضات کئے ہیں اس کا پتہ تو صحیح بخاری وغیرہ سے بھی ملتا ہے۔ ابن مکتوم کی وفات جنگ قادسیہ میں ہوئی بعہد خلافت حضرت عمر۔

(۳) سعد قرظ

حضرت عمار بن یاسر کے غلام تھے جو آزاد کر دیئے گئے تھے رسولؐ اللہ نے ان کو مسجد قبا کا موذن مقرر کیا تھا مگر خلیفۂ اول نے اپنے عہد خلافت میں بعد بلالؓ ان کو مسجد نبوی کا موذن مقرر کیا جو بعد کو اُن کا خاندانی منصب قرار پایا بعہد حکومت حجاج سنہ ۷۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴) ابو محذورہ

ان کا نام اوس یا سمرہ یا سلمان یا عبدالعزیز یا معبر تھا انھوں نے بحکم رسولؐ اللہ مکہ میں اذان دی تھی ان کا نام آئندہ واقعات میں بھی آئے گا ان کی وفات سنہ ۵۹ھ میں ہوئی۔

(۵) زیاد بن حارث صیدائی

انھوں نے حضرتؐ کے زمانہ میں سفر میں ایک دن اذان دی تھی جس پر حضرت بلالؓ نے چاہا کہ ہم

اقامت کہیں تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں جس نے اذان دی ہے وہی اقامت کہے۔ سن وفات ان کا نہیں معلوم ہو سکا۔
ان حالات سے ہر با فہم سمجھ سکتا ہے کہ اصل موذن دو ہی تھے ایک بلال دوسرے ابن مکتوم جیسا کہ ابن عمر کی مذکورہ بالا روایت بھی بتاتی ہے۔ سعد۔ ابو محذورہ اور زیاد تو زبردستی موذن بنائے گئے ہیں جس کے اغراض آئندہ واقعات سے معلوم ہوں گے۔

صورت اذان

یہاں ہم فریقین کی کتب فقہیہ سے ایک مختصر تصویر اذان کی کھینچتے ہیں تاکہ ناظرین رسالہ کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے۔

(۱) اذان پنج وقتہ نماز اور جمعہ کے لئے سنت ہے مگر امام محمد بن حسن (شاگرد و صحابی امام ابو حنیفہ) اس کو واجب جانتے ہیں بشرط اجتماع

(۲) ترجیع یعنی آواز میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہ ہو مگر امام شافعی اس کا حکم دیتے ہیں۔

(۳) اذان کے فقرات ٹھہر ٹھہر کے کہنا چاہیئے بخلاف اقامت کے۔

(۴) اذان کہتے وقت قبلہ رو ہونا لازمی نہیں۔

(۵) حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح کہتے وقت داہنے بائیں منہ پھرا تا جائے۔

(۶) اگر اذان دینے والا اذان دینے کی جگہ پر گھوم گھوم کر چکر لگائے[۱] تو اور بھی بہتر ہے۔

(۷) اگر اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالے رہے تو افضل[۲] ہے اور اگر نہ کرے تو حسن ہے۔

۱؎ مولوی عبدالحی صاحب نے یہاں ایک روایت سنن ابو داؤد سے نقل کی ہے جس میں راوی بیان کرتا ہے کہ بلال رض گھومتے نہ تھے صرف حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح کہتے وقت گردن پھیر دیا کرتے تھے پھر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرے محدثوں نے اس قسم کی روایت کی ہے جس سے گھومنا چکر لگانا نکلتا ہے دیکھئے سیاحۃ الفکر ص ۸۲

۲؎ اصل عبارت ھدایہ کی یہ ہے الافضل للموذن ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ وان لم یفعل فحسن لسنۃ اصلیۃ موذن کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دے لے اور اگر ایسا نہ کرے تو حسن ہے۔ اس میں شارحوں کو بہت کچھ دقت پڑی ہے کہ اس کے کیا مطلب ہیں آخر اس کی کوئی صحیح توجیہ نہ کر سکا کیونکہ جب انگلیاں کان میں دینا افضل ہے تو نہ دینا حسن کیونکر ہو گا رہا یہ امر کہ وہ سنت اصلیہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی روایتوں میں یہ حکم صاف صاف موجود ہے کہ حضرت نے اس کا حکم دیا سنن ابن ماجہ اور مستدرک امام حاکم میں موجود ہے کہ حضرت نے بلال کو حکم دیا کہ کان میں انگلیاں دیا کرو اور ابن حبان اور ابو بکر بن خزیمہ نے بھی اس کی روایت کی ہے اسی وجہ سے بہت سے علماء نے اس کلام کو کلام واہی بتایا ہے لیکن اصلیت اس کی یہ ہے کہ چونکہ حجاج کے موذن نے اس کی ایجاد کی تھی لہذا صاحب ہدایہ نے اس کو بھی سنت بتا دیا دیکھئے سیاحۃ الفکر ص ۸۰ و ۸۲

(۸) اذان صبح میں لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح دومرتبہ کہنا درمیان اذان اقامت کے بہتر ہے۔

(۹) دوسرے اوقات میں مکروہ ہے مگر امام ابویوسف کہتے ہیں حکام کے لئے السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح رحمک اللہ کہنا اولیٰ ہے مگر امام محمد اس سے تعجب کرتے ہیں کیونکہ امیر غریب نماز میں سب برابر ہیں۔

(۱۰) درمیان اذان واقامہ کے بیٹھ جانا چاہئے کہ فصل ہو جائے بہ استثنا مغرب مگر ابوحنیفہ کے دونوں شاگرد صاحبی ابویوسف اور محمد بن حسن اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

یہ مختصر احکام ہم نے کتاب ہدایہ صفحہ پر سے نقل کئے ہیں جو فقہ اہل سنت کی نہایت مستند کتاب ہے۔

(۱۱) اور فقہ رحمانی میں ہے جو حنفی فقہ کی کتاب ہے۔

"فی کتاب السعادات فی معرفۃ العبادات چوں اشہد ان محمدا رسول اللہ بشنود گوید صلی اللہ علیک یا رسول اللہ چوں دویم بار بشنود بگوید قرۃ عینی یا رسول اللہ و دو ناخن انگشت را بر چشم مالد وایں دعا بخواند اللہم متعنی بالسمع والبصر"۔

کتاب السعادات فی معرفۃ العبادات میں ہے کہ جب اشہد ان محمدا رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی یا رسول اللہ اور اپنے دونوں انگوٹھے آنکھوں پر ملے اور یہ دعا پڑھے اللہم متعنی بالسمع والبصر۔

(۱) فقہ شیعہ میں بلا اختلاف پنج وقتہ نماز کے واسطے خواہ ادا نماز ہو یا قضا فرادیٰ ہو یا جماعت نماز پڑھنے والا مرد ہو یا عورت اذان واقامۃ کہنا سنت ہے مگر عورت آہستہ اذان کہے گی۔

(۲) ترجیع مکروہ بلکہ حرام ہے۔

۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ سے شیعوں کو کوئی تعلق نہیں نہ گھومنا ہے نہ چکر لگانا دائیں بائیں پھرنے سے کوئی سروکار نہیں صرف قبلہ رو کھڑا ہو کر باآواز بلند کہے اور فقرات اذان میں وقفہ دیا جائے یہی اصل اذان رسول اللہ ہے۔

اور آخری ترکیب جو فقہ رحمانی سے لکھی گئی وہ خود دوسرے فرقہ کے نزدیک بھی بے اصل محض ہے۔

گلدستہ اذان

صومعہ ۔ مئذنہ ۔ منارہ

ہدایہ میں یہ حکم لکھا ہے کہ موذن اگر صومعہ میں چکر لگائے تو بہتر ہے اس پر حاشیہ چڑھایا گیا ہے کہ صومعہ اصل میں رہبانوں کے عبادت خانوں کو کہتے ہیں جہاں راہب لوگ رہا کرتے ہیں مسلمانوں میں نہیں بلکہ حنفیوں نے یہ نام اپنی اس جگہ کے لئے انتخاب کیا ہے جو اذان دینے کے واسطے مینار بنایا جاتا ہے اور اس پر ایک جگہ بنادی جاتی ہے

جس پر اذان دی جائے۔

عہد رسول اللہ میں بلکہ خلفائے ثلثہ کے زمانہ تک نہ یہ منارہ تھا نہ یہ صومعہ بلکہ مسجد کے دروازہ پر یا صحن مسجد میں یا خاص مسجد میں اذان دی جاتی تھی۔

ابن سعد، مادر زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ جب تک مسجد بنی نہ تھی اس وقت تک بلال ہمارے مکان میں اذان دیتے تھے جو مسجد سے متصل اور بلند تھا جب مسجد تیار ہوئی تو اس کی چھت پر بلال نے اذان دینا شروع کیا۔

ولید بن عبد الملک نے جب مسجد نبوی کی نئے سرے سے تعمیر کی تو اسی وقت یہ اضافہ بھی کیا گیا کہ مسجد کے ساتھ ایک صومعہ بھی بنایا گیا جس پر اذان دی جانے لگی۔

اس منارہ کا بننا تھا کہ روایتوں کا انبار بھی ہونے لگا کہ منارہ پر اذان دینا مسنون ہے۔

(۱) ابن عمر اور ابو بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ منارہ پر اذان کہنا سنت ہے۔

(۲) بلال جو حضرت کے زمانہ میں اذان دیتے تھے تو ایک اسطوانہ پر دیتے تھے جو عبد اللہ بن عمر کے مکان میں تھا اور مسجد نبوی سے قبلہ رو۔

(۳) ابن زبالہ نے بھی اس قسم کی روایت لکھی ہے اور اس منارہ کا نام بھی بتایا کہ مطمار تھا۔

(۴) یہ اسطوانہ حضرت حفصہ کے مکان میں تھا جو مسجد کے قریب تھا اسی پر بلال اذان دیا کرتے تھے۔

ان روایتوں کو نقل کر کے علامہ سمہودی لکھتے ہیں ان سب جگہوں کو اسطوانہ کہنا مجازاً ہے اور راوی اس کا کثیر الغلط ہے کہ اس کی کتابیں جل گئی تھیں لہذا اپنے حافظہ کے اعتماد پر حدیثیں بیان کرتا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ عمر یا عثمان نے اذان کے لئے کوئی مینار نہیں بنوایا تھا ورنہ علماء اس کو بیان کرتے۔

اور علامہ سیوطی کتاب الاوائل میں لکھتے ہیں کہ "سب سے پہلے جو منارہ مصر پر چڑھا وہ شرجیل بن عامر ہے اور مسلمہ نے چند مینار بنوائے اذان کیلئے اور اسکی بنا بحکم معاویہ تھی" (یہ پوری عبارت حاشیہ ہدایہ سے لی گئی ہے جو مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی تصنیفات سے ہے۔ دیکھو صہ ۷۶)

علامہ سیوطی الحسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں کہ

"مسلمہ نے جو عمرو عاص کے بعد معاویہ کی طرف سے مصر کا حاکم ہوا ان سب عمارتوں کو گرا دیا جو عمرو عاص نے اس مسجد کے متعلق بنوائی تھی پھر نئے سرے سے اس مسجد کی تعمیر کی اور پورب کی طرف اس مسجد میں اضافہ کیا۔ اسی تعمیر میں مسلمہ نے چار صومعہ (گلدستہ اذان) بنوایا تھا ہر چہار طرف اذان دینے کے لئے۔ اس مسجد اور کل عمارت کو عبد العزیز بن مروان نے ۷۹ھ میں توڑ دیا اور پچھم کی طرف بڑھا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔"

پھر ۸۹ھ میں بحکم ولید اس میں ترمیم کی گئی۔

پھر ۹۲ھ میں قرہ بن شریک نے بحکم ولید توڑ کر بنوایا۔

اور ۹۵ھ میں محراب بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی اور سمت قبلہ کچھ داہنی جانب کو کیا گیا کیونکہ لیث بن سعد

اور عبداللہ بن ربیعہ جو بڑے درجہ کے عالم تھے اُن کا یہی مذہب تھا کہ قبلہ کے داہنی جانب کچھ منحرف ہو کر نماز پڑھی جائے

محراب

شروع شروع مسجدیں بالکل سادہ ہوا کرتیں جن میں نہ کوئی زینت کی جاتی تھی نہ نقش و نگار تھے نہ محراب تھا نہ مینار ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب مسجد رسولؐ بہ اہتمام عمر بن عبدالعزیز تعمیر ہونے لگی (جو مدینہ کے گورنر تھے اور خلیفہ وقت کے بھتیجے) تو انھوں نے یہ اضافہ کیا کہ مسجد نبوی میں محراب مجوف بنایا اور اس کے بعد اسکی تقلید تمام مسجدوں میں ہونے لگی (حسن المحاضرہ ص ۱۳۵)

غرض محراب اور مینار جو بہ نام صومعہ نامزد ہے بنی امیہ کے اضافات سے ہے جو ملک شام سے تحفہ لائے ہیں اور تمام اہل اسلام میں اس کی تقسیم کی۔ یہاں تک مختصر طور پر صورت اذان اور گلدستہ و مینار و محراب کی آپ نے زیارت فرمائی جس کے تفصیلی حالات کچھ آئندہ بھی ظاہر ہوں گے اب دوسری رنگ آمیزیاں ملاحظہ فرمائیے کہ زمانہ کے انقلاب نے کس کس قسم کا انقلاب خاص اس اذان کے متعلق دکھایا ہے۔

تغیرات اذان

اس اذان کا سلسلہ جس عنوان سے شروع ہوا تھا تا عہد جناب رسالتمآبؐ ایک حالت پر قائم رہا مگر بعد وفات رسالتمآبؐ جیسا کہ اور احکام فرائض و سنن میں انقلاب آیا مسئلہ اذان بھی اسی طوفان کی زد میں آگیا۔

پہلا تغیر

اسی روز شروع ہوا جو اسلامی انقلاب کا پہلا روز ہے یعنی وفات رسول اللہؐ کے دو ایک روز قبل یا اسی روز یہ تغیر دیا گیا کہ قاتلان اسود عنسی نے جو بعد پیغمبرؐ مدعی نبوت ہوا تھا اس کے قتل پر صبح کی اذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہؐ کے بعد یہ اضافہ کیا اشھد ان عبہلہ کذاب۔

مختصر تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ یمن کا بادشاہ مسلمان ہوا تو اس کے ساتھ اور رعایائے یمن بھی اسلام لائے جن میں یہ اسود عنسی بھی شامل تھا اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور ذوالخمار بھی کہتے ہیں شعبدہ بازی اور کہانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ باذان بادشاہ کے مرنے پر جناب رسالتمآبؐ نے ملک یمن کو چند حصوں پر تقسیم کیا اور ہر حصہ پر ایک ایک صحابی کو عامل مقرر کیا اور معاذ بن جبل کو بہ طور سفری مبلغ مقرر کیا کہ ہر جگہ دورہ کریں اور احکام دینی کی تعلیم کرتے رہیں جب آنحضرتؐ علیل ہوئے اور آپ کی ناسازی مزاج کی خبر مشتہر ہوئی تو اس عبہلہ نے ملک یمن میں جہاں اس کی سکونت تھی دعوائے نبوت کیا اور اپنے شعبدہ و کہانت کے زور سے بہت سے لوگوں کو بہکایا یہاں تک کہ قیس بن عبد یغوث بھی جو روسائے نامدار سے تھے اسلام سے منحرف ہو کر اسکا سپہ سالار بنا۔

اسلام کی طرف سے بادشاہ یمن باذان کا بیٹا شہر نام صف آرا ہوا جس میں فتح اسود عنسی کو حاصل ہوئی اور معاذ بن جبل نے فرار میں مصلحت دیکھی مگر ملک یمن سے باہر نہ گئے بلکہ وہیں روپوش ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے چند افسروں کو معین کیا اس میں فیروز دیلمی بھی تھے انھوں نے اس

ملعون کا قصہ اس کی زوجہ کے ساتھ سازش کر کے تمام کیا اور اسی کے قلعہ پر صبح کی اذان دی گئی جس میں بہ آواز بلند اشہد ان عبہلہ کذاب کی صدا بلند ہوئی۔ اسود عنسی کا تسلط یمن میں تین مہینہ رہا اور اس کے قتل کی خبر حضرت نے آخر ایام حیات میں بذریعہ وحی دی تھی مگر ظاہری خبر اس فتح وفیروزی کی زمانہ خلافت خلیفہ اول میں آئی جو ایک طرح کا مبارک شگون سمجھا گیا۔

یہ تغیر اذان کا محض صبح کے وقت ہوا تھا جو درحقیقت کوئی تغیر نہ تھا بلکہ ایک نعرہ خوشی تھا۔ اسود عنسی کے ساتھی اور پیرو قلعہ کی حفاظت سے دست بردار ہوئے اور یہ قلعہ مع لواحق وتوابع ممالک محروسہ اسلام میں داخل ہوا۔

عہد خلافت خلیفہ اول

اس خلافت کا زمانہ چونکہ بہت ہی قلیل ہے کہ دو ڈھائی برس میں طے ہو گیا تھا لہذا احکام شریعت پر اس کا اثر کم پڑا۔ تاہم اذان ایسی چیز تھی کہ اس کے اثر سے خالی نہ رہی۔

دوسرا تغیر

تا عہد رسول اللہ یہ قاعدہ تھا کہ بلال جب اذان سے فارغ ہوتے تو خدمت رسول اللہ میں آکر عرض کرتے السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الصلوۃ یرحمک اللہ مگر حضرت ابوبکر کے عہد میں یہ قاعدہ اس صورت سے بدلا کہ موذن بعد اذان آکر عرض کرنے لگا السلام علیک یاخلیفہ رسول اللہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے یہ بھی بدعت ہے کہ درمیان اذان واقامت کے موذن دروازہ امیر پر آئے اور کہے حی علی الصلوۃ اور بعض علماء قائل ہیں کہ اس بدعت کا احداث بعہد معاویہ ہوا۔

تیسرا تغیر

اسی عہد خلافت میں یہ ہوا کہ مطابق قانون اسلام جس بستی میں اذان سنائی دے یہ اذان اس کے اسلام کی علامت تھی اس بستی پر اسلام کا حکم طاری ہو جاتا بستی والوں کی جان ومال ان کے اہل وعیال سب امان میں رہتے اور ان سے جنگ نہ کی جاتی مگر خالد بن ولید نے جو خلیفہ اول کے سپہ سالار تھے اس قانون کو توڑ دیا جس بستی سے اذان سن چکے تھے اور جن مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ چکے تھے اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

تفصیل اس کی بالاجمال یہ ہے کہ خلافت خلیفہ اول کے دسویں روز اس بنیاد پر تمام عرب میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی کہ جب خاندان رسالت سے خلافت نکال لی گئی ہے تو ہم لوگوں کے رہتے یہ کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں حالانکہ ہمارا خاندان ہمیشہ معزز رہتا چلا آیا ہے اسی بنیاد پر اکثر قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کیا اور اطاعت خلیفہ اول سے منحرف ہو گئے۔

اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے خالد بن ولید نامزد ہوئے خلیفہ نے ان کو وصیت کی کہ جہاں اذان کی آواز سننا وہاں کے لوگوں کو امان دینا ان سے معترض نہ ہونا مگر خالد بن ولید نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل اور ان کی عورتوں بچوں کو قید کیا بہتوں کو زندہ جلوا دیا تاکہ رعب سلطنت پوری طرح بیٹھ جائے۔

حکم اذان کی پابندی میں بالخصوص مالک بن نویرہ کا نام لیا جاتا ہے جن کے متعلق ابو قتادہ انصاری اور عبداللہ بن عمر نے خود گواہی دی تھی کہ ہیں نے ان لوگوں کو اذان دیتے سنا ہے مگر خالد چونکہ ابتدا سے زوجہ مالک بن نویرہ پر عاشق تھا ان سب گواہوں کو بالائے طاق رکھ کر مالک کی گردن زدنی کا حکم دیدیا اور اسی شب کو مالک بن نویرہ کی زوجہ پر متصرف ہوا جو کسی طرح جائز نہ تھا۔ یہ واقعہ حضرت ابو بکر کی خلافت کا بہت افسوسناک واقعہ ہے اور اُن کے دامن پر ایسا بدنما دھبہ ہے جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ حضرت عمر نے بخیال حقانیت خواہ بلحاظ دوستی مالک بن نویرہ، بہت کچھ زور مارا کہ خلیفہ اول کسی طرح مالک کے قصاص میں خالد کو قتل کریں یا جرم زنا کی بنا پر سنگسار کریں یا بلحاظ مصالح ملکی موقوفی پر قناعت کریں مگر خلیفہ اول نے ایک نہ سنی اور خالد بن ولید کو ترقی پر ترقی دیتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ دوئم کی خلافت کا زمانہ آیا آپ نے پہلا کام یہی کیا کہ خالد کو سپہ سالاری ملک روم و شام سے معزول کیا اور جن قیدیوں کو خالد اسیر کر لائے تھے واپس کیا یہاں تک کہ وہ عورتیں جنھیں لونڈیوں کی طرح مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اُن عورتوں کو بھی ایک ایک کر کے اُن کے والدین اور سابق شوہروں کو واپس کیا گیا۔

چوتھا تغیہ

یہ ہے کہ اس دور خلافت سے بروایت کنز العمال الصلوۃ خیر من النوم کی ابتدا ہوئی مگر اس روایت میں حضرت ابو بکر کا کوئی ذکر نہیں لہذا اس کی تفصیل دور خلافت دوم میں مذکور ہوگی۔

دورِ خلافت دوم

یہ دور جس طرح بہت سے عجیب و غریب واقعات کے لحاظ سے یادگار مانا جاتا ہے اسی طرح ترمیم و تنسیخ احکام شریعت نبوی میں بھی خصوصی طور پر مشہور روزگار ہے کیونکہ ابواب فقہ سے کوئی باب ایسا نہ ملے گا جس میں حضرت فاروق کی رائے نے یہ مقابلہ حکم خدا اور رسول اثر نہ کیا ہو خصوصاً اذان میں تو وہ جدتیں ہوئیں کہ آجتک یادگار ہیں۔

پانچواں تغیہ

جو دو برس پیشتر سے جاری تھا کہ موذن بعد اذان دربار خلافت میں آکر السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح عرض کرتا تھا اس میں حضرت فاروق نے لقب امیر المومنین اختیار کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا کہ یرحمک اللہ بھی کہا کرے مگر بعض کہتے ہیں کہ یرحمک اللہ کا اضافہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوا اس وقت سے یہ دستور خلفائے بنی امیہ و بنی عباس تک جاری رہا۔

یہاں ایک دوسری روایت بھی ملتی ہے جو بالکل اس کے مناقض ہے دلیل المناحث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر جب وارد مکہ ہوئے تو موذن نے آکر کہا الصلوۃ یا امیر المومنین حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح جس پر خلیفہ نے فرمایا" وائے ہو تجھ پر کیا تو مجنون ہے؟ کیا جو تو نے اذان دی تھی وہ اس کے لئے کافی نہیں تھی۔" اس سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ فعل مسنون نہیں۔ (تحقیق عجیب ص۶)

تیسری روایت یہ بھی ہے کہ السلام یا امیر المومنین یرحمک اللہ کی ایجاد معاویہ نے کی مگر مذکورہ بالا روایات کچھ زیادہ موثق سمجھی جاتی ہیں۔

چھٹا تغیر

یہ ہوا کہ حی علی خیر العمل کا کلمہ اذان سے نکالدیا گیا چنانچہ علامہ شمس اصفہانی تشئید القواعد میں لکھتے ہیں

"فانہ صعد المنبر وقال ایھا الناس ثلث کن فی عہد رسول اللہ وانا انھی عنھن احرمھن واعاقب علیھن وھی متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل"۔

خلیفہ دوم نے بالائے منبر فرمایا تین باتیں عہد رسول اللہ میں جاری تھیں میں ان کو حرام کرتا ہوں جو ان باتوں کو کرے گا میں اسے سخت سزا دوں گا ایک متعۃ النساء، دوسرے متعۃ الحج، تیسرے حی علی خیر العمل۔

اس حکم کے بعد اگرچہ تمام اسلامی رعایا نے اذان میں حی علی خیر العمل کہنا ترک کر دیا تھا مگر خود حضرت عمر کے بڑے صاحبزادے عبداللہ بن عمر اکثر اوقات اذان میں یہ جملہ کہدیا کرتے تھے مگر کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ عبداللہ کی یہ جرات اپنے باپ حضرت عمر کے زمانہ میں تھی یا حضرت عمر کے مرنے کے بعد انھوں نے ایسی جرات کی جبکہ خوف کا سبب باقی نہ تھا۔

اور دیگر صحابہ و تابعین میں بقول علامہ ابن حزم، ابو امامہ بن سہل بن حنیف کا بھی نام لیا جاتا ہے اور بروایت سیرۃ حلبیہ جناب امام زین العابدین بھی اذان میں حی علی خیر العمل فرماتے تھے چند روایتوں کا مجموعہ مولوی عبدالحی صاحب نے بھی بصورت سوال و جواب یہاں لکھا ہے۔

(۱) بیہقی نے بلال سے روایت کی ہے کہ وہ صبح کی اذان میں حی علی خیر العمل کہتے تھے تو حضرت نے حکم دیا اس کی جگہ الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔

(۲) یہی روایت بجنسہ ابو الشیخ اصبہانی نے بھی کتاب الاذان میں نقل کی ہے۔

(۳) امام بیہقی عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل بھی کبھی کبھی کہتے تھے

(۴) یہی روایت امام محمد نے بھی موطا میں نقل کی ہے۔

یہ تمام روایتیں دلالت کرتی ہیں اس پر کہ اس جملہ حی علی خیر العمل کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے لہذا امام نووی کا یہ کہنا کہ اذان میں حی علی خیر العمل کہنا مکروہ ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اسکے جواب میں مولوی عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ اذان کی روایتیں صحاح ستہ اور سنن و مسانید میں موجود ہیں مگر کسی نے اس جملہ حی علی خیر العمل کو نہیں لکھا بلال کے اذان میں یہ فقرہ بھی ہوتا تو جسطرح الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ روایتوں میں ملتا ہے حی علی خیر العمل کا اضافہ بھی ملتا اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ کوئی روایت نہیں بتاتی کہ پیغمبر خدا نے بلال یا ابو محذورہ کو اذان میں حی علی خیر العمل کہنے کا حکم دیا ہو اور ابن عمر کے متعلق جو منقول ہے کہ وہ اذان میں حی علی خیر العمل کہتے تھے تو وہ برابر پابندی سے نہیں کہتے تھے بلکہ کبھی کبھی کہدیا کرتے تھے۔ دوسرے کسی بھی صحابی کے متعلق نہیں ملتا کہ اس نے اذان میں حی علی خیر العمل کہا۔ مزید براں یہ کہ ہم حی علی خیر العمل کہنے کو حرام نہیں جانتے بلکہ مکروہ جانتے ہیں (تحقیق عجیب ص ۲)

یہ ایسا استدلال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کیونکہ حی علی خیر العمل والی روایات کا کسی کتاب میں درج ہونا ہی تعجب خیز ہے نہ کہ عدم اندراج ۔ علماء و محدثین کو اسکی اجازت کب تھی کہ وہ اس قسم کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کریں۔ صحاح ستہ اور سنن و مسانید کی حالت اب کسی پر مخفی نہیں کہ ان کتابوں میں عمداً صحیح روایتیں نکالکر ان کی جگہ صدہا غلط اور وضعی روایتیں بھردی گئی ہیں اور اسی واسطے انکا نام صحیح رکھدیا گیا ہے تاکہ آئندہ آنیوالی نسلیں بلا مزید تحقیقات قبول کریں دوسرے یہ کہ جن کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں وہ بھی تو سنن و مسانید میں داخل ہیں جیسے سنن بیہقی اور ابو الشیخ کی کتاب الاذان اور امام محمد کی موطا جن سے آپ نے یہ سب روایتیں نقل کی ہیں ۔ اس کے علاوہ تشنیہ القواعد شمس الدین اصفہانی شرح تجرید علامہ قوشجی تلویح شرح صحیح بخاری اور انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں بھی حی علی خیر العمل والی روایتیں موجود ہیں اور یہ سب وہ کتابیں ہیں جنکے مقابلہ میں صحاح ستہ کی ہزاروں روایتیں رد کردی جاتی ہیں پھر یہ روایتیں کیوں نہیں قبول کی جاتیں۔

تیسرے یہ کہ جب حی علی خیر العمل کا اذان میں کہا جانا انہی کتابوں سے ثابت ہے تو یہ کہنا کہ "اگر بلال کی اذان" میں یہ اضافہ ہوتا تو جس طرح الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ روایتوں میں ملتا ہے حی علی خیر العمل کا اضافہ بھی ملتا کیونکر درست رہ سکتا ہے حالانکہ کنز العمال میں صاف صاف یہ روایت موجود ہے عن بلال کان یوذن بالصبح فیقول حی علی خیر العمل اور کتاب الغایہ شرح الہدایہ میں بھی یہ روایت موجود ہے ۔ چوتھے یہ کہ آپ بیہقی کی روایت بھی نقل کرتے ہیں اور پھر یہ بھی کہ اسکی روایت ثابت نہیں ۔ نہیں معلوم دونوں میں کون سا جملہ صحیح ہے ۔ پانچویں یہ کہ جب کہ بہت سی روایتوں میں صاف صاف موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر کا ہے گاہے اذان میں یہ جملہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کا یہ لکھنا کہ ابن عمر نے کبھی نہ کہا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

چھٹے یہ بھی کہنا صحیح نہیں کہ دوسرے صحابی سے منقول نہیں کیونکہ بروایت ابن حزم، ابو امامہ بھی اذان میں حی علی خیر العمل کہا کرتے جو صحابی تھے اور خود بلال نے یہ فقرہ کہا اور حضرت امام زین العابدین بھی حی علی خیر العمل کہتے تھے جسکی نسبت فرمایا کرتے یہی اذان اول ہے یہ سب روایتیں آپ ہی کے یہاں کی ہیں نہ کسی دوسرے فریق کی بس اگرچہ امام زین العابدین صحابی نہ تھے مگر تابعین سے تو ہیں جن کا قول مقبول ہے۔

ساتویں یہ کہ حرام نہ جاننا اور مکروہ جاننا بھی بے قاعدہ ہے کیونکہ حرمت کے متعلق تو آپ کہہ بھی سکتے ہیں کہ حضرت عمر نے حی علی خیر العمل سے ممانعت کی تھی بخلاف کراہت کے اسکی کوئی دلیل آپ نہیں لاسکتے نہ ارشاد الہی کوئی ثبوت میں پیش کر سکتے ہیں نہ حدیث رسولؐ نہ کسی صحابی کا قول ۔ صرف فودی کے قول سے کیا ہو سکتا ہے جو ایک معمولی درجہ کے عالم تھے۔

اگرچہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ فریقین کے درمیان اسپر بڑی زبردست مناظرانہ بحثیں ہوئیں اور آگے چلکر معلوم ہوگا کہ عمل بھی اس جملہ پر بہت سی خونریزیاں ہوئیں کیونکہ یہ جملہ خاص فرقہ ہونے کی علامت قرار پاگیا ہے مگر ہم کو بحیثیت مورخ یہاں اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ اس اختلاف فریقین کی بنیاد اسی وقت سے قرار پائی جبکہ خلیفہ دوئم نے فرمایا یہ تین چیزیں عہد رسولؐ میں جاری تھیں اب میں ان کو حرام کرتا ہوں متعۃ النساء ۔ متعۃ الحج ۔ حی علی خیر العمل۔

اس جملہ کی خوبی اور معنی خیزی اس وجہ اور سبب کی طرف بھی نشاندہی کرتی ہے جسکی بنا پر خلیفہ دوئم اس جملہ کے دشمن ہوگئے اور اس کی عام ممانعت کردی درحقیقت وہ سیاسی مصالح تھے جنکی بنا پر حضرت عمر نے اس جملہ حی علی خیر العمل پر پابندی لگانا ضروری سمجھا کیونکہ خم غدیر میں جب رسول اللہ نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تو بحکم رسولؐ بلال موذن رسولؐ نے اسی جملہ سے سب کو ندا دی تھی کہ حی علی خیر العمل بہترین عمل پر آمادہ ہو جاؤ (دیکھئے حبیب السیر) جس سے معلوم ہوا اذان میں یہ فقرہ اس واقعہ کا یاد دلانے والا ہے جسکے مٹانے کی کوشش اسکے فریق مخالف پر لازم ہے اسی وجہ سے اس جملہ کی تبدیلی ایک ایسے جملہ سے کی گئی جس سے وہ جملہ بالکل محو و سہو ہو جائے۔

ساتواں تغیر

یہ ہے کہ حضرت عمر نے صبح کی اذان میں کلمہ الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا جیسا کہ امام مالک کی موطا میں یہ روایت ہے کہ موذن حضرت عمر کو نماز کیلئے بلانے آیا اُن کو محو خواب پاکر کہا الصلوۃ خیر من النوم اسپر حضرت عمر نے حکم دیا کہ اس جملہ کو صبح کی اذان میں داخل کردو (تحقیق عجیب) اسی روایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مذہب فاروقی میں داخل کیا ہے مشکوۃ وغیرہ میں بھی یہی روایت لی گئی ہے یہانتک کہ خود حضرت عمر نے اس کو لفظ بدعت و احداث سے بھی یاد کیا ہے ۔ کنز العمال میں اس کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔

"ابن جریح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عمر ابن حفص نے بیان کیا کہ سب سے پہلے سعد نے حضرت عمر کے عہد خلافت میں الصلوۃ خیر من النوم کہا حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے سعد نے کہنا چھوڑ دیا کیونکہ بلال نے کبھی بزمانہ عمر اذان نہیں کہی تھی۔"

"ابن جریح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے مسلم نے بیان کیا کہ ایک شخص نے طاوس سے پوچھا الصلوۃ خیر من النوم کی کب سے ابتدا ہوئی طاؤس نے کہا بزمانہ پیغمبر تو ہرگز یہ جملہ نہیں کہا گیا مگر بزمانہ ابو بکر ایک شخص نے جو موذن نہ تھا اس نے یہ جملہ کہا بلال نے سیکھ لیا اور اپنے اذان میں کہنا شروع کیا۔ ابو بکر زیادہ دن نہ جیئے جب عمر خلیفہ ہوئے تو کہا کاش ہم بلال کو اس جملہ سے روک سکتے جو تو ایجاد ہے مگر شاید حضرت عمر بھول گئے اور بلال کو منع کرنا یاد نہ رہا جسکے بعد سے یہ جملہ آج تک جاری رہا۔"

یہ روایتیں صرف اس غرض سے بنائی گئی ہیں کہ کسی طرح الصلوۃ خیر من النوم کہنا بلال کے زمانہ سے ثابت ہو جائے اور دنیا یہ یقین کرے کہ سب سے پہلے بلال ہی نے اذان میں یہ فقرہ کہا چاہے بعد وفات رسول اللہ ہی کیوں نہیں۔ مگر اس مقصد میں کامیابی اس وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ تمام محدثین و مورخین نے بیان کیا ہے کہ بلال نے کسی خلیفہ کے زمانہ میں اذان نہیں کہی لہذا اس جملہ کی نسبت ان کی طرف کیونکر دی جا سکتی ہے۔

تب اس پر یہ ترقی کی گئی کہ الصلوۃ خیر من النوم کی اجازت خود رسول اللہ کی طرف منسوب کر دی گئی چنانچہ طبرانی۔ ابو الشیخ ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ وغیرہ اسی مفہوم کی روایتیں بیان کرتے ہیں کہ بلال نے یا سعد نے حضرت پیغمبر خدا کو وقت صبح محو خواب پاکر یہ جملہ کہا جسپر حضرت نے فرمایا یہ اچھا فقرہ ہے اے بلال اسکو اذان میں داخل کر دو اسی جملہ سے صاحب عبد الرزاق اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ بلال ہی کی اختراع تھی
امام نسائی نے جب ان روایتوں میں کمزوری دیکھی تو حدیث نکالی کہ ابو محذورہ بیان کرتے تھے کہ ہم جو رسول اللہ کے زمانہ میں اذان دیتے تھے تو صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہا کرتے تھے۔ اور ابو داؤد نے تو یہ روایت پیش کی ہے کہ خود رسول اللہ نے تعلیم دی تھی کہ صبح کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہا جائے۔

ان روایتوں کی ضرورت شاید اس سبب سے پیدا ہوئی کہ بلال والی سابق روایت کو امام بیہقی نے مرسل قرار دیا ہے اور شیخ تقی الدین اس کے راویوں کی بابت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے تو وہ مجہول ہوئے۔

یہ سب تمہیدیں اگرچہ ایک حد تک مطمئن کرنے والی تھیں کہ اس سند و نسبت سے یہ جملہ بھی اذان میں بحکم رسول اللہ داخل قرار پا جائے مگر امام مالک والی یہ روایت جو شروع میں لکھی گئی چونکہ ان سب خس و خاشاک پر آتش سوزاں کا کام دیتی تھی اور اس کے مقابلہ میں ان من گھڑت روایتوں کی قلعی کھل جاتی تھی اسلئے عجیب طرح کی کھلبلی پیدا ہوئی کیونکہ موطا کی عظمت و جلالت صحاح ستہ سے بھی بڑھ کر ہے نہ اسکو غیر معتمد کہنے کی کوئی ہمت کر سکتا ہے اور نہ اسکی کمزوری ثابت کرنے کیلئے کوئی ترکیب چل سکتی ہے لہذا مولوی عبد الحی صاحب فرماتے ہیں۔

"اگر تمہیں ان روایتوں میں شبہ پیدا ہو کہ یہ امام مالک کی روایت کے متعارض ہیں تو ہم جواب دیں گے کہ حضرت عمر کا یہ حکم ابتدائی حکم نہ تھا بلکہ رسول اللہ سے سن چکے تھے تو اب حضرت عمر کو مکروہ معلوم ہوا کہ یہ جملہ بے موقع کیوں کہا جائے بلکہ اذان میں داخل کر دیا جائے۔ یہی جواب دیا ہے طیبی نے۔"

علامہ طیبی نے تین جواب اور دئے ہیں جن کو مولوی عبد الحی صاحب درست نہیں جانتے۔

ایک یہ کہ شاید عمر کا اس جملہ کو اذان میں داخل کرنے کا حکم منجملہ موافقات کے ہو یعنی ان باتوں سے ہو جن میں اکثر حضرت عمر نے خدا و رسول سے یا خدا اور رسول نے حضرت عمر سے موافقت کی ہے۔

اسپر مولوی عبد الحی صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جواب مردود ہے کیونکہ توارد میں اتحاد وقت ضروری ہے اور اس روایت میں تو یہ بیان ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ موذن نے آکر الصلوۃ خیر من النوم کہا پھر توارد کیونکر ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شاید عمر کو ابو محذورہ کی روایت پہونچی نہ تھی لہذا عمر نے اپنے اجتہاد سے حکم دیا مگر بعد کو ان کا اجتہاد اور نص رسول مطابق ہو گیا

تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ عمر نے سنا ہو مگر بھول گئے جب نیند میں آکر موذن نے چونکایا اور یہ جملہ کہا تو عمر کو یاد آگیا کہ یہ جملہ تو جزو اذان تھا لہذا حکم دیا کہ داخل اذان کیا جائے۔ طیبی کے ان دونوں جوابوں پر مولوی عبد الحی صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دونوں احتمال بھی بعید ہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ یہ جملہ عہد نبوی میں متروک ہو چکا تھا اور بعد وفات پیغمبر بھی یہ جملہ متروک رہا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مولوی عبد الحی صاحب کی یہ عبارت کیا قدر و قیمت رکھتی ہے یہ مذکورہ بالا روایات سے ظاہر ہے کیونکہ ابھی کنز العمال کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ خود حضرت عمر نے اس کو بدعت کا لقب دیا تھا اور طاؤس والی روایت میں تو صاف صاف مرقوم ہے کہ عہد رسول اللہ میں کسی نے یہ جملہ نہیں سنا تھا۔

یہی سبب ہے کہ صحیح مسلم میں جو روایت اذان مسنون کی خود حضرت عمر سے منقول ہے اس میں اس جملہ کا وجود نہیں بلکہ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جملہ اذان مسنون میں داخل ہو بلکہ تلویح شرح صحیح بخاری میں محمد بن حسن کا قول لکھا ہے کہ تثویب (یعنی الصلوۃ خیر من النوم کہنا) دراصل اذان و اقامت کے درمیان تھا مگر لوگوں نے یہ بدعت کی کہ داخل اذان کر دیا کیونکہ تثویب قدیم یہ تھا کہ بعد اذان الصلوۃ خیر من النوم کہا جائے مگر لوگوں نے اب اسکو داخل اذان کر دیا اور موطا محمد بن حسن میں بھی یہی مضمون ہے کہ اصل میں اذان سے فارغ ہونیکے بعد الصلوۃ خیر من النوم کی ندا دیجاتی تھی لوگوں کو جگانے کے لئے نہ یہ کہ اذان میں داخل کی جاتی تھی۔

اس مضمون کی تین روایتیں مولوی عبد الحی صاحب نے بھی دوسری کتابوں سے جمع کی ہیں اور اُن کو قبول کیا ہے۔

(۱) نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ مصنف نے تثویب قدیم کو نہیں بیان کیا اور اصل میں تثویب یہ ہے کہ بعد اذان صبح کہیں الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ۔

(۲) محیط میں ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ الصلوۃ خیر من النوم کو بعد اذان کہیں نہ اصل اذان میں اور یہی مسلک ابو بکر بن فضیل بخاری کا ہے۔

(۳) کافی میں ہے کہ تثویب قدیم یہ تھا کہ اذان کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہا جائے۔ (تحقیق عجیب صہ ۳)

مولوی عبد الحی صاحب نے شرح وقایہ میں بھی امام محمد کا ایک قول ایسا ہی نقل کیا ہے (شرح وقایہ ص ۱۶۵)

ان روایتوں پر اگرچہ آج کل عمل نہیں ہے مگر ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اذان کا جزو نہیں نہ پیغمبر نے اذان میں اس جملہ کا حکم دیا تھا بلکہ جس طرح حضرت عمر نے اپنے عہد میں اپنی مرضی و خواہش سے اس کو جزو اذان بنانا چاہا تھا اسی طرح امام ابو حنیفہ نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اس کا اجرا بعد اذان رکھا تاکہ اذان بھی اپنی حد پر کچھ باقی رہے اور حضرت عمر کا حکم بھی معطل نہ ہو ان کے بعد دیگر علماء نے اسی درمیانی راہ کو پسند کیا۔

ہاں جن مقدس علماء نے اس کی بڑی کوشش کی ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کو کسی طرح سنت نبوی قرار دیں جن میں مولوی عبد الحی صاحب بھی داخل ہیں وہ ایسی مشکل میں گرفتار ہوگئے جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں انھوں نے نہ خدا و رسول کو راضی کیا کیونکہ خدا و رسول نے اس جملہ کو اذان میں رکھا ہی نہیں اور نہ خلیفہ کو جو اس قسم کے دینی اختیارات رکھتے ہی نہ تھے انھوں نے اپنی مرضی سے اس جملہ کی ایجاد کی تھی اور نہایت آزادی سے اس کو بدعت بھی فرماتے تھے جیسا کہ تراویح کے بارے میں بھی نعمۃ البدعۃ کا لقب دے چکے ہیں نہ انھوں نے اپنے امام اعظم کو راضی کیا جو اس کو بعد اذان مناسب سمجھتے ہیں نہ کہ جزو اذان قرار دیتے ہیں۔ البتہ متاخرین علماء کی حضرت عمر سے حد سے بڑھی ہوئی یہ عقیدت ہے کہ انھوں نے حضرت عمر کے مقابلہ میں اپنے امام اعظم کے فتوے کو کوئی اہمیت نہ دی نہ اُسے قابل اعتنا سمجھا امام اعظم تو اس جملہ کو اذان سے خارج قرار دیتے ہیں اور اُن کا فتویٰ یہ ہے کہ اذان ختم کرنے کے بعد یہ فقرہ کہنا چاہیئے مگر متاخرین علماء نے حضرت عمر کی تاسی کرتے ہوئے اس جملہ کو داخل اذان قرار دے دیا اور اس کے لئے یہ کارروائی کی کہ خود امام اعظم کے بعض فتوے بھی اس بارے میں نکال رکھے تاکہ یہ کہنے کو رہے کہ ہم کسی طرح امام اعظم کی مخالفت نہیں کرتے۔

مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ جس طرح امام ابو حنیفہ کے متضاد فتوے اس بارے میں پیش کئے جاتے ہیں اسی طرح خلیفہ دوم کے بھی متضاد حکم اس بارے میں موجود ہیں ہم اوپر کنز العمال کی روایتیں ذکر کر چکے ہیں ان روایتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ دوم نے اس کو منع کرنا چاہا مگر شاید بھول گئے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ایک حکم پر عمل کیا گیا اور دوسرے حکم کو ترک کر دیا گیا۔

اسی تناقض و تضاد کے حکم میں وہ سب روایتیں بھی داخل ہیں جن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح اس سلسلے کو رسول اللہ تک پہونچا دیا جائے جو ایک امر ناممکن کی کوشش تھی۔

یہی سبب ہے کہ آگے چل کر یہی دونوں جملے "حی علی خیر العمل" اور الصلوٰۃ خیر من النوم بڑے زبردست سیاسی جملے قرار پائے جس سے صدہا نہیں بلکہ ہزاروں بنی نوع انسان کا خون ہوا جس کی تفصیل آئندہ مذکور ہوگی۔

یہاں سے مولوی عبد الحی صاحب کا وہ شبہ دفع ہوگیا جو حی علی خیر العمل کے متعلق وارد کیا تھا کہ صحاح و مسانید و سنن میں یہ جملہ کیوں نہیں درج ہوا۔ کیونکہ یہی اعتراض اس جملہ الصلوٰۃ خیر من النوم پر بھی

وارد ہوتا ہے کہ یہ بھی صحیح مسلم کی اذان میں مذکور نہیں حالانکہ صحیح مسلم میں اذان کے متعلق جو روایت مذکور ہے وہ خود حضرت عمر کی ہے اور اس میں تصریح ہے کہ وہی اس جملہ کے موجد و مروج ہیں۔

تیسرا دور خلافت

جس طرح حضرت عثمان کا عہد خلافت تمام اصول سیاستہ و قواعد تمدن سلطنت عرب میں بدنام ہے اسی طرح احکام شریعت اور قوانین ملت میں بھی مشہور عالم ہے۔ پھر یہ اذان کیونکر اس عہد میں انقلاب سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

آٹھواں تغیر

یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے ان تغیرات کو ناکافی سمجھ کر یہ اضافہ کیا کہ نماز جمعہ کے لئے جو قدیم الایام سے ایک اذان جاری تھی اس پر دوسری اذان اور بڑھادی جو اذان اول کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ اذان بلا اختلاف حضرت عثمان کی اولیات میں شمار کی گئی ہے اس کے متعلق ہماری نظر سے ابھی تک کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ عہد رسول میں بھی کبھی دہری اذان دی گئی ہو جیسا کہ سابق والے تغیرات میں اس قسم کے اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور متناقض روایتیں بنائی گئی ہیں جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی مضمون والی روایت صحیح ہوگی اور دوسری وضعی حضرت عثمان کے عہد خلافت کے ایسے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ بات بنانے والے بھی تھک گئے با ایں ہمہ یہ اذان بھی قبول کر لی گئی اور احکام فقہی میں اس کا حکم نافذ کر دیا گیا چنانچہ ھدایہ اور شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہیہ حنفیہ میں تصریح تمام اس کے احکام مذکور ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ احکام تمام مسلمانوں میں جاری و ساری ہیں اگرچہ علمائے اہلحدیث اس کو ناجائز تصور کریں۔

مولوی عبدالحی صاحب اپنے مذہب کی ایک مستند کتاب سنن ابوداؤد سے شرح وقایہ میں لکھتے ہیں۔

عہد رسول اللہ سے تا زمانہ شیخین اذان جمعہ کا یہ قاعدہ تھا کہ امام جب منبر پر بغرض خطبہ جائے اس وقت اذان شروع کی جائے مگر عثمان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک دوسری اذان ایجاد کی جو زوراء (مدینہ کے ایک بازار کا نام) میں دی جاتی۔ دوسری روایت بھی اسی مضمون کی ہے کہ جب رسول اللہ منبر پر بیٹھتے تو دروازہ مسجد پر ایک ہی اذان دی جاتی اور زمانہ شیخین تک یہی دستور جاری رہا۔ تیسری روایت میں بھی یہی مضمون ہے مگر اس قدر فرق ہے کہ حضرت کے زمانہ میں دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی بلکہ مینار پر اور عثمان نے اپنے زمانہ میں ایک دوسری اذان کی ایجاد کی جو بمقام زوراء دی جاتی۔ دوسری اذان کا سلسلہ ہشام بن عبد الملک تک یوں ہی جاری رہا مگر ہشام

نے اپنے زمانہ میں اس میں یہ تبدیلی کی کہ بازار مدینہ والی اذان موقوف کر کے اس کو مسجد کے مینار پر قائم کیا جس کا موذن ایک ہی شخص ہوتا تھا اور جو دوسری اذان عہد رسول اللہؐ سے جاری تھی اس میں یہ اضافہ کیا کہ پہلے تین آدمی مل کر اذان دیتے تھے اب بہت سے موذنوں کو اس میں شامل کر دیا (شرح وقایہ ص۱۲۷)

مگر کتاب ھدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اذانوں کو مجمع کثیر کے ساتھ ہونا چاہیئے بلا تفریق اس کے کہ کس اذان میں کتنی تعداد ہونی چاہیئے، کتاب ھدایہ کی لفظیں ہیں۔

واذا اذن المؤذنون الاذان الاول واذا صعد الامام المنبر وجلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر (ھدایہ ص۱۵۱)	جب کہ اذان دینے والے پہلی اذان دیں اور جب امام منبر پر جا کر بیٹھ جائے اور اذان دینے والے منبر کے سامنے اذان دیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اذانوں کو متعدد موذنین مل کر انجام دیں یہ اختراع شاید امام اعظم کا اجتہاد ہے ورنہ ہشام نے تو صرف دوسری ہی اذان میں متعدد موذنین کا اضافہ کیا تھا اسی وجہ سے علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ (مجمع والی) اذان جو ہمارے دیار میں اذان جوق کے نام سے مشہور ہے اس کے باب میں کوئی نص نہیں ملتی۔ شافعی کہتے ہیں اس مجمع والی اذان کو خطیب کے روبرو ہونا چاہیئے۔ اس کے استحباب و کراہت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے صاحب ھدایہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ خطیب کے روبرو والی اذان بھی بدعت حسنہ ہوگی۔

اب دوسری اذان کے بارے میں سنئے جو عہد رسول کی بھی ایک اذان ہے اس پر مولوی عبد الحی صاحب حاشیہ لکھتے ہیں۔

(۱) خطبہ کا بالائے منبر ہونا سنت تسلیم ہے مگر یہ بدعت قبیحہ ہے جو بطور عادت جاری ہے کہ خطیب پہلے خطبہ کے بعد منبر کے دوسرے زینہ پر آجاتا ہے پھر اچک کر اوپر چڑھتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں بلکہ بدعت ہے۔[1]

(۲) امام کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا بھی بدعت ہے۔ مگر بعض احادیث میں یہ حکم وارد ہوا ہے جن کے متعلق زیلعی وغیرہ نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ ضعیف ہیں۔

(۳) امام ابو حنیفہ نے خطبہ کو فارسی میں[2] پڑھنا جائز قرار دیا ہے مگر اولی ترک ہے بسبب مخالفت رسول اللہؐ کے۔

---

[1] یہاں پر وہ روایت یاد آجاتی ہے جو اکثر کتب تفاسیر و تواریخ میں موجود ہے کہ پیغمبر خدا نے خواب میں دیکھا تھا کچھ بندر چڑھتے اور کودتے ہیں جس کی تعبیر تسلط بنی امیہ سے کی گئی لہذا جو لوگ اس قسم کی حرکتیں بالائے منبر کرتے ہیں انھیں لوگوں کے پیروؤں سے ہیں جن کے بارے میں وہ خواب دکھایا گیا۔

[2] تعجب ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے اللہ اکبر کا ترجمہ فارسی یا کسی بھی زبان میں کر کے نماز میں کہنا جائز ہے اسی طرح نماز کے دوسرے اذکار کا، تو مولوی صاحب خطبہ جمعہ کا ترجمہ دوسری زبان میں کر کے پڑھنے کو کیوں منع کرتے ہیں۔

(۴) مدینہ منورہ میں یہ بدعت جاری ہے کہ خطیب دوسرے خطبہ میں صلوات کہتے وقت دائیں بائیں منھ پھیرتے ہیں۔

(۵) بعض خطیب یہ بھی کرتے ہیں کہ خطبہ میں وارض عن عمی نبیک الحمزۃ والعباس (خداوندا اپنے پیغمبر کے دونوں چچا حمزہ اور حضرت عباس سے راضی ہو) بڑھاتے ہیں جو خطائے فاحش ہے۔

(۶) یہ بدعت بھی کرتے ہیں کہ جب خطیب رسول اللہ کا یا صحابہ کا نام لیتا ہے تو موذن صحابہ کے حق میں رضی اللہ عنھم کا غل مچاتے ہیں جو محض بدعت قبیحہ ہے۔

(۷) یہ بدعت بھی جاری ہے کہ خطبہ ثانیہ میں یا درمیان دونوں خطبوں کے یا خطبہ اور نماز جمعہ کے درمیان نماز میں پڑھتے ہیں جو مکروہ ہے اور خطیب کو اس سے منع کرنا لازم ہے۔

(۸) امام کے خطبہ شروع کرنے سے لے کر نماز تمام ہونے تک کسی قسم کا کلام کرنا مکروہ ہے دینی باتیں ہوں یا دنیاوی یہاں تک کہ اذان ثانی کی اجابت یا دعا روسیلہ کا پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

مولوی عبد الحی صاحب نے اس آخری بدعت سے اس بنیاد پر اختلاف کیا ہے کہ معاویہ سے اس فعل کا ہونا ثابت ہے۔ (شرح ہدایہ محشی ص ۵۲ شرح وقایہ ص ۲۷)

یہاں پر دو بدعتیں شرح وقایہ سے بھی لکھتا ہوں جو مولوی عبد الحی صاحب کے حاشیوں سے آراستہ ہو کر چھپی ہے تاکہ عشرہ کی تعداد پوری ہو جائے۔

(۹) سنت یہ تھا کہ لوگ خطیب کے روبرو بیٹھیں خواہ وہ دائیں طرف ہو یا بائیں مگر رسم یہ جاری ہو گئی ہے کہ لوگ قبلہ رو بیٹھتے ہیں۔

(۱۰) خطبہ میں عصا پر تکیہ کرنا سنت ہے مگر اس زمانہ کے خطیبوں نے یہ قاعدہ نکالا ہے کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح خطیب خطبہ کہتے وقت ہاتھ باندھ لیتے ہیں حالانکہ چاہیئے کہ اگر عصا وغیرہ ہاتھ میں نہ ہو تو دونوں ہاتھ کھلے رہیں۔ (شرح وقایہ ص ۲۷)

(۱۱) یہ بھی بدعت ہے جو اکثر شہروں میں جاری ہے کہ دونوں اذان کے درمیان کہتے ہیں الصلوۃ الصلوۃ سنۃ رسول اللہ یہ جملہ استحسان متقدمین و متاخرین دونوں سے خارج ہے (شرح وقایہ ص ۱۶۶)

یہ کل عبارتیں مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے رسائل و حواشی سے لی گئی ہیں۔

ان بدعتوں کے دیکھنے سے اچھی طرح اس حدیث کی تصدیق ہو جاتی ہے جو حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کل بدعۃ ضلالۃ کیونکہ آپ نے دیکھا حضرت عثمان نے ایک بدعت قائم کی تھی کہ دوسری اذان دلوائی اب ان کے پیرووں نے کس قدر بدعتوں کی بھرمار کر دی ہے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد   زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

یہی سبب ہے کہ پیغمبر اسلام نے بدعتوں کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی کہ خبردار خبردار تم کوئی بدعت نہ کرنا کہ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے مگر حضرت کے بعد والے فرماں رواؤں نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور

اپنے دل سے ہزاروں باتیں اس قسم کی پیدا کرلیں جو بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص نے نیا نیا رواج قائم کرنا شروع کر دیا جس سے اصلی سنت پیغمبر (جیسا کہ مضمون حدیث بھی ہے کہ بدعت کے رواج پانے سے سنت محو ہوتی ہے) تو متروک ہوگئی اور ان بدعتوں نے اتنا رواج پایا کہ اب کسی طرح مٹائے نہیں مٹ سکتیں یہی سبب ہے کہ فرقہ اہل حدیث جو وہابی کہلاتے ہیں ہر چند اس بارے میں کوشش کر رہے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا آبائی رسم و رواج جو پشتہا پشت سے جاری ہیں کسی طرح بند نہیں ہوتے نہ حدیثیں مانی جاتی ہیں نہ قرآن نہ اقوال ائمہ دین۔ یہی سبب ہے کہ فرقہ شیعہ میں ابتدا سے یہ پابندی کی گئی ہے کہ کسی طرح دینی مسائل میں نہ وہ روایتیں لی جائیں جو خاندان رسالت کے حلقہ سے خارج ہوں نہ اُن احکام پر عمل کیا جائے جو اس طریقہ سے باہر ہوں۔ اگرچہ اس کے جاری کرنے والے کیسے ہی لوگ ہوں اسی کا اثر ہے کہ اس فرقہ کی اذان اُن کی نماز اُن کے کل افعال و اعمال مذہبی ایسے سادے طور پر انجام دیے جاتے ہیں کہ نہ اُن میں کوئی بدعت پائی جاتی ہے نہ کوئی امر خلاف شرع جس کی اصلاح کی ضرورت اُن کے علمائے دین کو پڑے اور عوام و خواص میں جنگ قائم ہو کیونکہ ان کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام نے اس طرح اُن کی تعلیم کی ہے اور احکام شرعی سکھائے ہیں کہ اس قسم کے اختلافات کی گنجائش ہی نہ رہی۔

نواں تغیر

بربنا اس روایت کے ہے جو السلام علیک یا امیر المومنین حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کی نسبت حضرت عثمان کی طرف کی گئی ہے کہ اُن کے حکم سے موذن بعد اذان کے خلیفہ کے مکان پر آتا اور یہ ندا دیتا۔ اس کے بعد خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ تک یہی دستور رہا (دیکھو چوتھا تغیر)

دسواں تغیر

یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے زمانہ سے موذنوں کا مشاہرہ مقرر ہوا اس کے قبل اس کا کوئی دستور نہ تھا اسی وجہ سے اس کو اولیات حضرت عثمان میں شمار کیا گیا ہے (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۲۹ و ۱۶۱ م) حالانکہ موذنوں کا مشاہرہ مقرر کرنا یا اس کو اجرت دینا یا اس کی اجرت لینا حکم رسول اللہ کے بالکل خلاف ہے سنن ابی داؤد میں ہے۔

عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ اجعلنی امام قوم قال انت امامھم واقتد باضعفھم واتخذ موذنا	عثمان بن ابی العاص کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کسی قوم کا امام بنا دیجیے تو حضرت نے فرمایا تو ان کا امام ہے جو سب سے ضعیف ہو اس کی پیروی کر اور اس شخص کو موذن مقرر

لا یاخذ علی الاذان اجرا (امام الکلام صـ۱۷۱) کرنا جو اذان کہنے پر اجرت اور مزدوری نہ لے۔

اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ اذان کی اجرت لینا یا دینا حضرت کی مرضی اور اجازت کے بالکل خلاف ہے اور اگر حضرت عثمان نے اس کو رائج نہ کیا ہوتا تو آج تک شاید وہی سنت رسول اللہ قائم رہتی اور یہ خرابیاں پیدا نہ ہوتیں جو اس تعیین وظائف سے مسجدیں خراب اور غیر آباد رہتی ہیں کیونکہ جب منجملہ حصول معاش کی صورتوں کے اذان کی اجرت بھی حلال و جائز ہوگئی تو ہر شخص کو اس کی خواہش رہنے لگی جہاں مسجد کے متعلق کوئی وقف تھا یا بانی مسجد متمول تھا وہاں موذن مقرر رہا اور جہاں یہ باتیں نہ ہوئیں وہ مسجدیں غیر آباد قرار پائیں اگرچہ حضرت ابوبکر و عمر کے خود کبھی اذان نہ دینے سے اس کی وقعت میں بہت کمی ہو چکی تھی مگر موذنوں کی رہی سہی عزت کو اس وظیفہ نے اور بھی کم کر دیا کیونکہ عرب میں اس قسم کے وظائف ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

اسی مشاہرے اور تنخواہیں مقرر کرنے کے نتائج سے وہ حکایتیں ہیں جو حمص و اہل حمص کے حوال میں مذکور ہیں کہ ایک سیاح نے دیکھا موذن اذان میں اشھد ان محمد رسول اللہ نہیں کہتا جس کی وجہ اس نے دریافت کی تو معلوم ہوا کہ موذن ان دنوں رخصت پر ہے اس کے عوض ایک یہودی خدمت اذان پر مامور ہے جس نے پہلے ہی شرط کر لی تھی کہ میں یہ جملہ نہ کہوں گا جو میرے مذہب اور عقیدے کے خلاف ہے۔

اس حدیث سے دوسرا فائدہ یہ نکلا کہ جو طریقہ شیعوں کے یہاں پیش نمازی کے بارے میں اجازہ کا جاری ہے اس کا مطابق سنت ہونا ثابت ہوا کیونکہ عثمان بن ابی العاص نے حضرتؐ سے اس کی خواہش کی کہ مجھے کسی قوم کا امام مقرر کیجئے تو اب جو لوگ برخلاف اس کے اقتدا میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتے اور ہر کس و ناکس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ اس سنت رسول کے خلاف کرتے ہیں۔

اس خلافت میں جہاں بہت سی سنتیں بدلی ہیں وہاں عیدین کے خطبہ میں بھی تغیر ہوا کہ نماز کے پہلے خطبہ ہونے لگا حالانکہ پیغمبر کے زمانہ تک بلکہ اس کے بہت دنوں بعد تک عیدین میں یہی دستور تھا کہ نماز کے بعد خطبہ ہوا کرتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی)

اس خطبہ کے متعلق ایک یہ روایت بھی دیکھی گئی ہے کہ بعد حصول خلافت حضرت عثمان جب خطبہ دینے منبر پر تشریف لے گئے تو ان کی زبان بند ہوگئی اور رعب چھا گیا جس سے کچھ بول نہ سکے تب یہ کہہ کر منبر سے اتر پڑے۔

"ابوبکر و عمر اس کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے اب تم کو ایسے امام کی زیادہ ضرورت ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے بہ نسبت اس کے جو بڑا خطیب ہو اور آئندہ تم کو ویسے ہی خطبے سننے میں آئیں گے۔"

خلافت جناب امیر المومنینؑ

اکثر مورخوں کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کو ایک زمانہ دیا گیا ہے جس میں آپ کی خلافت بعض ممالک اسلامیہ میں قبول کی گئی اسی وجہ سے میں نے بھی حضرت کا نام لیا۔ مگر اس عہد کے حال میں کوئی ایسا امر نہ ملا کہ جس کو کوئی شخص بھی حضرت کے اولیات میں شمار کرے اور یہ کہہ سکے کہ حضرت نے اس چیز کی ایجاد کی۔ کیونکہ حضرت کی خلافت کا زمانہ ابتدا سے انتہا تک اسی میں صرف ہوا کہ کسی طرح رسول اللہؐ کی مٹی ہوئی سنتیں اپنے اصلی مرکز پر آجائیں اور بدعتیں موقوف ہوں مگر ۲۴ برس کے انقلابات اور تغیرات اور شریعت اسلامیہ میں رد و بدل کی کوششیں ایسی معمولی نہ تھیں کہ اس تین چار برس کی کوشش میں مٹ سکیں اسی وجہ سے یہ خلافت عالم آشوب بغاوت میں ختم ہو گئی اور کوئی بدعت نہ مٹ سکی۔

یہی سبب ہے کہ مجھے کوئی ایسا تاریخی واقعہ نہیں ملتا جس سے اذان میں کسی نئے اضافے کا پتہ چل سکے مورخوں نے ان احکام کے چھپانے کی بھی کوشش کی ہے جو حضرت خلفائے ماسبق کی ترمیم اور تبدیلیوں کے بارے میں صادر فرماتے تھے لہذا یوں بھی کچھ ملنے کی امید نہیں شیعی کتب میں اس قسم کی بہت سی باتیں ملتی ہیں مگر ان کا یہاں پر لکھنا اس رسالہ کے اصول مقررہ کے خلاف ہے۔

البتہ مذہبی کتابیں بتاتی ہیں کہ خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام قرآن مجید میں اذان ہے جس کے بعد پھر زیادہ تحقیق و جستجو کی ضرورت نہیں رہتی علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی اپنی مشہور کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں۔

"یعنی قرآن مجید میں جو آیہ فاذن موذن وارد ہے اس سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں جو کہیں گے کہ لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ مراد ظالموں سے وہ لوگ ہیں جو آپ کی ولایت کی تکذیب کریں گے اور سبک سمجھیں گے آپ کے حق کو ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے۔ راوی اس کے امام حاکم ہیں۔ اور ابو صالح سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا قرآن مجید میں میرے چند نام ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے ان ناموں سے ایک نام موذن ہے۔ اور جابر سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؑ نے جنگ نہروان سے فراغت پائی اور ان کو یہ خبر پہونچی کہ معاویہ شام میں آپ کو گالی دیتا اور آپ کے دوستوں کو قتل کرتا ہے تو آپ نے خطبہ میں فرمایا میں وہ موذن ہوں دنیا و آخرت میں جس کی خدا نے آیہ فاذن موذن میں خبر دی ہے کہ لعنت کریں گے ظالموں پر دنیا و آخرت میں جیسا کہ خدا نے سورہ برأت میں فرمایا اذان من اللہ و رسولہ کہ میں ہی وہ اذان ہوں۔ دوسری روایت میں بھی اسی آیت سے سند لائی گئی ہے کہ وہ موذن

جناب امیر ہیں جن کی آواز تمام خلائق سُنے گی جیسا کہ خدا نے فرمایا کہ اذان من اللہ مراد اس سے علی علیہ السلام ہیں۔

ہم پہلے اشارۃً ذکر کر چکے ہیں کہ سورہ برأت لیکر پہلے حضرت ابوبکر و عمر بھیجے گئے مگر بموجب حکم خدا پیغمبر خدا نے جناب امیرؑ کو اس کام پر متعین کیا اور آپ نے جا کر ان دونوں حضرات سے سورہ برأت لے لیا اور مکہ جا کر اس حکم کی تعمیل کی ابوبکر و عمر راہ سے واپس آئے اور خدمت رسولؐ میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی آیۃ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے حضرت نے فرمایا نہیں البتہ یہ حکم نازل ہوا ہے کہ یا میں خود اس کی تعمیل کروں یا علی ابن ابیطالب۔

پس جب بہ تصریح ان احادیث جلیلہ کے جناب امیر المومنینؑ کا نام ہی قرآن میں اذان ہے تو اب اس پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ حضرتؑ کا اسم مبارک کس طرح داخل اذان ہو جس طرح مخالفین اسلام کو کوئی حق اس کا نہیں ہے کہ اشہد ان محمدا رسول اللہ کے جزو اذان ہونے پر معترض ہوں اسی طرح مخالفین علی مرتضیٰ کو بھی کوئی حق نہیں کہ اس پر معترض ہوں۔

اس جملہ کا ذکر یہاں صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اسلامی سلطنت پر جملہ حی علی خیر العمل اور اشہد ان امیر المومنین علیا ولی اللہ نے کیا اثر ڈالا اور کیسے کیسے خونی طوفان ان کے سبب اُٹھے جو آج تک مسلمانوں کو تہ و بالا کئے ہوئے ہیں انہیں جملوں کے متعلق مسلمانوں کے باہمی اختلافات نے مصر کی سلطنت اور بغداد کی خلافت کو تباہ و برباد کیا۔

دورِ خلافت رابعہ

جس معنی سے تین خلافتیں پہلے قائم ہوئیں اس معنی سے چوتھی خلافت معاویہ بن سفیان ہی کی ہو سکتی ہے کیونکہ اصول خلافت چار ہیں۔ بعیت اہل حل و عقد۔ استخلاف خلیفہ سابق جس کی وجہ سے حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ شوریٰ جس سے عثمان خلیفہ ہوئے۔ قہر و غلبہ جس سے معاویہ کو خلافت ملی۔

جس زور سے اُس زمانہ میں یہ خلافت قائم کی گئی آج تک اس کا وہی زور و شور ہے۔ باغی خارجی خطاب دینے کے بعد بھی یہ خلافت حق مانی جاتی ہو ۲۰ برس تک اس کا زور برائے نام کی ماتحتی میں تھا اور ۲۰ برس بالاستقلال خلافت اسی ہاتھ میں رہی جس سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ شریعۃ محمدی پر اس کا کتنا اثر پڑا ہوگا۔

اس دور خلافت میں اذان میں کئی تغیرات ہوئے اور اس سے متعلق کئی واقعات ہیں جن کو بالاجمال لکھتا ہوں۔

گیارہواں تغیر

یہ ہوا کہ معاویہ نے حکم دیا موذن بعد اذان اُن کو یوں پکارے السلام علیك یا امیر المومنین رحمك الله۔ کتاب الاوائل عسکری اور تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی اولیات معاویہ کے سلسلے میں مرقوم ہے کہ اول من قیل له السلام علیك یا امیر المومنین و رحمة الله و برکاته الصلوة یرحمك الله معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جن کے لئے کہا گیا السلام علیك یا امیر المومنین و رحمة الله و برکاته الصلوة یرحمك الله (تاریخ الخلفا ص ۱۳۶)

یہ تغیر ۵ء ۹ میں بھی کچھ معمولی فرق کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان بھی اس میں حصہ دار ہیں چوتھے حصہ دار مغیرہ بن شعبہ ہیں کہ انھوں نے بھی ایسا حکم دیا تھا مگر یہ چنداں صحیح نہیں۔ (تحقیق عجیب ص ۵)

بارہواں تغیر

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ سب سے پہلے معاویہ نے اس کا حکم دیا کہ موذن درمیان اذان و اقامہ کے آکر یوں کہے حی علی الصلوۃ کیونکہ رسول اللہؐ کے عہد میں یہ دستور تھا کہ موذن الصلوۃ الصلاۃ کہتا تھا مگر یہ تغیرات علیحدہ علیحدہ بمذاق محدثین ہیں ورنہ تغیر ۹ء ۲۴ و ۱۱ و ۱۲ ایک ہی معلوم ہوتا ہے جس کی ابتدا عہد خلیفہ دوم سے ہوئی بعد اُن کے ہر خلیفہ نے اپنے اپنے عہد میں اس کی تجدید کی جس کو محدثین کے اختلاف نے اس حد تک پہونچایا۔

تیرھواں تغیر

عید کے لئے بھی اذان مقرر کی حالانکہ اس کے قبل عیدین میں صرف الصلوۃ الصلوۃ کی ندا دی جاتی تھی۔ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے عید میں اذان ایجاد کی وہ معاویہ ہیں —
یہ اضافہ حقیقت میں کچھ بدنما نہیں معلوم ہوتا کیونکہ نماز عید حال کی تحقیقات میں مسلمانوں کی سالانہ کانفرنس ہے جس میں نزدیک پاس کے سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور جن کو نماز کی عادت نہیں بھی ہوتی وہ بھی شریک ہوتے ہیں ایسی نماز کا بلا اذان رہنا ضرور برا معلوم ہوا ہوگا خصوصاً ایسے خلیفہ کو جو بہ قہر و غلبہ خلیفہ بنا تھا۔ حضرت عثمان نے جو سفر حج میں بمقام منیٰ دو رکعتی نماز کو چو رکعتی بنایا اور بجائے قصر کے اتمام کیا اور صحابہ معترض ہوئے تو یہی جواب دیا کہ حج میں دور دراز ملکوں کے لوگ آتے ہیں اگر وہ خلیفہ کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھیں گے تو ممکن ہے ان کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اصل نماز دو ہی رکعت ہے اس لئے میں نے

جاری کر دی۔ یہی جواب معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز بغیر اذان کے کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ معاویہ و عثمان ایک ہی خاندان کے دو ممبر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حکم رسول اللہ یوں ہی تھا کہ عید کی نماز کے لئے بجائے اذان کے صرف الصلوۃ کی ندا دی جائے مگر معاویہ کے نزدیک یہ فرو گذاشت قابل ترمیم قرار پائی لیکن افسوس علمائے اہل سنۃ نے آئندہ زمانہ میں اس کو بدعت قرار دے دیا۔

تاریخی حیثیت سے یہ بتانا مشکل ہے کہ اس بدعت کی موقوفی کب ہوئی اور کیوں ہوئی قرینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنی عباس نے اپنے عہد حکومت میں اس بدعت کو موقوف کیا ہے۔

اگر حضرت عثمان جمعہ کی نماز کے لئے دہری اذان ایجاد کرنے کے بجائے عید کی نماز کے لئے ایجاد کئے ہوتے تو شاید جمہور اہلسنت کو اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا کیونکہ خلفائے راشدین کے افعال و حرکات ہر اعتراض و اختلاف سے بالاتر ہیں مگر قاعدہ سے مسلمانوں کو اس سنت معاویہ سے بھی اختلاف کرنا مناسب نہیں کیونکہ الصحابۃ کلھم عدول میں معاویہ بھی داخل ہیں۔

مورخین نے حضرت عثمان کی اس حدث میں کہ انھوں نے عیدین کے خطبہ کو نماز عیدین سے پہلے کر دیا معاویہ و مروان کو بھی شریک کیا ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ حدث حضرت عثمان نے کی کوئی کہتا ہے کہ معاویہ یا مروان نے کی مگر یہ اختلاف بلا وجہ ہے کیونکہ معاویہ نے اس میں صرف اتنی زیادتی کی تھی کہ جو خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا تھا اس کو بیٹھ کر پڑھنا رائج کیا کیونکہ اُن کا موٹاپا مانع تھا اس سے کہ کھڑے ہو کر پڑھیں۔

یہاں مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ سے ایک مرتبہ بالائے منبر بآواز بلند ریاح صادر ہو گئی جس پر فوراً یہ خطبہ انشا کیا الحمد للہ الذی جعل خروج الریح راحۃ (اس خدا کا شکر جس نے ریاح صادر ہونے کو سبب راحت قرار دیا) اس پر حاضرین جلسہ میں سے کسی نے برجستہ کہا ولکن علی المنبر قباحۃ و وقاحۃ (لیکن منبر پر یہ بات بڑی بے حیائی اور بے شرمی ہے) مگر ایسی باتیں بیان کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس طرح کا واقعہ اوروں کو بھی پیش آسکتا ہے جیسا کہ حضرت خلیفہ دوم کے حال میں لکھا ہے تو ایسے امور کو درج تواریخ کرنا عزت تاریخ کھونا ہے۔

معاویہ ان خوش قسمت خلفاء میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں جن کے احکام مثل احکام خدا و رسولؐ قبول کئے جاتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں ہزارہا صحابہ و تابعین موجود تھے مگر معاویہ تبدیل احکام شریعہ میں ایسے دلیر تھے کہ بلا لحاظ کسی کے جب چاہتے اور جو امر چاہتے کر گذرتے چنانچہ جنگ صفین کو جاتے وقت راستہ میں بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھا دی اور سب نے اقتدا کی (تاریخ کامل ص ۱۰۷ مطبوعہ مصر)

معاویہ کے اولیات میں علامہ سیوطی نے عدد تکبیر کے کم کرنے کو بھی لکھا ہے مگر اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل

ہے کہ کونسی تکبیروں میں کمی کی کیونکہ نماز جنازہ میں بجائے پانچ تکبیروں کے چار تکبیریں قرار دینا تو خلیفہ دوم کی طرف منسوب ہے شاید نمازوں کی تکبیریں مراد ہوں جس سے یہاں بحث کرنا موضوع سے خارج ہے۔

واقعات

اب ہم چند واقعات اس اذان کے متعلق لکھتے ہیں جو بزمانہ معاویہ واقع ہوئے اور مورخوں نے بہت بچ بچا کر اُن کو لکھا ہے۔

پہلا واقعہ

منہال بن عمر راوی ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ سے خواہش کی کہ منبر پر جا کر کچھ بیان کریں حضرت امام حسنؑ نے بعد حمد و ثنا فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے جو نہ پہچانتا ہو اس کو میں بتاتا ہوں کہ میرا وطن مکہ و منیٰ ہے اور میں فرزند (صاحب) مروہ و صفا ہوں۔ میں فرزند نبی مصطفےٰؐ ہوں۔ میں فرزند ہوں فاطمہ سیدۃ النساء کا میں فرزند ہوں اُن کا جو ہر عیب و نقص سے بری اور پاک و پاکیزہ ہیں۔ ابھی حضرت کا خطبہ یہیں تک پہونچا تھا کہ موذن نے اذان شروع کی جب اس نے اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ کہا تو جناب امام حسنؑ نے فرمایا اے معاویہ بتا محمدؐ تیرے باپ ہیں یا میرے اگر تونے انکار کیا اُن کے میرے باپ ہونے سے تو کافر ہوا اور اگر اقرار کیا تو قائل ہوا۔ قریش والے عرب والوں پر فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم سے ہیں اور عجم والے اہل عرب کے اس فخر کا اعتراف کرتے ہیں کہ محمدؐ اُن سے تھے کتنی حیرت کی بات ہے عرب والے ہمارے حق لوگوں سے طلب کرتے ہیں مگر خود ہمارا حق ہم کو نہیں دیتے۔"

اس قسم کی فرمائش معاویہ نے جو امام حسنؑ سے کی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امام حسن بوجہ حسن اخلاق بہت کم سخن تھے۔ عمر و عاص مغیرہ وغیرہ نے معاویہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ مجمع عام میں امام حسنؑ کو تقریر کرنے کی صلاحیت نہیں ان سے اگر مجمع میں تقریر کرائی جائے تو ان کی عاجزی تمام عالم پر ظاہر ہوگی اور سب جان جائیں گے کہ ان میں خلافت کی قابلیت نہیں لہذا تمہارا یہ عیب کہ بزور خلافت لی ہے کچھ کم ہو جائے گا اسی وجہ سے اکثر کتب تواریخ و کتب ادب میں امام حسنؑ کے ایسے خطبے منقول ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ معاویہ ایسے نہ تھے کہ امام حسنؑ سے تقریر کرنے کی فرمائش کریں۔ اصلی غرض وہی تھی کہ لوگوں پر حضرت کی عاجزی ظاہر ہو کیونکہ قادر الکلامی بھی خلافت کے اعلیٰ صفات سے ہے اور بالخصوص عرب میں تو یہ اعلیٰ درجہ کا وصف پایا جاتا ہے۔

اس قسم کے خطبے اور واقعات اگر ذکر کئے جائیں تو ایک ضخیم جلد اسی کے متعلق تیار ہو جائے کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ معاویہ مغیرہ عتبہ وغیرہ نے مل مل کر کلام کیا ہے اور سب کا جواب امام نے دیا ہے مگر صرف ایک مختصر خطبہ ثمرۃ الاوراق سے لکھا جاتا ہے جو تفریح طبع کے لئے کافی ہے کہ امام حسنؑ نے کن مختصر الفاظ میں حق و باطل کا فیصلہ کیا ہے۔

"جب معاویہ مدینہ میں داخل ہوئے تو منبر پر جا کر جناب امیرؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کو گالیاں دیں جس پر

جناب امام حسنؑ نے کھڑے ہو کر بعد حمد وصلوٰۃ فرمایا "خدا نے جب کسی پیغمبر کو بھیجا ہے تو اس کے لئے بدکاروں سے ایک دشمن بھی بنایا لیس میں فرزند علی ہوں اور تو فرزند صخر تیری ماں ہندہ ہے میری ماں فاطمہ زہرا تیری دادی قتیلہ ہے میری جدہ خدیجہ اب خدا لعنت کرے اس پر جو ہم دونوں میں سب سے زیادہ نسب میں لئیم ہو گمنام ہو اور کفر و نفاق میں زیادہ ہو جس پر ہر طرف سے اہل مسجد نے آواز آمین بلند کی اور معاویہ منبر چھوڑ کر گھر میں جا چھپے (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف ص۱۲۱)

دوسرا واقعہ

ایک روز امام حسینؑ مجلس یزید بن معاویہ میں تشریف لائے تو یزید نے اپنے مفاخر بیان کرنا شروع کئے کہ ہم میں یہ فخر و شرف ہے ہم لوگ ایسے ہیں ویسے ہیں امام حسینؑ خاموش تھے کہ موذن نے اذان شروع کی جب اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا تو امام حسینؑ نے فرمایا اے یزید یہ محمد کس کے جد ہیں جس پر یزید شرمندہ ہوا اور کچھ جواب نہ دے سکا (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف ص۱۲۱)

اس واقعہ کو خلافت معاویہ سے اس وجہ سے تعلق ہے کہ امام حسینؑ اور یزید کی ملاقات معاویہ کی خلافت ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ معاویہ کے مرنے کے بعد نہ امام حسینؑ شام تشریف لے گئے نہ یزید مدینہ آیا جو ملاقات ہوتی۔

تیسرا واقعہ

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں۔

"خلیفہ مامون رشید نے سنہ ۲۱۲ھ میں منادی کرائی کہ اس شخص کو امان نہیں ہے جو معاویہ کو بھلائی کے ساتھ یاد کرے یا کسی صحابی پر اسے فضیلت دے اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آخر کس سبب سے مامون نے یہ منادی کرائی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ مامون کے کسی مصاحب نے مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کے واسطے سے یہ روایت مامون سے بیان کی (اس روایت کو زبیر بن بکار نے بھی اپنی کتاب موفقیات میں درج کیا ہے) کہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ ایک دفعہ معاویہ کے ہاں گیا۔ چونکہ مغیرہ کی دوستی تھی معاویہ سے اس لئے اُن کی آمد و رفت برابر وہاں رہتی اور وہ ہمیشہ اس کی مدح و ثنا کرتے اور اس کی عقل و تدبر کی تعریفیں کرتے ایک رات جو معاویہ کے پاس سے واپس آئے تو نہایت ہی محزون و مغموم تھے مارے رنج کے کھانا بھی نہ کھایا مجھے خیال ہوا کہ شاید ہم لوگوں کے بارے میں یا ہماری حکومت کے بارے میں کوئی بات واقع ہو گئی ہے (کیونکہ مغیرہ معاویہ کی طرف سے کوفہ وغیرہ کا حاکم بھی تھا) میں نے

پوچھا کہ آج آپ کو کس بات کا اس قدر غم ہے تو مغیرہ نے جواب دیا کہ اس وقت میں خبیث ترین مردم کے پاس سے آرہا ہوں میں نے پوچھا واقعہ کیا ہے مغیرہ نے کہا آج میں نے تخلیہ میں معاویہ سے کہا آپ کی کل آرزوئیں پوری ہوئیں اب تو رحم کرنا چاہیئے کیونکہ آپ کا کافی سن ہو چکا بنی ہاشم پر جو آپکے بھائی ہیں نظر کیجئے اور صلہ رحم کا حق ادا کیجئے کہ خدا کی قسم اب ان کے پاس کوئی چیز ایسی باقی نہیں بچی جس سے آپ کو خطرہ محسوس ہو۔ معاویہ نے جواب دیا افسوس افسوس (ایسا نہیں ہوسکتا) قبیلہ تیم والے (یعنی ابوبکر) نے بادشاہی کی اور عدل وانصاف سب کچھ کیا مگر مرجانے پر اُن کا نام بھی مر گیا اسی طرح قبیلہ عدی والے (یعنی عمر) نے بھی حکومت و دولت پائی اور سب کچھ کیا مگر مرجانے پر اُن کا بھی نام مٹ گیا آج کوئی انھیں یاد نہیں کرتا اسی طرح میرے بھائی (عثمان) نے بھی سلطنت کی خاندانی عزت وشرف کے لحاظ سے اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا اور انھوں نے جو کارنامے انجام دیے سو انجام دیے مگر ان کے مرنے کے ساتھ ان کا ذکر بھی ختم ہوگیا کوئی نام بھی نہیں لیتا مگر یہ ہاشم والا (یعنی حضرت محمد مصطفےٰؐ) اس کا نام ہر دن پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے اشھد ان محمدا رسول اللہ اب بتاؤ اس ناموری کا بھلا کوئی مقابلہ کرسکتا ہے اس عمل کے ساتھ کس کا عمل باقی رہ سکتا ہے۔ تمہاری ماں مرے خدا کی قسم اب تو یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اسی نام کو مٹا ڈالیں۔

یہ روایت جب مامون رشید نے سُنی تو حکم دیا کہ اس مضمون کا پروانہ تمام ملک میں جاری کیا جائے کہ کوئی معاویہ کو بخیر وخوبی یاد نہ کرے اور منبروں پر لعنت کی جائے اس فرمان کی وجہ سے رعایا میں بڑی شورش پیدا ہوئی آخر مامون رشید کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل ص۵ جلد ۹)

اس مضمون کو علامہ شہر ابن آشوب نے بھی مثالب میں لکھا ہے مگر نہایت مختصر طور پر ان کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک روز میں معاویہ کے پاس گیا جب اذان ہونے لگی تو موذن نے کہا اللہ اکبر معاویہ نے بھی اللہ اکبر کہا اسی طرح اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کو بھی معاویہ نے دہرایا جب موذن نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا تو معاویہ نے گردن جھکالی اور کچھ دیر کے بعد کہا اے پسر عبد اللہ (خطاب ہے طرف رسول اللہؐ کے) کس قدر تیری ہمت بلند تھی کہ تو نے اپنے نام کو خدا کے نام سے ملا دیا۔

معاویہ کے یہ خیالات ذاتی نہ تھے بلکہ موروثی تھے معاویہ کے باپ ابوسفیان کے بھی ہمیشہ ایسے ہی خیالات رہے چنانچہ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے۔

"ایک صحبت میں ابوسفیان بھی تھے جب کہ آنکھیں اُن کی جا چکی تھیں اور مجمع میں حضرت علیؑ بھی

لکھتے کہ موذن نے اذان شروع کی جب اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا تو ابوسفیان نے کہا یہاں کوئی غیر تو نہیں ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ نہیں تو ابوسفیان نے کہا خدا بھلا کرے اس ہاشمی (یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ) کا دیکھو کہ اپنا نام کہاں رکھا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا خدا تیری آنکھوں کو گرم کرے خود خداوند عالم نے حضرتؐ کو یہ عزت دی چنانچہ ارشاد فرمایا ورفعنا لک ذکرک۔ ابوسفیان نے کہا خدا اس کی آنکھ کو گرم کرے جس نے یہ کہا کہ یہاں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا خوف کیا جائے۔

علامہ جاحظ رسالہ مفاخرۃ بنی ھاشم و بنی امیہ میں لکھتے ہیں۔

"ہم لوگ جانتے ہیں کہ ابوسفیان کس درجہ رسول اللہؐ کا دشمن تھا اور کس طرح لڑائیاں لڑا اور آپ کے خلاف معاندانہ کوششیں کیں اور کس طرح لوگوں کو آمادہ کیا حضرتؐ کی دشمنی پر اور اسی طرح حضرتؐ نے بھی کس کس طرح اس سے جہاد کیا۔ ہم کو ابوسفیان کا اسلام بھی معلوم ہے جب وہ اسلام لایا اور اس کا اخلاص بھی معلوم ہے اور فتح مکہ کے روز جب لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھی تو جو کچھ اس موقع پر عباس عم پیغمبر سے کہا وہ بھی معلوم ہے (حضرت عباس سے ابوسفیان نے کہا تھا تمہارا بھتیجا تو بڑا زبردست بادشاہ بن گیا) پھر جو کلمہ بروز حنین کہا وہ بھی معلوم ہے الان بطل سحر محمد اب محمدؐ کا جادو باطل ہوگیا اور وہ کلمہ بھی معلوم ہے جو ابوسفیان نے اس وقت کہا جب بلال نے بالائے خانہ کعبہ اذان کہی"۔

روضۃ الصفا کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

"جب نماز کا وقت آیا پیغمبرؐ خدا نے بلال کو حکم دیا کہ بالائے خانہ کعبہ نماز کے لئے اذان کہیں جب مشرکوں نے بلال کی آواز سُنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے جیسے ابوجہل کے بھائی ہشام۔ حکم بن ابی العاص (حضرت عثمان کے چچا اور مروان کے باپ) نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے ابوسفیان بن حرب بھی اس مجمع میں موجود تھا اس نے کہا میں کچھ نہیں کہتا اگر میں کچھ بھی کہوں گا تو یقین ہے کہ یہ سنگریزے محمدؐ کو اس کی خبر کر دیں گے۔ جبریل امین نازل ہوئے اور انھوں نے ان مشرکین کی گفتگو پیغمبرؐ سے بیان کی پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو طلب کیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ تم نے کیا بات ابھی کہی تھی سب شرمندہ ہوئے اور زبان پر کلمہ توحید جاری کیا ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا اس پر رسول اللہؐ ہنس پڑے۔ (روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۸۷)

محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

ایک روایت میں ہے کہ جن لوگوں نے پیغمبرؐ کی شان میں کلمات ناسزا کہے تھے اُن میں ابوسفیان بھی تھا جس نے کہا تھا کہ میں جو کچھ کہوں گا یہ سنگریزے محمدؐ کو اس کی خبر دینگے اور جب آں حضرتؐ نے ان لوگوں سے بازپرس کی اور اُنکی کہی ہوئی باتیں دہرائیں تو ابوسفیان نے کہا میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی پیغمبرِ خدا مسکرائے اور آپنے تصدیق فرمائی۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابوسفیان کے دل میں ایمان نے جگہ پائی تھی اس کا اسلام اچھا ہوگیا تھا جو لوگ کہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان میں سے بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اچھا ہوگیا تھا اور بعض کے متعلق علماء نے اختلاف کیا۔ بہرصورت ان لوگوں کو جو مکہ کی فتح کے دن مسلمان ہوئے تھے مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے اس لفظ کے معنی اور ان لوگوں کا حال غزوہ حنین اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت واضح ہوا معاویہ ابوسفیان کے بیٹے بھی انھیں لوگوں میں تھے جو بروز فتح مکہ مسلمان ہوئے اور جو مؤلفۃ القلوب میں شمار کیے جاتے ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان سے پہلے اور آں حضرتؐ کی تشریف آوری مکہ سے قبل مسلمان ہوئے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت مکہ تشریف لے جارہے تو معاویہ راستہ میں آکر ملے اور مسلمان ہوئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

حیرت ہے کہ ابوسفیان کی جس بات پر علامہ جاحظ کو اُسکے اسلام میں کلام ہے اسی کو محقق دہلوی اسکے ایمان کی دلیل قرار دے رہے ہیں حالانکہ خود محقق دہلوی کی عبارت اور پیغمبرِ خداؐ کا تبسم بتا رہا ہے کہ ابوسفیان کا خاموش رہ جانا کیوں تھا اور اُس کا اسلام کیسا تھا یہی وجہ ہو کہ جن لوگوں نے وہ کلمات ناسزا کہے تھے وہ سب آخر میں مشرف بہ اسلام ہوگئے مگر یہ ابوسفیان اپنی حالت پر باقی رہا۔ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں :۔

پیغمبرِ خدا ان کے پاس آئے اور فرمایا تم لوگوں نے جو باتیں کہیں وہ مجھے معلوم ہوگئیں پھر آں حضرتؐ نے اُن کے فقرے دہرائے۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں خدا کی قسم ہمارے علاوہ کوئی اور ان باتوں کے وقت موجود بھی نہ تھا جس کے متعلق ہم کہہ سکیں کہ اسی نے آپ کو خبر دی ہوگی۔

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۷)

برخلاف ابوسفیان کے کہ وہ بھی جانتا تھا کہ کسی نے بھی پیغمبرِ خدا کو ان باتوں سے آگاہ نہیں کیا بلکہ یہ وحی تھی جس نے نازل ہوکر پیغمبرؐ کو ان لوگوں کی باتیں بتادی تھیں پھر بھی وہ اسلام نہ لایا۔ یہ نفاق استکام تے دم تک باقی رہا چنانچہ خود اُس نے حضرت عثمان سے اُن کی ابتدائے خلافت کے زمانہ میں کہا تھا۔

"اے فرزندانِ اُمیہ اس خلافت سے اس طرح کھیلو جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں قسم اسکی جس کی ابوسفیان قسم کھاتا ہے کہ نہ عذاب ہے، نہ حساب، نہ جنت ہے نہ جہنم نہ پھر زندہ ہونا نہ قیامت"

یہ فقرہ اُس کے کفر و نفاق کا صریحی ثبوت ہے چنانچہ مدارج النبوۃ وغیرہ میں بھی اسکی تفصیل موجود ہے۔

محقق دہلوی لکھتے ہیں :۔

"استیعاب میں علامہ ابوعمرو نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی ابوسفیان

منافقوں کا پشت پناہ بنا رہا زمانہ جاہلیت میں یہ زندیق مشہور تھا حسن بصری سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ابو سفیان اُنکے پاس آیا اسکی آنکھیں جاچکی تھیں اُس نے کہا قبیلہ تیم وعدی (یعنی ابوبکر و عمر) کے بعد خلافت تم تک پہونچی ہے اسے بنی اُمیہ کے لڑکوں میں گھماؤ پھراؤ یہ تو بادشاہت ہے میں نہ جنت جانتا ہوں نہ جہنم الخ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۷۶ مطبوعہ مطبع ناصری دہلی)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان جو اسی نبوت و رسالت کی خلافت کا مدعی ہے کہتا ہے کہ۔

کس حد تک ہمت بلند تھی تیری اے پسر عبداللہ کہ تو نے اپنا نام خدا سے ملادیا۔

یہ فقرہ اس کا صریحی ثبوت ہے کہ اُسکو حضرت کی نبوت کا اقرار نہ تھا۔ اس پر بھی معاویہ کے احکام کا شریعت محمدیہ کے باب میں قبول کیا جاتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔

خلافت یزید بن معاویہ

اس خلافت میں مجھے اذان کے متعلق کوئی نیا تغیر نہیں ملا مگر اذان کا تعلق بھی اس سے نہیں چھوٹا۔

پہلا واقعہ

بروز عاشورہ جب معرکہ کا رزار گرم ہوا اور ۲۷ رفقائے حسینی میں سے ۵۰ سے زیادہ شہید ہوچکے۔ تب ابو ثمامہ صیداوی نے خدمت میں عرض کی اے سید و آقا ہمارے ظہر و عصر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھ لیجیے کہ ہمارا خیال ہے یہ آخری نماز ہوگی جو ہم آپکے ساتھ پڑھیں گے ہم خدا سے ملیں تو اس حالت سے ملیں کہ اُسکے فریضہ سے فارغ ہوں پس اذان کہی اور اقامت تمام انصار نماز کے لیے کھڑے ہو گئے حالانکہ اُس وقت دشمن مسلسل تیر بارانی کر رہے تھے۔ امام حسینؑ نے کہا وائے ہو تم لوگوں پر کیا تم لوگ لڑائی سے اتنی دیر بھی رُک نہیں سکتے کہ ہم لوگ نماز پڑھ لیں، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا سوا حصین بن نمیر کے کہ اس نے کہا حسین تمھاری نماز قبول نہ ہوگی حبیب بن مظاہر نے کہا فرزند رسولؐ کی نماز تو قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی۔

اسکے بعد حضرت حبیب بغرض جنگ دوڑ پڑے اور رجز کے اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے حصین پر حملہ کیا اور ایسا وار لگایا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر اُسکے ہمراہیوں نے اُسے بچا لیا حبیب بن مظاہر یوں ہی لڑتے رہے اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے امام مظلوم نے فرمایا خدا رحمت نازل کرے تم پر اے حبیب کہ ایک رات میں تم قرآن ختم کرتے تھے اور صاحب فضل و شرف تھے۔ زہیر بن قین نے عرض کی مولا کیا وجہ ہے کہ عباس و حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے بعد آپکے چہرہ سے آثار شکستگی ظاہر ہیں کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا کہ قسم ہے حق کی کہ ہم حق پر ہیں اور محق ہیں زہیر نے عرض کی پھر ہم لوگوں کی شہادت سے آپ کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں حالانکہ ہم شہید ہو کر داخل جنت و نعمات جنت ہوتے ہیں اسکے بعد زہیر نے لشکر اعدا پر حملہ کیا

ساتھ ہی رجز پڑھتے جاتے تھے۔ ۷۰ سواروں کو قتل کر کے زہیر پھر آئے اور نماز جماعت امام کے ساتھ ادا کی اور کہا۔

اے میری قوم والو! کیا دیکھتے ہو یہ جنت ہے جس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور پھل اسکے تیار ہیں یہ رسول اللہ تشریف فرما ہیں اور دوسرے شہداء ہمارے قدوم کے مشتاق ہیں دین خدا کی حمایت کرو اور حُرمت فرزند رسُول کی نگہداشت کرو یہ کہہ کر پھر حملہ آور ہوئے اور پچاس سے زیادہ کافروں کو قتل کر کے راہی جنت ہوئے (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۸۶)

اس واقعہ کو تاریخ الاذان سے کئی وجوہ سے تعلق ہے ایک یہ کہ خلافت یزید بن معاویہ کا واقعہ ہے اور اس رسالہ میں التزام کیا گیا ہے کہ ہر ہر خلیفہ کے احکام اور تغیرات اور واقعات متعلق اذان درج کیے جائیں۔ **دوسرے** اسلام بلکہ تمام دنیا کی تواریخ میں یہ واقعہ انتہائی حیرت ناک ہے کہ فرزند رسُول اپنے خدا کی امت اور کلمہ گویوں سے نماز پڑھنے کی مہلت مانگے اور کوئی کلمہ گو اس کا روادار نہ ہو کہ مہلت نماز دی جائے ایک ساعت کے لئے بھی جنگ موقوف کی جائے **تیسرے** کمال بے حیائی یہ ہے کہ بعوض مہلت دینے کے یہ جواب دیا کہ اے حسین تمھاری نماز مقبول نہیں جس سے جہاں ان اشقیا کی کمال درجہ شقاوت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ کی خاص نماز تھی جو ان لوگوں کے عہد میں قابل قبول نہ تھی۔ **چوتھے** یہ کہ امام علیہ السلام نے اس حالت خوف کی نماز میں بھی اذان و اقامت فرمائی جو اُن کے پیروؤں کے لئے نہایت قابل غور اور لائق تقلید ہے اس سے معلوم ہوا کہ اذان و اقامت نماز کے لئے کتنی ضروری ہیں **پانچویں** یہ کہ ان یزیدی مسلمانوں نے اذان و اقامت کہنے پر بھی نماز پڑھنے نہ دی کہ اصحاب امام حسینؑ کو اسکے بعد لڑنا پڑا یہاں تک کہ حبیب بن مظاہر شہید ہوئے اور زہیر بن قین نے جب فوج کو مار کر بھگا دیا تب نماز پڑھنے پائے۔ **چھٹے** یہ معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ کے رفقا کیسے مومن کامل تھے کہ ایک شخص اُن کا تمام قرآن کو ایک رات میں تمام کرتا تھا۔ اور طرفداران یزید کون تھے شرابخوار و بدکار **ساتویں** یہ کہ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی گئی **آٹھویں** یہ کہ نماز جماعت ادا کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کیا عظیم ہے اب وہ لوگ غور کریں جو بلا سبب نماز جماعت سے پرہیز کرتے ہیں۔ **نویں** حبیب بن مظاہر کی غیرت و حمیت قابل غور ہے کہ محض اللہ ابن نمیر کی دریدہ دہنی پر اتنا غصہ آیا کہ اس سے انتقام لینے کو مقدم سمجھا **دسویں** ان لوگوں کا طالب حق ہونا کہ مطلوب اُن کا حق تھا چنانچہ امامؑ سے سوال کیا گیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جس پر امامؑ نے حق کی قسم کھائی جس سے معلوم ہوا کہ کس درجہ حق اُن پر واضح تھا اور کیسی حقیقت کے شائق تھے۔

غرض یہ واقعہ صرف تاریخ الاذان ہی سے عجیب نہیں ہے بلکہ تواریخ عالم میں عجیب و غریب ہے۔

دوسرا واقعہ

صاحب مناقب وغیرہ نے لکھا ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ منبر لایا جائے اور خطیب بلایا جائے تاکہ لوگوں سے حسینؑ اور اُن کے پدر بزرگوار کی برائیاں بیان کرے اور اُن کے افعال کی منقصت کرے پس خطیب بلائے منبر گیا اور حمد و ثنائے الٰہی کر کے علیؑ و حسینؑ کی حد سے زیادہ مذمت کی اور معاویہ و یزید کی جی کھول کر مدح و ثنا کی اور ہر خوبی

کے ساتھ ان دونوں کا ذکر کیا پس حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ نے پکار کر اُس سے فرمایا والے ہو تجھ پر اے تقریر کرنے والے تو نے خالق کو ناراض کر کے مخلوقات کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش اپنی جگہ آتش جہنم میں بنائی پھر آپ نے فرمایا اے یزید مجھے اجازت دے کہ میں اس منبر پر جا کر ایسے کلمات کہوں جن میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان حاضرین دربار کے لیئے ان کلمات کے سننے میں اجر و ثواب۔ یزید نے انکار کیا حاضرین دربار نے یزید سے کہا حضور انھیں اجازت دیجیئے کہ یہ منبر پر جائیں تاکہ ہم لوگ ان کا کچھ کلام سن سکیں یزید نے کہا اگر یہ منبر پر جائینگے تو بغیر مجھے رسوا کیئے اور آل ابو سفیان کو ذلیل کیئے نیچے نہ اُتر ینگے لوگوں نے کہا ان کو یہ قدرت کہاں کہ اچھی طرح کلام کر سکیں یزید نے کہا بے شک یہ ان اہل بیت سے ہیں جنھیں علم یوں بھرا یا گیا ہے جس طرح طائر اپنے بچے کو دانہ بھرا تا ہے راوی کہتا ہے کہ آخر یزید نے مجبور ہو کر اجازت دی اور وہ حضرتؑ منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ایسا خطبہ پڑھا جس سے آنکھیں گریاں اور دل تھرّا اُٹھے پھر فرمایا لوگو! ہمیں چھ چیزیں عطا ہوئی ہیں اور سات باتوں میں ہمیں فضیلت دی گئی ہے۔ ہمیں علم بردباری۔ کشادہ دلی۔ فصاحت۔ شجاعت اور مومنوں کے دلوں میں محبت دیگئی اور ہمیں اُس فضیلت دی گئی بسبب اسکے کہ پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ ہم ہی میں سے ہیں۔ ہم ہی میں سے صدّیق ہیں۔ ہم ہی میں سے طیّار ہیں ہم ہی میں سے اسد اللہ اور اسد رسول ہیں اور ہم ہی میں سے اس امت کے سبطین ہیں۔ جو مجھ کو پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا اُسے میں اپنے حسب و نسب سے آگاہ کرتا ہوں لوگو!

میں فرزند مکہ و منیٰ ہوں۔ میں فرزند زمزم و صفا ہوں۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے حجر اسود کو اپنی ردا میں اُٹھایا میں فرزند ہوں بہترین ان لوگوں کا جس نے حج میں لنگ باندھی اور ردا اوڑھی۔ میں فرزند ہوں اسکا جو نعلین پہننے والوں اور برہنہ پا چلنے والوں میں سب سے بہتر تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو طواف کرنے اور سعی کرنے والوں میں سب سے بہتر تھا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو حج اور لبیک کہنے والوں میں سب سے افضل تھا۔ میں اُس کا فرزند ہو جو براق پر سوار کیا گیا۔ میں اُسکا فرزند ہوں جو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ میں اُسکا فرزند ہوں جس کو جبرئیل نے سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچایا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو حجاب قدس سے انتہائی قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے ملائکہ آسمان کو نماز پڑہائی۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کی طرف رب جلیل نے وحی نازل کی۔ میں محمد مصطفےٰ کا فرزند ہوں۔ میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے خلائق کی ناکوں پر مارا یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الّا اللہ کے قائل ہوئے۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے پیغمبر خدا کے سامنے دو تلواروں سے جنگ کی دو نیزوں سے لڑائی لڑی دو ہجرتیں کیں دو بیعتیں رسُولؐ کے ہاتھ پر کیں۔ بدر و حنین میں یادگار جنگ کی اور چشم زدن کے لیئے بھی کافر نہ ہوا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو تمام مومنین سے نیکوکار اور تمام نبیوں کا وارث ملحدین کی گردنیں کاٹنے والا مسلمانوں کا سردار مجاہدوں کا نور عابدوں کی زینت۔ خوف خدا میں رونے والوں کا تاج تمام صابروں سے بڑھکر صابر اور آل یاسین کے عبادت گذاروں میں سب سے بڑا عبادت گذار تھا میں اُس کا فرزند ہوں جسکی تائید کی گئی

جبریل سے اور مدد کی گئی میکائیل سے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو محافظ تھا حرم مسلمین کا، جو قاتل تھا دین سے خارج ہونے اور شکست بیعت کرنے والوں کا جس نے جہاد کیا ناصبین اور دشمنان خدا سے جو تمام قریش میں سب سے زیادہ عزت دار و افتخار والا تھا جس نے مومنین میں سب سے پہلے خدا اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی جس نے اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کی جو سرکشوں کو تہس نہس کرنے والا اور مشرکین کو تباہ و برباد کرنے والا منافقین پر خدا کے تیروں میں سے ایک تیر اور حکمت عابدین کی زبان تھا جو دین خدا کا مددگار، خدا کا ولی حکمت خدا کا بستان اور اسکے علم کا خزینہ تھا جو انتہائی دریا دل سخی تمام خوبیوں کا مجسمہ، پاک و پاکیزہ۔ ابطحی۔ پسندیدہ دشمنوں پر بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا مبارک و مسعود صابر و ثابت قدم استوار کرنے والا دشمنوں کی صلب کا قاطع مشرکین کی جمعیت کو پراگندہ کرنے والا سب سے زیادہ جہاد میں مضبوط قلب قوی دل دھن کا پکا اور قابو میں نہ آنے والا بہادر تھا ایسے شیر کہ جنگی کی طرح پیس ڈالتے تھے دشمنوں کو معرکہ میں جس وقت مجتمع ہوتی تھی سنانیں اور قریب ہوتی تھیں عنانیں اور متفرق و پراگندہ کر دیتے تھے انھیں جس طرح تیز ہوا خس و خاشاک کو پراگندہ کر دیتی ہے جو حجاز کے شیر عراق کے سید سردار مکی، مدنی، حنفی، عقبی، بدری، احدی اور مہاجری تھے اہل عرب کے سردار اور معرکہ جنگ میں ان کے شیر مشعرین کے وارث سبطین پیغمبر حسنؑ و حسینؑ کے والد ماجد وہ تھے میرے دادا علیؑ ابن ابی طالبؑ۔

پھر فرمایا:۔ میں ہوں فرزند فاطمہ زہرا کا میں ہوں فرزند سیدہ نساء کا۔ اسی طرح مسلسل آپ فرماتے رہے میں ہوں .... میں ہوں .... یہاں تک کہ لوگوں نے چیخیں مار کے رونا شروع کیا یزید یہ ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ اس نے مؤذن کو اذان کا حکم دیکر حضرت کا کلام قطع کر دیا۔ مؤذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر امام نے فرمایا کوئی شئے اللہ سے بزرگتر نہیں پھر جب مؤذن نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ امام نے فرمایا میرے بال میری جلد بدن میرا گوشت میرا خون اسکی گواہی دیتا ہے۔ پھر جب مؤذن نے کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ آپ یزید کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے یزید یہ محمدؐ تیرے جد تھے یا میرے اگر تو نے یہ دعوی کیا کہ تیرے جد تھے تو تو نے جھوٹ کہا اور کفر کیا اور اگر کہے کہ میرے جد تھے پھر کیوں تو نے اُن کی اولاد کو قتل کیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ مؤذن نے اذان تمام کی اقامت کہی یزید نے ظہر کی نماز پڑھی۔

صاحب مناقب بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یزید کے دربار میں علمائے یہود سے ایک عالم بھی موجود تھا اس نے یزید سے پوچھا حضور یہ کون لڑکا ہے یزید نے کہا یہ علی بن الحسین ہیں اس نے پوچھا حسین کون یزید نے کہا علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند اس نے پوچھا حسینؑ کی ماں کون تھیں یزید نے کہا فاطمہ دختر پیغمبر اس یہودی عالم نے کہا سبحان اللہ تو حسین تمہارے نبی کے نواسے تھے جن کو تم لوگوں نے اتنا جلد قتل کر ڈالا۔ تم لوگوں نے اپنے نبی کے بعد اُنکی اولاد کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کیا۔ خدا کی قسم اگر جناب

موسیٰ ہم لوگوں کے درمیان اپنی کوئی صلبی اولاد چھوڑ جاتے تو ہمارا خیال ہے کہ ہم سب خدا کے بعد اُسی کی پرستش کرتے ابھی کل تمھارے نبی نے انتقال کیا اور تم لوگ اُن کے فرزند پر ٹوٹ پڑے اور اُنکو قتل کر ڈالا کتنی بُری اُمّت ہو تم لوگ۔ یزید نے اس یہودی کے متعلق اپنے آدمیوں کو حکم دیا جس کی بنا پر تین مرتبہ اس کا گلا گھونٹا گیا وہ عالم یہ کہتا ہوا اٹھا کہ تم لوگ مجھ کو مارو چاہے قتل کر ڈالو یا مجھے چھوڑ ہی دو۔ میں اپنی توریت میں پاتا ہوں کہ جو شخص کسی نبی کی ذریت کو قتل کریگا جب تک زندہ رہے گا اُس پر لعنت ہوتی رہے گی اور جب مرجائے گا خداوند عالم آتش جہنم میں داخل کرے گا۔

اس واقعہ کو شیخ ابو اسحاق اسفرائنی نے جو اکابر علمائے اہلسنت سے ہیں اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسینؑ میں معمولی اختلاف کے ساتھ لکھا ہے امام زین العابدینؑ کا خطبہ درج کرنے کے بعد علاّمہ اسفرائنی لکھتے ہیں:۔

"راوی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق عؑ نے فرمایا۔ جب یہ خطبہ مسلمانوں نے سُنا تو لوگوں نے ڈاڑھیں مار کر رونا شروع کیا یزید نے چاہا کہ کسی طرح امام زین العابدینؑ کی یہ تقریر قطع ہو جائے اُس نے اپنے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان کہے اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الٰہ الاّ اللہ کے بعد مؤذن نے اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو امامؑ نے قسم دے کر اُس کو چپ کرایا اور یزید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے یزید یہ محمدؐ تیرے جد ہیں یا میرے اگر میرے جد ہونے کا اقرار کیا تو سچ کہا اور اگر اپنا جد کہا تو تو نے جھوٹ کہا یزید نے اقرار کیا کہ نہیں بلکہ آپ کے جد ہیں تب حضرتؑ نے کہا پھر کیوں تو نے اُن کی اولاد کو قتل کیا اور اُنکے اہلبیتؑ کو اسیر کیا۔ یزید ساکت ہو گیا اور تمام مجمع میں شور گریہ بلند ہوا اور سب نے کہا یہ اسلام میں نہایت سخت مصیبت ہے۔ اُس وقت یزید کو خوف ہوا کہ کہیں مجمع ان کا طرفدار نہ ہو جائے اور لوگ مجھے قتل نہ کر ڈالیں اُس نے کہا لوگو! تم خیال کرتے ہو کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا ہے خدا لعنت کرے اُن کے قاتل پر۔ اُن کا قاتل عبید اللہ بن زیاد ہے جو ہماری طرف سے بصرہ کا عامل ہے اسکے بعد یزید نے حکم دیا کہ جو لوگ سرہائے شہداء لائے ہیں اُن کو بُلا کر گواہی لو اور پوچھو جب سب طلب ہوئے تو پہلے شبث بن ربعی سے پوچھا گیا اُس نے کہا تو نے حکم نہیں دیا تھا خدا قاتل حسینؑ پر لعنت کرے یہ گواھیاں جب سلسلہ وار حصین بن نمیر تک پہونچیں تو اُس نے بھی پہلے یہی کہا پھر یزید سے کہا کیا تو واقعی چاہتا ہے کہ میں بتاؤں کس نے حسینؑ کو قتل کیا یزید نے کہا ہاں حصین نے کہا تو ہمیں امان دو یزید نے کہا تمھیں امان دی جاتی ہے حصین نے کہا امیر یہ سمجھ لے کہ جس نے لشکر مرتب کئے نشان مقرر کئے مال و دولت خرچ کی فرامین بھیجے وعدہ وعید کئے وہی قاتل حسینؑ ہے یزید نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ حصین بن نمیر کہا تو، یہ جملہ سُن کر یزید غضبناک ہوا اور اپنے حرم سرا میں چلا گیا"

اذان کے متعلق یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جبکہ امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے تھے حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ نے جناب سکینہؑ کے مقابلہ میں ایک مرتبہ فخر کیا کہ میں شہید کی بیٹی ہوں اس پر جناب سکینہؑ خاموش ہو رہیں جب مؤذن نے اذان شروع کی اور اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو حضرت سکینہؑ نے عثمان کی بیٹی سے کہا یہ محمدؐ میرے جد ہیں

یا تیرے؟ دختر عثمان نے کہا اب کبھی میں آپ کے مقابلہ میں فخر نہ کروں گی۔

یہ روایت ہمیں کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی اس لیئے ہم نے مختصر ذکر کیا۔

تیسرا واقعہ

اس کے لیئے میں کوئی زمانہ نہیں معین کر سکتا یہاں یزید کا ایک شعر لکھا جاتا ہے جس میں اُس نے اذان کا ذکر کیا ہے یزید کے ان اشعار سے عام طور پر علمائے اہلسنّت نے یزید کے کفر و فسق پر استدلال کیا ہے وہ شعر یہ ہے:۔

شغلتنی نغمۃ العیدان — عن صوت الاذان

اس شعر کے ساتھ چند اشعار اور ہیں:۔

معشر الندمان قوموا — واسمعوا صوت الاغانی

واشربوا کاس کل مدام — واترکوا ذکر المعانی

شغلتنی نغمۃ العیدان — عن صوت الاذان

وتعوضت عن الحور — عجوزا فی الزمان

اے ہمنشینو! اُٹھ بیٹھو گانے کی آواز سنو۔ ہر جام شراب پیو اور بزرگیوں کا ذکر رہنے دو۔ ستار کی آواز نے مجھے اذان کی آواز سے بے پروا کر دیا۔ حور کے بدلے مجھے زمانہ کی بڑھیا نصیب ہو گئی

یزید کے اس قسم کے بے شمار اشعار ہیں جن سے اُسکی کمال درجہ کی بے دینی بلکہ قطعی کفر ثابت ہے چنانچہ ابن الجوزی حنبلی اپنے رسالہ رد المتعصب العنید میں لکھتے ہیں:۔

جب سر مبارک امام حسینؑ کا یزید کے سامنے لایا گیا تو اُس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار بطور مثل پڑھے:۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا — جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا واستھلوا فرحا — ثم قالوا لی یزید لا تشل

جو شیوخ ہمارے بروز بدر قتل ہوئے کاش آج زندہ ہوتے اور خزرج والوں کا نیزوں کے وار سے گھبرانا دیکھتے وہ یہ منظر دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑتے اور کہتے کہ تمہارے ہاتھ شل نہ ہوں۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ:۔

یزید نے ان اشعار میں پورے طور پر اپنا نفاق ظاہر کیا جس سے تمام رعایا اور اہل لشکر نے اسکی ملامت کی یہ اشعار وہ ہیں جنھیں ابن الزبعری نے واقعہ بدر و احد کے متعلق نظم کیا تھا کیونکہ جنگ بدر میں بہت سے مشرکین و کفار مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور جنگ احد میں بہت سے مسلمان کافروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اسی کو ابن الزبعری نے نظم کیا ہے اور یزید نے ان اشعار کو شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق پڑھا جو اُس کی رسوائی و ذلت کے لیئے

کافی ہے۔ تمام ہوا کلام مجاہد؟

ان اشعار کی ابتدا ان اشعار سے ہے۔

لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل

لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل

بنی ہاشم نے حکومت کا ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ کوئی خبر آئی اور نہ وحی نازل ہوئی۔

میں خندف کا جنا نہیں اگر احمد کی اولاد سے ان کے کرتوت کا بدلہ نہ لوں۔

یزید کا یہ اشعار پڑھنا بین ثبوت ہے اس کا کہ یزید کا بھی وہی عقیدہ تھا جو اُس کے دادا ابوسفیان کا تھا کہ نہ رسالت ہے نہ نبوت نہ وحی کا نزول ہوا صرف ملک گیری کے لیئے یہ سب کچھ کیا گیا۔

علامہ ابن عبدربہ قرطبی نے اپنی کتاب عقد فرید میں ان اشعار کو واقعہ حرا کے متعلق لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

مسلم ابن عقبہ افواج شام کے سپہ سالار نے اہل مدینہ کے سر یزید کے پاس بھیجے جب وہ سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار لیت اشیاخی الخ بطور مثل پڑھنا شروع کیئے۔

صحابہ پیغمبرؐ سے ایک شخص نے کہا تم مرتد ہو گئے اسلام سے اے امیر المومنین۔

یزید نے کہا ہاں ہم استغفار کر لیں گے۔

اس صحابی نے قسم کھائی کہ اب ہم کبھی اس جگہ نہ رہیں گے جہاں تم رہو گے یہ کہہ کر وہاں سے باہر چلے گئے۔ (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

حیرت ہے کہ صحابی رسولؐ اُسکو مرتد بھی جانتے تھے اور وہ بھی اپنے ارتداد کا اقرار کرتا ہے پھر بھی امیر المومنین کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں افسوس!!!

جب اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ دمشق میں پہونچا تو اُس وقت یزید اپنے محل جیروں میں تھا جو جامع اموی کی راہ میں ہے یزید نے قافلہ کے آنے کی خبر سن کر یہ اشعار پڑھے۔

لما بدت تلک الحمول واشرفت تلک الشموس علی ربی جیرون

نعب الغراب فقلت نح اولا تنح فلقد قضیت من النبیؐ دیونی

جب وہ سواریاں ظاہر ہوئیں اور اُن آفتابوں کی شعائیں قصر جیرون کی چوٹیوں پر پڑیں۔

تو کوے نے چیخ کر سنائی، میں نے کہا نوحہ کر یا نوحہ نہ کر میں نے تو پیغمبر سے اپنے قرضے چکا لیئے۔

تذکرہ میں ہے قال الزہری لما جائت الرؤس کان یزید فی منظرۃ علی جیرون فانشد لنفسہ لما بدت الخ

زہری کا بیان ہے کہ جب سرہائے شہدا آئے تو اس وقت یزید جیرون کے جھروکہ میں تھا اس نے یہ اشعار پڑھے لما بدت الخ جب وہ سواریاں آتی نظر پڑیں۔"

جس سے صاف معلوم ہوا کہ یزید پیغمبر خدا کو اپنے مقتولین کے خون کا مقروض سمجھتا تھا کہ سرہائے شہدا دیکھ کر کہتا ہے آج میں نے رسول سے اپنا قرضہ وصول کر لیا۔

اس قسم کے اشعار جن میں یزید نے کفریات بکے ہیں اگر لکھے جائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے لہذا اختصار مناسب ہے۔ اس اذان کے متعلق ابوسفیان۔ معاویہ۔ یزید کے خیالات ظاہر ہو چکے ناظرین ان اشعار کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ گھرانا مسلمان تھا یا کافر۔

خلافت عبداللہ بن الزبیر

اگرچہ اس کی ابتدا یزید کی خلافت سے ہے مگر مانی گئی بعد یزید کے۔ ان کی خلافت کے متعلق اس قدر تو اکثر تاریخوں میں ملتا ہے کہ چالیس روز تک پیغمبر خدا کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا۔ ابن الزبیر نہ حضرت کا نام لیتے نہ درود و سلام کہتے اس لئے کہ اس نام نامی سے بنی ہاشم کو ایک طرح کی خوشی ہوتی تھی جس سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اذان سے بھی حضرت کا نام نکال دیا گیا ہوگا مگر کسی روایت میں ابھی اس کی تصریح نہیں دیکھی گئی۔ ہاں ابن الزبیر کی نسبت یہ بھی مذکور ہے کہ وامّن الزبیر ومن وراءہ حتی ان المسجد لیعنی ابن زبیر نے نماز میں آمین کی اور ان لوگوں نے جو ان کے پیچھے تھے یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی (صبابۃ المقتصدین) اور آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ اس ایجاد کی نسبت ابوہریرہ کی طرف ہے جو زمانہ معاویہ میں مروان حاکم مدینہ کے موذن تھے۔

خلافت مروان

یہ خلافت درمیان خلافت ابن الزبیر اور عبدالملک قرار پائی جو حیثیت خلافت بھی نہیں قبول کی گئی تاہم اس کے آثار اذان کے متعلق اب تک موجود ہیں کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عیدین کا خطبہ مقدم کرنے والوں میں مروان کا نام بھی حضرت عثمان اور معاویہ کے ساتھ لیا جاتا ہے مزید براں آمین کے مسئلہ میں بھی اس مروان کا نام آتا ہے چنانچہ حافظ احمد علی صاحب حاشیہ بخاری میں عمدۃ القاری سے نقل کرتے ہیں۔

"ابوہریرہ موذن تھے مروان کے اور شرط کی تھی کہ مروان ولا الضالین اس وقت کہے جب اسے معلوم ہو جائے کہ ابوہریرہ بھی داخل نماز ہو گئے ہیں جب مروان ولا الضالین کہتا تو ابوہریرہ باواز بلند آمین کہتے اور کہا کرتے کہ زمین والوں کا آمین کہنا جب آسمان والوں کے آمین کے موافق ہوتا ہے تو وہ لوگ بخش دیے جاتے ہیں۔"

یہ مسئلہ بھی عجیب اختلافی مسائل سے ہے جس میں حنفیوں اور اہلحدیث نے اس قدر اختلاف کیا ہے کہ شاید ہی کوئی ان اختلافات سے ناواقف ہو حالانکہ اصلیت اسی قدر معلوم ہوتی کہ محض اس غرض سے کہ مروان بغیر میرے نماز میں شریک ہوئے کہیں رکوع میں نہ چلا جائے ابوہریرہ یہ لفظ آمین کہتے تھے اس کو صحابہ پرستوں نے نماز کا ایک رکن تصور کر لیا حالانکہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔

ایک روایت اور ابوہریرہ سے منقول ہے کہ وہ موذن تھے اور امام سے شرط کی تھی کہ جب تک میں نماز میں نہ شریک ہو جاؤں ولا الضالین نہ کہے شاید وہ درستی صف وغیرہ میں مصروف رہتے سعید بن منصور ناقل ہیں کہ ابوہریرہ بحرین میں موذن تھے اور امام جماعت علاء بن حضرمی تھے۔ عقد الثمین ص۹

اسی مروان کی ایجاد میں یہ بھی ہے کہ نماز جماعت میں امام کے پیچھے قرآت کی۔ امام مالک کی موطا میں ہے۔

"پہلا وہ شخص جس نے نماز جماعت میں امام کے پیچھے قرات کی وہ ایک مرد متقم ہے"

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں مراد اس سے مروان ہے۔

اور بہت سی روایتیں اس مضمون کی امام الکلام میں موجود ہیں کہ مروان ہی پہلا وہ شخص ہے جس نے امام کے پیچھے قرآن کی۔

یہ مسئلہ بھی اہلسنت کے یہاں نہایت اختلافی ہے۔ حنفی قائل ہیں کہ مقتدی نماز جماعت میں سورہ حمد کو نہ نماز جہر میں پڑھے نہ اخفاتی میں یعنی امام خواہ باآواز نماز پڑھے یا آہستہ ہر حال میں ماموم کو خاموشی کے ساتھ امام کو پڑھتے سننا چاہیے قرآت کرنی نہ چاہیے۔

شافعی قائل ہیں سری اور جہری دونوں میں ماموم کو قرآت کرنی چاہیئے۔ مالکی قائل ہیں کہ سری میں قرآت کرے اور جہری میں نہ کرے۔

حنفی حضرات جو قرات کے قائل نہیں ان میں بھی اختلاف ہے بعض قرات کو مکروہ بتاتے ہیں بعض حرام کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ قرات سے نماز ہی باطل ہو جاتی ہے اس کی تفصیل امام الکلام مولفہ مولوی عبدالحی میں دیکھیئے۔

یہاں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اختلاف کی جڑ مروان کی بدولت قائم ہوئی جس نے یہ ایجاد کیا کہ نماز جماعت میں ماموم قرات کرے جس پر مختلف قسم کی حدیثیں ڈھلنے لگیں جن کا انبار آج ہر صاحب فہم کو متحیر کر دیتا ہے اور ناواقفوں کو اصل اسلام میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے جو یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے اقوال میں اور اصل اسلام میں کیا فرق ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مروان کے اقوال کا اثر صرف حنفی و شافعی و مالکی کی فقہیات ہی تک محدود ہے کیونکہ اس مروان کی حدیثیں صحاح ستہ میں بھی قبول کی گئی ہیں جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے وقد اخرج حدیث مروان فی الصحیح البخاری (تاریخ کامل جلد ۴ ص۷۵)

صحیح بخاری میں مروان کی حدیث موجود ہے مگر امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت بھی اس میں ڈھونڈھے سے نہ ملے گی بلکہ بخاری صاحب امام

جعفر صادقؑ کے متعلق فرماتے ہیں اجد فی نفسی شئی میں امام جعفر صادق کے متعلق اپنے نفس میں ایک چیز محسوس کرتا ہوں۔ لطف یہ کہ تمام اہل سنت اس کے بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ نے اس مروان پر متعدد مرتبہ لعنت فرمائی پھر بھی اس کے افعال و اقوال شریفہ اہل سنت میں قابل قبول سمجھے گئے۔

تاریخ کامل میں ہے وقد روییت اخبار کثیرۃ فی لعنہ ولعن من صلبہ رواھا الحافظ یعنی بہت سی روایتیں اس بارے میں منقول ہیں کہ حضرت پیغمبر خدا نے مروان کے باپ حکم پر اور اسکی اولاد پر لعنت فرمائی۔

پھر لکھتے ہیں وولی المدینۃ لمعاویہ مرات فکان اذا ولی یبالغ فی سب علی واذا عزل وولی سعید بن العاص کف عنہ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۷۵)

مروان کئی مرتبہ منجانب معاویہ مدینہ کا حاکم ہوا اور جب حکومت اس کو ملتی تھی حضرت علی پر سب وشتم میں بہت مبالغہ کرتا اور جب وہ معزول ہوتا اور اس کی جگہ سعید بن عاص مقرر ہوتا تو دشنام دہی کو موقوف کر دیتا۔

افسوس کہ جس شخص پر رسول اللہ اس طرح لعنت فرمائیں اور وہ اسلام میں ایسا رخنہ ڈالے کہ حضرت عثمان اسی کی فتنہ پردازیوں کی بدولت قتل ہوں اسی مروان کی امور شرعیہ میں پیروی کی جائے اس کی حدیثیں سر آنکھوں پر رکھی جائیں اور انھیں صحاح ستہ میں جگہ دی جائے۔ آپ ہی غور فرمائیں اس کے پیرو سنت رسول کے عامل ہیں یا سنت مروان کے جس قدر اختلافات آمین بالجہر یا قرأت ماموم وغیرہ کے متعلق آپ حنفیوں اور اہل حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ فرماتے ہیں ان تمام اختلافات کی بنیاد اسی مروان کے فعل پر ہے۔

خلافت عبد الملک

اس خلافت کی صحت باضابطہ بعد قتل ابن زبیر مانی جاتی ہے مگر اس بے ضابطگی ہی کے زمانہ میں اذان متعلق قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ عمرو بن سعید اشدق کو جو خاندان بنی امیہ ہی کا ایک اعلیٰ ممبر تھا اور اہل شام اس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے بلکہ مروان ولی عہد بھی مقرر کر چکا تھا عبد الملک نے یہ مکر و فریب اپنے قصر میں بلایا قید کر کے زخمی بھی کر چکا تھا کہ موذن کی اذان سُن کر مسجد گیا اور اپنے بھائی سے کہتا گیا میرے آنے تک اس موذی کا کام تمام کر ڈالنا مگر عبد الملک کے بھائی نے اس کی منت و سماجت پر رحم کھا کر اسی طرح مقید رہنے دیا عبد الملک جب واپس آیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

عبد الملک کے حالات میں مذکور ہے کہ اس نے غضیف بن حرث ثمالی سے کہا۔

اے ابو اسماء میں نے لوگوں کو دو باتوں پر متحد کر دیا ہے اور میری کوشش سے سبھی نے ان دونوں باتوں پر اجماع کر لیا ہے ایک یہ کہ بروز جمعہ دعا کے لئے لوگ اپنے ہاتھ بلند کریں دوسرے یہ کہ بعد نماز صبح و عصر وعظ ہوا کرے۔

غضیف نے جواب دیا جہاں تم لوگوں کی اور بدعتیں ہیں اسی قبیل سے یہ بھی ہے میں اس کو نہیں قبول کر سکتا۔

عبدالملک نے پوچھا کیوں؟ غضیف نے کہا اس وجہ سے کہ حضرت پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے جہاں کوئی بدعت قائم ہوتی ہے وہاں ویسی ہی ایک سنت محو ہوتی ہے تو سنت کے ساتھ تمسک بہتر ہے بدعت ایجاد کرنے سے۔

اس روایت کو امام ابو شامہ نے اس فصل میں لکھا ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں۔

"منجملہ ان بدعتوں کے جو عام طور سے مشہور رہیں کہ وہ سنت ہیں وہ امور ہیں جس کے عوام اور بعض عوام کے مانند جو اہل علم ہیں منبروں پر مرتکب ہوتے ہیں جو ایسی جگہ ہے جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہونا چاہیئے۔ قیامت سے ڈرائیں دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت دلائیں یہ مقامات زیادہ تر اس قابل ہیں کہ بدعتوں سے احتراز کیا جائے سنت ظاہر کی جائے مگر افسوس انھیں مقاموں پر زیادہ تر ان بدعتوں کا رواج ہوتا ہے منجملہ ان بدعتوں کے خطیب کا یہ عمل ہے کہ جب منبر پر چڑھنے لگتے ہیں تو منبر کو تلوار یا عصا سے ۳ دفعہ ٹھوکر دیتے ہیں تھوڑا تھوڑا فاصلہ دے کر۔

(۲) اور قبل اس کے کہ وہ نمازیوں کی طرف مخاطب ہوں اور خطبہ سے پہلے سلام کہیں دیر تک دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳) وقت دعا ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں جو بدعت قدیم ہے۔

(اس بدعت کے بدعت قدیم ہونے پر وہ روایت لکھی جس میں عبدالملک کے اجماع کرانے کا مضمون ہے)

(۴) جب امر و نہی کو بیان کرتے ہیں تو دائیں بائیں مڑتے ہیں۔

(۵) جب رسول اللہ پر صلوۃ وسلام شروع کرتے ہیں تو ایک زینہ اور چڑھ جاتے ہیں اور فارغ ہو کر پھر ایک زینہ نیچے اتر آتے ہیں۔

یہ کل امور بدعت سے ہیں کیونکہ خطیب کو ابتدا سے انتہا تک حاضرین کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔

(۶) یہ بھی نہ چاہیئے کہ حضرتؐ پر صلوۃ وسلام کہتے وقت دائیں بائیں مڑیں۔

(۷) یہ بھی بدعت ہے جو حضرتؐ پر صلوۃ کہتے وقت بہ تکلف اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں یہ بالکل حکم شرع کے خلاف ہے۔ جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حضرتؐ پر درود بھیجنے میں آواز کا بلند کرنا بہتر ہے حالانکہ یہ جہالت ہے کیونکہ درود بھیجنا بھی دعا ہے اور اکثر دعاؤں میں آواز آہستہ رکھنا مستحب ہے عموماً اور جہاں جہر کا حکم دیا ہے جیسے قنوت وغیرہ وہاں بھی اس کا حکم نہیں کہ آواز بلند کی جائے تو درود میں آواز بلند کرنے کا حکم کہاں سے آیا ہرگز شریعت میں اس کا حکم نہیں ہے (کتاب الباعث صفحہ ۵)۔

یہ بحث ہم نماز جمعہ کی دوسری اذان کے ضمن میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ یہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے بعد اس کا اصل موجد عبدالملک ہے جس پر بعد کے ملّاؤں نے اور بہت سی بدعتوں کا اضافہ کیا۔ لہٰذا یہ دعویٰ قطعی طور پر درست ہے کہ عام طور پر فقہاء اہل سنت کا دارومدار اکثر ان احکام پر ہے جنھیں مروانی خلفاء نے اپنے دوران حکومت میں جاری کیے۔

امام ابوشامہ انھیں بدعتوں کے سلسلے میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "موذنوں کا تراسُل[1] اذان میں بروز جمعہ اور ہر موذن کا متفرق طور پر اذان کہنا بدعت مکروہ ہے امام الحرمین کہتے ہیں کہ موذنوں کو تراسل نہیں مستحب ہے بلکہ اگر وقت وسیع ہو تو ترتیب وار کہیں اور اگر وقت تنگ ہو تو اطراف مسجد میں منتشر ہو کر اذان دیں کہ ہر شخص کی اذان پوری ہو اور ہر شخص سُنے اور اقامت ایک ہی شخص کہے اگرچہ تعداد موذنوں کی زیادہ ہو۔ ابوشامہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اذان اول سے متعلق ہے نہ اُس اذان سے جو روبروئے خطیب کہی جاتی ہے بعد اس کے کہ وہ منبر پر جاتا ہے کیونکہ اس کا موذن ایک ہی شخص ہونا چاہیئے کیونکہ غرض اس کی اقامت شعار اسلام ہے اور یہ بتانا کہ اب خطیب منبر پر گیا ہر شخص کو سکوت مناسب ہے اس میں ایک ہی موذن کو اذان دینا چاہیئے" (کتاب الباعث، ص۹۵)

اب یہاں ہر شخص کو اس سیدھے سادے طریقہ اذان و خطبہ پر خیال کرنا چاہیئے جو شیعوں کے یہاں رائج ہے کہ بحمد اللہ ان کل بدعتوں سے پاک صاف ہے اور وہی طریقہ ان کے یہاں رائج ہے جو رسول نے جاری کیا اور بڑے بڑے علمائے اہل سنت اس حد پر اپنے اہل مذہب کو لانا چاہتے ہیں مگر بوجہ بے اصولی ہونے کے کسی طرح کامیاب نہیں ہوتے۔

تنبیہ

واضح ہو کہ اوقات استجابت دعا میں وہ وقت نہایت عظمت کا ہے جب خطیب خطبہ اوّل کے بعد تھوڑی دیر بیٹھتا ہے اور پھر دوسرے خطبہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس وقت دعا کرنا مستحب ہے اور علمائے اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں۔ عبدالملک والے اجماع سے اس کو تعلق نہیں اس لیے کہ ملّا علی قاری نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ بشیر بن مروان نے حالت قیامت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی یا اس وقت جب خطیب منبر پر بیٹھتا ہے۔

تعجب ہے کہ ان حضرات نے اپنے یہاں کی اکثر بدعتوں کو لکھا اور اس کے دفعیہ کی فکریں کر رہے ہیں مگر اس بدعت پر کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ دوسرے خطبہ میں منبر پر حکام جور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز اور بہت سی بدعتیں اس میں اضافہ کی گئی ہیں جنھیں سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب اغانی میں اسی عبدالملک کے زمانہ خلافت کا ایک واقعہ اذان سے متعلق لکھا ہے کہ عبدالملک نے حرث بن خالد کو مکہ کا حاکم مقرر کیا موذن نے اذان دی اور حرث مسجد الحرام میں آیا چاہا کہ نماز

(۱) یعنی پہلے ایک کہے پھر دوسرا کہے پھر تیسرا کہے پھر چوتھا۔ اُموی عہد حکومت میں کئی کئی موذن جمعہ کی اذان دیا کرتے اس طرح کہ ایک اللہ اکبر کہتا پھر دوسرا کہتا پھر تیسرا پھر چوتھا۔

شروع کریں کہ عائشہ بنت طلحہ نے کہلا بھیجا ابھی میرا طواف تمام نہیں ہوا توقف کرو۔ وکان تیعشقھا فامر المؤذن فکف عن الاقامۃ چونکہ یہ حرث عائشہ کا عاشق تھا اس لئے موذن کو حکم دیا کہ ابھی اقامت نہ کہے جب تک عائشہ طواف سے فارغ نہ ہوجائیں۔ چنانچہ اس وقت تک سب نمازی بیٹھے رہے نماز اقامت بند رہی جب یہ خبر عبدالملک کو پہونچی تو اس نے حرث کو معزول کردیا۔ یہ واقعہ صرف اس غرض سے لکھا گیا کہ کوئی واقعہ متعلق اذان رہ نہ جائے۔

خلافت ولید بن عبدالملک

اس خلافت کا نفس اذان میں تو کوئی اضافہ نہیں معلوم ہوتا مگر گلدستہ اذان کی ایجاد اسی کی طرف منسوب ہے جس کے بعد پھر بدعتوں کی بھرمار بھی شروع ہوگئی جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی ولید کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے۔

ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان بن جنادہ حجاز میں قرہ بن شریک مصر میں قسم بخدا زمین ظلم وجود سے بھر گئی (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲)

افسوس اسی زمانہ کے متعلق عام طور پر اہلسنت کے یہاں یہ مقولہ کہا جاتا ہے "بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ جو صحابہ کا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ جو تابعین کا ہے پھر وہ زمانہ جو تبع تابعین کا ہے۔" اس زمانہ میں صحابہ اور تابعین دونوں موجود تھے۔

ولید کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے لما وضعت الولید فی لحدہ اذا ھو یرکض فی اکفانہ یعنی ضرب الارض برجلہ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲) یعنی ولید کو قبر میں رکھا گیا تو کفن میں ہاتھ پیر مارنے لگا۔ تاریخ کامل میں ہے کہ جنازہ ہی میں دونوں گھٹنے اس کے گردن سے مل گئے جس پر اس کے بیٹے نے کہا ابا جان زندہ ہوگئے عمر بن عبدالعزیز نے کہا نہیں بلکہ خدا نے اس کے عذاب میں جلدی کی (تاریخ کامل جلد ۵ ص ۳)

سلیمان بن عبدالملک کی خلافت میں کوئی خاص واقعہ اس اذان کے متعلق قابل ذکر نہیں ملتا مگر اس کا بڑا احسان یہ ہے کہ نماز کی پابندی وقت کی اس نے کوشش کی اس کے ماقبل خلفائے بنی امیہ نے تاخیر نماز کو رواج دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۳)۔

اس خلیفہ نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے میں اسی سنت کا احیا کیا جس کی ایجاد حضرت ابوبکر نے کی تھی کہ وصیت نامہ پر بیعت لی کیونکہ حضرت عمر کی بیعت بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ فرق اس قدر ہے کہ وہاں حضرت عمر کا نام قبل بیعت لینے کے ظاہر کیا گیا اور عمر بن عبدالعزیز کا نام بند وصیت پر بیعت لینے کے بعد ظاہر کیا گیا (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۴) معلوم ہوتا ہے اس نام ہی کے خواص سے ہے کہ اس کی خلافت اسی طرح قائم ہو۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت بھی اذان سے متعلق کسی قابل ذکر واقعہ سے خالی ہے ہاں مسجدوں کے محراب کی ایجاد البتہ

ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ خلیفہ زہر دے کر مارا گیا (تاریخ الخلفا ص۱۶۷)

یزید بن عبد الملک ۱۰۱ھ میں خلیفہ ہوا پہلے قصد کیا کہ عمر بن عبد العزیز کی روش پر چلیں مگر ۴۰ شیوخ اہل سنت نے آکر گواہی دی کہ خلفا پر حساب و کتاب نہیں ہے لہذا اس نے وہ روش چھوڑ دی اور اپنے آبائی طریقہ ظلم و جور کو اختیار کیا۔ اذان کے متعلق کوئی واقعہ اس کا بھی نہیں ملا جو قابل ذکر ہو۔

ہشام بن عبد الملک کی خلافت سے مروان کے اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو دیکھا تھا کہ محراب میں چار مرتبہ پیشاب کیا ہے۔ جس کی سعید بن مسیب نے یہ تعبیر دی تھی کہ تیرے نطفہ سے چار شخص خلیفہ ہوں گے (تاریخ الخلفا ص۱۶۸)

اس خلیفہ کا تصرف حضرت عثمان کی اذان میں سابقاً مرقوم ہوا کہ حضرت عثمان نے بازار مدینہ میں جس نئی اذان کی ایجاد کی تھی اس کو ہشام نے موقوف کر کے مینار مسجد پر قائم کیا اور اصلی اذان میں یہ اضافہ کیا کہ پہلے تین آدمی مل کر اذان دیتے تھے اب بہت سے موذنوں کو اس میں شامل کیا۔

ابو شامہ لکھتے ہیں کہ تراسل موذنین اذان جمعہ میں اور متفرق طور پر سب کا اذان دینا بدعت مکروہ ہے پھر احیاء العلوم سے ناقل ہیں کہ موذنوں کا تراسل اذان میں کہ کلمات اذان کو خوب مد کے ساتھ ادا کریں اور حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کہتے وقت جو قبلہ سے منحرف ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کا علیحدہ علیحدہ اذان کہنا بلا فاصلہ جس سے حاضرین جواب اذان نہ دے سکیں منکرات مکروہ سے ہے۔ (کتاب الباعث ص۵)

خلافت ولید بن یزید بن عبد الملک

اس خلیفہ کے متعلق سبھی جانتے ہیں کہ نہایت درجہ کا شرابی تھا اس کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کی کوشش کی۔ اپنی ماں بہنوں بلکہ اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کرتا اور اپنے بھائی سلیمان بن یزید کے ساتھ بدفعلی کرنا چاہی اس کے فسق و فجور کے حالات سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں (تاریخ الخلفا ص۱۷۳)

اذان سے متعلق اس کا یہ واقعہ نہایت ہی قابل غور ہے کہ رات بھر یہ اپنی کنیز کے ساتھ شراب نوشی اور ہم بستری میں مصروف رہا جب صبح کی اذان ہوئی اور موذن نماز کے لئے بلانے آیا تو قسم کھا بیٹھا کہ آج یہی کنیز مسلمانوں کو نماز پڑھائے گی جو نشہ میں بھی چور تھی اور جنابت کی نجاست میں شب بھر بھری رہی چنانچہ اس کنیز نے اسی حالت میں مردانہ لباس پہنا اور خلیفہ کی جگہ اس نے سب کو نماز پڑھائی (تاریخ خمیس وغیرہ)

اس قسم کا واقعہ حضرت عثمان کی خلافت میں بھی ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان کے مادری بھائی ولید بن عقبہ نے نشہ کی حالت میں نماز صبح پڑھائی اور اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے جن میں بہت سے صحابہ تھے اور بہت سے تابعین کہا کہ اگر کہو تو دو چار رکعت اور بڑھا دوں۔

یہ ولید بن یزید کل ۱۳ یا ۱۴ مہینے خلیفہ رہا جس کے بعد نہایت بیدردی سے قتل کر ڈالا گیا اور یزید ناقص تخت نشین ہوا اور چھ مہینے خلیفہ رہا اس کا بھی کوئی واقعہ اذان سے متعلق تاریخوں میں نہیں ملتا بجز اس کے کہ عیدین میں جلوس کی ایجاد اسی نے کی قلعہ سے مصلے تک دو رویہ قطار لشکر کی آراستہ کھڑی کرائی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۲)

اس کے بعد برائے نام دو خلیفہ ہوئے ابراہیم بن ولید اور مروان حمار جس پر خلافت مروانی کا خاتمہ ہوا اور خلافت عباسیہ قائم ہوئی۔

چودھواں تغیر

اس کا کوئی زمانہ تاریخ میں مذکور نہیں اور نہ مذکورہ بالا خلفاء سے اس تغیر کا کوئی تعلق ہے اس کے موجد انس بن مالک صحابی پیغمبر ہیں اسی لئے ہم نے خاتمہ خلافت کے بعد اس کو لکھا۔ مولوی وکیل احمد صاحب حنفی سکندر پوری مفتی حیدر آباد دکن اپنی کتاب اصباح الحق الصریح ص ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تیسری بدعت اذان و اقامت جماعت ثانیہ کے لئے یعنی جب مسجد میں نماز جماعت اذان و اقامہ سے ہو گئی تھی پھر دوسری جماعت نے چاہا کہ نماز جماعت سے پڑھی جائے تو (اس دوسری جماعت کے لئے) اذان و اقامۃ درست ہے بخاری میں ہے وجاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن و اقام وصلی جماعۃ۔ (انس بن مالک مسجد میں آئے جب کہ نماز جماعت ہو چکی تھی انہوں نے اذان و اقامت کہی پھر جماعت سے نماز پڑھی۔"

پندرہواں تغیر

قبروں پر اذان دینا۔ یہ تغیر بھی مولوی وکیل احمد صاحب حنفی ہی کی کتاب سے معلوم ہوا مگر افسوس اس کی ابتدائی تاریخ نہ معلوم ہو سکی نہ اس کے تفصیلی حالات ہی کا پتہ چل سکا ہم مولوی صاحب ہی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

"قبور پر اذان بدعت حقیقیہ نہیں ہے رسالہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ہے۔

کلام در اذان بعد از دفن میت جاری شد۔ مولوی عبد الحی صاحب فرمودند کہ نزد من بدعت سیئہ است۔ مولوی رشید الدین خانصاحب گفتند کہ اذان بعد از دفن در معنی تلقین میت است و تلقین میت بعد از دفن در حدیث موجود است و چوں جناب بجریان احکام خمسہ در بدعت قائل شدند پس بدون اثبات جہت قبح در اذان بعد الدفن آنرا چہ گونہ بدعت سیئہ میفرمائند؟ ـ بجواب گفتند من مقلد مذہب حنفی ام و در مذہب من تلقین بعد الدفن روا نیست مولوی رشید الدین خاں صاحب بجواب آں گفتند کہ اگر من جواز تلقین بعد الدفن در کتب

حدیث نمودہ دہم باز شمارا حکم بنع ان کدام خواہد بود؟ مولوی عبد الحی صاحب فرمودند کہ آنحضرت صلعم وخلفائے راشدین غایت شفقت برامت داشتند چوں از ایشان مروی نیست وہم در شریعت تلقین بعد الدفن موجود نیست پس امرے را کہ آنحضرتؐ وخلفا باوجود کمال شفقت برامت بعمل نیاوردہ باشند اختراع آں بدعت سیئہ باشد مولوی مخصوص اللہ صاحب بجواب فرمودند کہ ازیں تقریر لازم می آید کہ امام شافعی کہ قائل بآں است خلاف شرع گفتہ باشد۔ مولوی عبد الحی صاحب بجوابش فرمودند کہ در مذہب حنفی نیست مولوی رشید الدین خاں صاحب بجواب گفتند کہ چوں تلقین بعد الدفن را بے اصل گفتہ بودی وچوں مذہب شافعی خلاف شرع نیست لہذا مولوی مخصوص اللہ بجواز آں در مذہب نقض برشما وارد کردہ اند وبندہ عرض می کند کہ چوں اصل اذان بعد الدفن تلقین میت بعد از دفن است وہرگاہ تلقین بعد از دفن در حدیث شریف موجود باشد پس اذان بعد الدفن را کہ اصل آں در شرع موجود است بدعت سیئہ گفتن روا نباشد مولوی عبد الحی صاحب فرمودند نزد من بدعت سیئہ است لیکن بکسے منع اذان نمیکنم انتہی مختصراً۔

میت کے دفن کے بعد اذان کہنے کی بحث چھڑی۔ مولوی عبد الحی صاحب نے کہا میرے نزدیک میت کے دفن کے بعد اذان کہنا بدعت سیئہ ہے۔ مولوی رشید الدین خاں صاحب نے کہا دفن میت کے بعد اذان بمعنائے تلقین میت ہے اور تلقین میت بعد از دفن حدیث سے ثابت ہے چونکہ آپ بدعت میں احکام خمسہ کے جاری ہونے کے قائل ہو چکے ہیں لہذا جب تک آپ یہ نہ ثابت کر لیں کہ دفن کے بعد اذان کہنے میں کیا خرابی ہے اُسے بدعت سیئہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے کہا میں مذہب حنفی کا مقلد ہوں ہمارے مذہب میں بعد دفن تلقین جائز نہیں۔ مولوی رشید الدین خانصاحب نے اس کے جواب میں کہا اگر میں بعد دفن تلقین کا جائز ہونا حدیثوں کی کتابوں سے دکھادوں پھر آپ اس کی ممانعت کا حکم کیسے لگا سکتے ہیں؟ مولوی عبد الحی صاحب نے کہا حضرت رسول خداؐ اور خلفائے راشدین امت مسلمہ پر انتہائی مہربان وشفیق تھے چوں کہ ان حضرات سے تلقین بعد دفن منقول نہیں نیز شریعت میں بھی اس کا وجود نہیں لہذا ایسا کام جسے پیغمبر خدا اور خلفا نے نہ کیا ہو اس کو اپنے جی سے کرنا بدعت سیئہ ہے اس کے جواب میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی جو تلقین میت بعد از دفن کے قائل ہیں وہ خلاف شرع قائل ہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے فرمایا مذہب حنفی میں یہ چیز جائز نہیں۔ مولوی رشید الدین خانصاحب نے جواب میں کہا چونکہ آپ تلقین بعد از دفن کو بے اصل بتا رہے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شافعی کا مذہب خلاف شرع نہیں اسی وجہ سے مولوی مخصوص اللہ صاحب آپ پر معترض ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ چونکہ اذان بعد الدفن حقیقۃً تلقین میت ہے اور تلقین میت بعد از دفن حدیث شریف سے ثابت ہے لہذا اذان بعد الدفن کو جس کی اصل شریعت

میں موجود ہے بدعت سیئہ کہنا جائز نہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے فرمایا ہے تو میرے نزدیک بدعت سیئہ ہی لیکن میں کسی کو اس سے منع نہ کروں گا۔"

ان تغیرات و احکام سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علمائے اہل سنت کے اختیارات خلفائے ما سبق سے کچھ کم نہ تھے جس شخص نے جو چاہا اپنے دل سے شریعت محمدیہ میں اضافہ کر لیا۔ خداوند عالم تو فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن ہم نے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا مگر یہ حضرات کسی طرح تکمیل دین کے قائل نہیں اپنے ایجادات و اختراعات سے برابر اضافہ پر اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اذان بھی ایک مسئلہ ہے مسائل عبادات سے اس میں اپنی عقل و رائے کو دخل دینا کیسا؟ یہ کچھ خلافت کا کام نہیں فتوحات نہیں کہ جس طرح چاہا سیدھے لٹے ہاتھوں سے لڑے یا رعایا کو تباہ و برباد کیا۔ یہ عبادت خدا کے مسائل سے ہے اس میں اسی کی تعمیل حکم چاہیئے یا اس کے رسول کے حکم کی نہ کہ اپنے نفس امارہ کی پیروی۔

متفرق واقعات متعلق اذان

اس سلسلہ خلافت کے واقعات اذان سے متعلق لکھنے کے بعد ہم چند واقعات اور لکھتے ہیں اگرچہ کل واقعات کا جمع کرنا محال ہے تاہم اس کی کوشش کی گئی ہے کہ بقدر امکان کوئی بات رہ نہ جائے۔

قصہ زریث وصی عیسیٰؑ

اس قصہ کو شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا کے مقصد دوم فصل چہارم میں بیان کیا ہے جہاں انھوں نے حضرت عمر کے مکاشفات ذکر کئے ہیں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ نضلہ بن معاویہ انصاری کو حلوان کی طرف روانہ کریں جہاں جا کر وہ لوٹ مار کریں سعد نے دو سو سوار نضلہ کے ساتھ کئے اور حکم دیا کہ جا کر حلوان پر چھاپہ مارو۔ وہاں نضلہ نے بہت کچھ مال غنیمت پایا اور مظفر و منصور لشکر گاہ کی طرف واپس ہوا۔ اس اثنا میں نماز عصر کا وقت آ گیا جو بہت تنگ تھا۔ مجبوراً ایک پہاڑی کے دامن میں اترے اور مال غنیمت کی حفاظت کا حکم دیا تاکہ نماز پڑھ کر پھر روانہ ہوں نضلہ نے اذان شروع کی اللہ اکبر کہنا تھا کہ بالائے پہاڑ سے کسی نے آواز دی "تو نے تکبیر کہی اے نضلہ" جب نضلہ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو پہاڑ سے آواز آئی "یہ کلمہ اخلاص ہے اے نضلہ" جب نضلہ نے اشہد ان محمدا رسول اللہ کہا تو پہاڑ سے آواز آئی "یہی وہ شخص ہے جس کی بشارت دی تھی ہم لوگوں کو عیسیٰؑ بن مریم نے اور کہا تھا اسی نبی کی امت پر خاتمہ ہوگا اور قیامت قائم ہو گی۔" جب حی علی الصلاۃ کہا تو آواز آئی "طوبیٰ ہے اس کے لئے جو نماز میں سعی کرے اور اس کی مداومت کرے" جب حی علی الفلاح کہا تو آواز آئی "بیشک رستگار ہوا جس نے اجابت کی جب نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ تو آواز آئی

"تونے خاص طور پر کلمہ اخلاص کو ادا کیا اے نضلہ! خدا نے اس کے سبب تیرے جسم کو آتش جہنم پر حرام کیا۔

جب نضلہ اذان سے فارغ ہوا اور جماعت قائم ہوئی تو نضلہ نے آواز دی "تو کون شخص ہے خدا تجھ پر رحمت نازل کرے فرشتہ ہے یا جن یا دوسرا گروہ۔ خدا کی عبادت کرنے والوں سے جہاں تونے اپنی آواز سنائی وہاں اپنی صورت بھی دکھا کہ یہ سارا لشکر لشکر ہے رسول اللہ کا اور لشکر ہے عمر بن الخطاب کا" راوی کہتا ہے کہ جب نضلہ نے یہ کلام کیا تو پہاڑ شگافتہ ہوا اور ایک شخص کا سر اس سے نمودار ہوا جو مثل سنگ آسیہ تھا داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اور کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ مسلمانوں نے جواب سلام دیا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میرا نام زربیت بن برغلا ہے عبد صالح حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا وصی۔ جنھوں نے یہاں مجھے سکونت کا حکم دیا اور دعا کی کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تک حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول ہو تم لوگ میری طرف سے عمر کو سلام کہنا اور کہنا کہ عدل و انصاف کرو اور جلدی کرو کہ اب وقت نزدیک آگیا ہے اس کے بعد چند آثار قرب قیامت کے بتائے اور آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

اس خبر سے نضلہ نے سعد کو مطلع کیا اور سعد نے مدینہ میں حضرت عمر کو لکھا جہاں سے حکم آیا مع کل مہاجرین و انصار اس پہاڑ کے پاس جاؤ اور اگر زربیت سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہونچانا چنانچہ سعد چار ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ وہاں آئے اور ۴۰ روز تک وہاں ٹھہرے رہے اور اذان دیتے تھے مگر نہ جواب سنا نہ کسی کا خطاب معلوم ہوا (ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۶۸)

جس خلوص نیت سے شاہ صاحب نے اس روایت کو لکھا ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں مگر راوی اول اس کا زیادہ مستحق اجر و جزا ہے کہ اس نے اپنی جماعت پر ایک ایسا احسان کیا کہ کسی طرح کوئی اس کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر افسوس یہ ہو کہ علمائے اہل حدیث عام طور پر اس روایت کو موضوع اور کذب و افترا بتا رہے ہیں جس سے ساری محنت اول راوی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی خاک میں مل جاتی ہے کیونکہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں عبد الرحمان بن ابراہیم راسبی مالک سے ایک طولانی اور باطل حدیث نقل کرتا ہے اور وہی اس روایت کے وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے اس کے بعد اسی روایت نضلہ کو مختصر طور پر لکھ کر فرماتے ہیں وھذا شئی لیس بصحیح یعنی کسی طرح یہ روایت صحیح نہیں ہے (میزان الاعتدال جلد دوم ص ۸۸)

اس کے بعد علامہ ذہبی نے اس روایت کے دیگر راویوں کا سلسلہ بہ سلسلہ ذکر کیا ہے اور سب کو کذاب و مفتری اور اُن کی بیان کردہ روایتوں کو غلط و باطل ٹھہرایا ہے بہت افسوس ہے کہ اس روایت کو خود علمائے اہل سنت نے موضوع اور باطل بنا دیا جس سے شاہ ولی اللہ صاحب کو سخت صدمہ ہو گا ورنہ شیعوں کے حق میں بھی یہ روایت بہت مفید تھی کیونکہ وہ اس روایت سے وجود ذی جود حضرت مہدی موعود علیہ السلام پر کچھ استدلال کر سکتے تھے کیونکہ جب وصی حضرت عیسیٰ کا باقی رہنا ممکن ہوا تو وصی رسول اللہ کے بقا پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے مگر افسوس روایت یہی موضوع ٹھہری۔

ام ورقہ

یہ واقعہ بھی اصل میں خلافت خلیفہ دوم سے متعلق ہو سنن ابی داؤد میں ہو کہ جس وقت حضرت پیغمبر خدا غزوہ بدر کے لئے جارہے تھے ام ورقہ بنت نوفل نے حضرت سے عرض کی کہ مجھے بھی غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے میں آپ کے ساتھ مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید خدا مجھے بھی شہادت کے درجہ پر فائز کرے حضرت نے جواب دیا تو اپنے گھر میں بیٹھی رہ خدا تجھے یہیں شہادت کا تواب عنایت فرمائے گا راوی کا بیان ہو کہ اس واقعہ کے بعد وہ عورت شہیدہ کے لفظ سے یاد کی جاتی تھی یہ قرآن پڑھے ہوئے تھی اس نے حضرت سے اجازت لی کہ اپنے گھر موذن مقرر کرے حضرت نے اجازت دی اور اس کے یہاں اذان ہونے لگی - اس کی ایک لونڈی تھی اور ایک غلام دونوں نے ایک دن مل کر ایک لحاف کے نیچے دبا کر اس عورت کا گلا گھونٹ دیا اور بھاگ گئے جب حضرت عمر نے سنا تو گرفتار کرنے کا حکم دیا وہ دونوں پکڑ کر لائے گئے اور اُن کو سولی دی گئی - یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ میں واقع ہوئی اور دوسری حدیث میں ہو کہ یہ پہلی سولی ہے جو اسلام میں دی گئی -

دوسری روایت اس کی یوں ہے کہ خود حضرت پیغمبر خدا اس کی ملاقات کو اس کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور اس عورت کو اجازت دی تھی کہ اپنے گھر والیوں کی امامت کرے اور ایک موذن اس کے لئے مقرر کیا جس کے بارے میں عبدالرحمان روایت کرتا ہے کہ میں نے اس موذن کو بڑھاپے میں دیکھا تھا -

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی جماعت سے نماز پڑھنی چاہیے مگر علامہ منذری نے اس میں یہ قدح کی ہو کہ اس روایت کے سلسلہ اسناد میں ولید بن جمیع ہے جس کے بارے میں لوگوں کو کلام ہو اور مستدرک امام حاکم میں ہے کہ اس باب میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث مستند نہیں -

اس بارے میں حضرت عائشہ کا بھی نام لیا گیا ہے کہ وہ بھی اذان و اقامت کہہ کر عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور اُن کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں - حالانکہ ابن عدی نے کامل میں اور ابوالشیخ نے کتاب الاذان میں اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہو کہ حضرت نے فرمایا عورتوں پر نہ اذان ہے نہ اقامت نہ جمعہ نہ غسل جمعہ نہ اُن کے آگے کھڑی ہو بلکہ اُن کے بیچ میں کھڑی ہو -

یہ مسئلہ امامت نسوان بھی بڑا اختلافی مسئلہ ہو امام شافعی قائل ہیں عورتوں کا بجماعت نماز پڑھنا مستحب ہو - اوزاعی سفیان ثوری احمد اسی کے قائل ہیں امام نخعی و شعبی قائل ہیں کہ یہ امامت نوافل میں ہونی چاہیے نہ فرض نمازوں میں -

امام ابوحنیفہ قائل ہیں کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے - امام محمد بن جریر طبری قائل ہیں کہ عورتیں مطلقاً امامت کرسکتی ہیں خواہ مردوں کی جماعت ہو یا عورتوں کی - ابوثور مزنی بھی اسی کے قائل ہیں - امام مالک و حسن بصری قائل ہیں کہ عورتیں کسی کی امام نہیں ہوسکتیں نہ فرض میں نہ نفل میں -

ان اختلافات کی تنقیح و تصحیح میں مولوی عبدالحی صاحب نے ایک رسالہ تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء بہت شرح و بسط سے لکھا ہے جس کے بعد کسی تحریر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس رسالہ میں بخوبی ظاہر ہے کہ ہر شخص نے کس کس طرح کی ایجادوں سے ان احکام شرعیہ میں کام لیا ہے -

حنفی حضرات نے جن جن دلیلوں سے جماعت نسواں کی غیر مشروعیت پر استدلال کیا ہے اس میں اذان بھی داخل ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اگر عورتوں کی جماعت مشروع ہوتی تو اذان بھی اُن کے لئے مشروع ہوتی کیونکہ وہ ندا ہے اسی جماعت کے لئے۔

اس کے جواب میں مولوی عبد الحی صاحب لکھتے ہیں (۱) خود حضرت عائشہ کے بارے میں ہے کہ وہ اذان کہتی تھیں اور اقامت فرماتی تھیں اس کے بعد امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھاتیں اور بیچ میں کھڑی ہوتیں (مستدرک)

(۲) اگر مشروعیت اذان سے یہ مراد ہے کہ مردوں کا اذان دینا عورتوں کے لئے تو ام ورقہ کی حدیث میں مذکور ہوا کہ بحکم رسول ان کے لئے ایک موذن معین تھا جو اذان دیتا اور ام ورقہ امامت کرتیں اور اگر خود عورتوں کے اذان کی مشروعیت مقصود ہے تو یہ لازم نہیں کیونکہ اگر طفل ممیز بھی جماعت رجال کے لئے اذان دے تو کافی ہو جاتا ہے تو ان کی عدم مشروعیت اذان سے عدم مشروعیت جماعت لازم نہیں۔

(۳) بہت سی نمازیں مشروع ہیں اور ان میں اذان نہیں ہے جیسے نماز عیدین نماز کسوف استسقا وغیرہ حالانکہ ان میں جماعت مشروع ہے۔

(۴) عورتوں کا اذان دینا اس لئے ناجائز قرار دیا گیا کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے جیسا کہ تصریح کی گئی ہے کہ نغمۂ عورت یا عورت کا آواز بلند کرنا بھی عورت کے حکم میں داخل ہے تو اس کی عدم مشروعیت سے جماعت کی عدم مشروعیت لازم نہیں آتی۔

(۵) عدم مشروعیت اذانِ نسواں بھی اتفاقی نہیں امام شافعی کا ۳ قول ہے (۱) عورتوں پر نہ اذان ہے نہ اقامت (۲) دونوں مستحب ہیں (۳) اقامت مستحب ہے نہ اذان (دیکھو تحفۃ النبلا صفحہ ۲۹)

اس بحث میں اگر پورے غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو ان سب اختلافوں کا منشا وہی حضرت عائشہ کا فعل ہے جنھوں نے شاید جنگ جمل کے زمانہ میں اس کا قصد کیا ہوگا کہ اگر لوازم خلافت سے امامت صلوۃ بھی ہے تو اس میں ہم کب پیچھے ہیں جو کوئی نقص لازم آئے اسی کے لئے وہ حدیث ام ورقہ بھی بنائی گئی جس کا غیر معتبر ہونا ابھی مذکور ہوا اور چونکہ مدار مذہب اہلسنت افعال صحابہ پر ہے اس لئے اس قدر اختلافات پیدا ہوئے ورنہ ان اختلافات کی کوئی ضرورت نہ تھی حکم خدا و رسول واضح ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ صرف اسی مسئلہ اذان کے متعلق آج تک کتنے اضافے اور کتنی بدعتیں پیدا ہوئیں صرف خلفا ہی نے اپنی ایجادات پر اکتفا نہ کی بلکہ ہر ہر صحابی اور تابعی نے اپنی اپنی خواہش کے مطابق اضافہ کیا۔

یہاں تک کہ چند دن ہوئے فتح پور کے جدت پسند مسلمانوں نے ایک اور اضافہ کیا کہ خلفائے ثلثہ کا نام بھی داخل اذان کر دیا جس کی نسبت مقدمہ بازیاں بھی ہوئیں اور شاید فیصلہ ان کے خلاف ہوا ہو۔

اصل یہ ہے کہ چونکہ شریعت محمدیہ کو یہ لوگ اپنی رائے کا تابع سمجھتے ہیں لہذا جو کچھ کر نہ گزریں وہ کم ہے ورنہ اگر واقعی یہ لوگ حضرت رسول اللہ کی نبوت پر ایمان لائے ہوتے اور ختم رسالت کے قائل ہوتے تو یہ خرابی کیوں ہوتی دیکھئے ایک طرف قادیان میں نبوت کا ڈنکہ بجتا ہے دوسری طرف ایبٹ آباد میں فضل حق صاحب خلیفۃ المسیح مدعی خلافت مسیح ہوئے جنکی تائید میں حضرت خضر مقرر ہوئے (دیکھئے اخبار مورخہ ۸ فروری ۱۹۳۱ء)

مختصر یہ کہ یہ سب خرابیاں محض اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ ان مسلمانوں کا عقیدہ ختم رسالت پر آنحضرت کے درست نہیں ہے محض

عوام کی فریب دہی کے لئے اسلام کا نام لیا جاتا ہو ورنہ اگر وقعی ان کا یہ اعتقاد ہوتا تو شریعت محمدیہ میں یہ سب خرابیاں کیوں ہوتیں اور آئے دن عوائے نبوت کیوں کیا جاتا۔

موضوعات اذان

اب ہم تاریخ الاذان کو اس کے موضوعات پر ختم کرتے ہیں ان موضوعات و اکاذیب سے اس کا بھی پتہ چلے گا کہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کن کن صورتوں سے کی گئی ہو کیونکہ یہ اذان محض ایک اعلان و اعلام ہو اُن مسائل عظیمہ سے نہیں جن پر دین اسلام کا دارومدار ہی تو جب اذان کی یہ درگت بنائی گئی تو اور احکام کی کیا حالت ہوئی ہوگی جن کو صرف آخرت ہی سے تعلق نہیں بلکہ ان سے دینی و دنیوی دونوں اغراض و فوائد وابستہ ہیں۔

ایک حدیث یہ بنائی گئی کہ موذن جب اشهد ان محمد رسول اللہ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو چوم کر دونوں آنکھوں پر پھیریں اور یہ کہتے جائیں اشهد ان محمدا عبده و رسوله رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد علیه السلام نبیا۔

دیلمی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا جو شخص ایسا کرے گا بروز قیامت میں اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ مگر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر تک اس روایت کا سلسلہ پہونچتا ہے تو اس کو کرنا چاہیئے کیونکہ ارشاد پیغمبر علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین بھی تو حدیث ہو! اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ ابن طاہر کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

دوسری حدیث یوں ہے کہ جب اشهد ان محمدا رسول اللہ سُنے تو کہے مرحبا بحبیبی و قرة عینی محمد بن عبد اللہ پھر دونوں انگوٹھوں کو چومے اور دونوں آنکھوں پر پھیرے اس سے نہ اندھا ہوگا نہ آنکھیں اس کی آشوب کریں گی۔

تذکرہ میں ہے کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں (فوائد مجموعہ صہ ۹)

تیسری حدیث یہ ہے کہ اذان و اقامت میں اس قدر فاصلہ ہونا چاہیئے کہ آدمی کھانا کھا سکے۔

قزوینی کہتے ہیں کہ یہ حدیث بھی موضوع ہے۔

چوتھی حدیث یہ ہے کہ جب موذن اذان شروع کرتا ہے تو خدا اپنا ہاتھ اسکے سر پر رکھتا ہے۔

اس حدیث کا راوی عمر بن صبح ہے جو مشہور حدیثیں گڑھنے والا تھا۔

ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں اذان کہنے والوں کی فضیلت میں بنائی گئی ہیں جو مختلف اور طولانی روایتیں ہیں طوالت کے خوف سے ہم ان کو ذکر نہیں کرتے۔ لئالی مصنوعہ علامہ سیوطی اور فوائد مجموعہ علامہ شوکانی ملاحظہ ہو۔

ان موضوعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بلا ضرورت محض اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ اختراعات و ایجادات کیے گئے ان میں ان کا کوئی مفاد بھی نہیں تھا مگر جہاں کوئی اچھی بات ان کے دل میں آتی اس کے لئے ایک حدیث گڑھ دی تو پھر ضرورت کے وقت کیا کچھ نہ افترا کیا ہوگا جس سے رسول اللہ کی مقدس روح قبر مطہر میں خوش ہوتی ہوگی اور اپنی اس امت کے لئے کیا کچھ نہ دعا دیتی ہوگی۔

تمام شد